توحید

تفسیر سورہ توحید

نام کتاب	توحید (تفسیرِ سورہ توحید)
مصنف	امام سید احمد الحسنؑ
مترجم	گروہِ مترجمینِ انصار المہدیؑ
بارِ اشاعت	اول
سن اشاعت	2021ء

امام سید احمد الحسنؑ نمائندہ و سفیرِ امام زمانؑ کی تعلیمات کے بارے میں مزید جاننے کے لیے ان ویب سائٹس سے رجوع کریں

https://almahdyoon.com/ http://www.saviorofmankind.com/
http://almahdyoon.co/ http://ansars.at/
https://www.facebook.com/Ahmed.Alhasan.10313

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

نمبر شمار	عنوان	نمبر شمار	عنوان
1	انتساب	21	اللہ سبحانہ ایک ہی ہے، باقی سب اس کے مخلوق ہے
2	وجہ تالیف	22	لاہوت مطلق انسان کے اندر حلول کرتا ہے
3	مقدمہ	23	کلام کی تفسیر
4	توحید کا بسم اللہ	24	عمانوائیل یا خدا ہمارے ساتھ ہے
5	قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ	25	خدا اور جسم
6	اللّٰهُ الصَّمَدُ	26	بیٹا
7	الصَّمَدُ	27	توحید توریت اور انجیل میں
8	لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ	28	توریت کی عبارتیں (عہد قدیم)
9	وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ	29	انجیل عہد جدید کی چند عبارتیں
10	الوہیت	30	وہ خطوط جو انجیل کے ساتھ ہیں
11	اللہ مخلوق میں	31	انجیل کا واضح بیان
12	اللہ اور وجہ اللہ	32	وہابی کی توحید کے حدود میں تفریط
13	توحید وصف کے بجائے تسبیح میں	33	توحید
14	نماز اور توحید	34	مخلوق میں مخلوق کے لئے الوہیت کی تجلی
15	سجدہ اور توحید	35	خاتمہ
16	شرک، کفر اور توحید کے درمیان انسانیت کا کردار	36	ضمیمہ: 1، 2
17	حدودِ توحید میں افراط	37	اسم اللہ علم یا مشتق ہونے میں مختلف اقوال
18	وہابیوں کی توحید	38	ضمیمہ: 3
19	کل کے خوارج اور آج کے وہابی	39	ضمیمہ: 4
20	آخری زمانے کے خوارج	40	ضمیمہ: 5

انتساب

حسین ابن علیؑ کے نام

اور ہر اس فرد کے نام جنہوں نے خدا کی حاکمیت کی خاطر اپنی مصیبتوں اور خون کے گواہی دیں اور دے رہے ہیں۔

زینب بنت علیؑ کے نام!

اور تمام خواتین کے نام جنہوں نے حق کی گواہی دیں۔

اور ہر اس خاتون کے نام جن آوازیں خدا کی حاکمیت کی خاطر بلند تھیں اور ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سب گواہی لکھی جا چکی ہے اور لکھی جائے گی۔ اور بروز قیامت آپ کے دشمنوں اور مخالفت کرنے والوں سے پوچھا جائے گا۔

جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے: ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ * فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَآئِبِينَ * وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ * وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُواْ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يِظْلِمُونَ﴾

پس جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ہر صورت میں ان سے سوال کریں گے اور خود پیغمبروں سے بھی ہم ضرور پوچھیں گے۔ پھر ہم پورے علم و آگہی سے ان سے سر گزشت بیان کریں گے اور ہم غائب تو نہیں تھے۔ اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے، پھر جن (کے اعمال) کا پلڑا بھاری ہو گا پس وہی فلاح پائیں گے۔ اور جن کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ لوگ ہماری آیات سے زیادتی کے سبب خود گھاٹے میں رہے۔[1]

آپ سب کا خادم

احمد الحسن

---

[1] الاعراف: 9-6۔

وجہ تالیف

بسم الله الرحمن الرحیم

پاک ہے خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت اس کی کنہ وحقیقت ہو، بلکہ یہ دونوں اسی کی صفات ہیں لہٰذا اسی کی ہی تمام مخلوق عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی وجود میں سے نقص کو دور کرکے کمال تک پہنچے اور وہی پروردگار ہے جو اپنے مخلوق کی نقص کو دور کرکے کمال تک پہنچاتا ہے۔ لیکن در حقیقت الوہیت اور ربوبیت اس کی حقیقت نہیں ہیں، بلکہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ اپنے نیاز مند مخلوق میں کمال مطلق ظاہر کرتا ہے، لہٰذا وہی معبود مطلق ہے جس کی تمام مخلوق اپنے نقص کو دور کرنے کے لئے عبادت کرتے ہیں اور نیاز مند مخلوق میں ربوبیت کو ظاہر کرتا ہے، اس طرح وہ ان سے نقص کو دور کرکے کمال عطا کرتا ہے تاکہ وہ انہیں اس کی معرفت حاصل ہو جائے اور اس کی عبادت انجام دیں، لہٰذا بغیر معرفت کی عبادت کوئی معنی نہیں رکھتا جس میں حقیقت نہ ہو۔ لہٰذا حقیقت معرفت کا مقصد دراصل معرفت کی حقیقت تک پہنچنے سے عاجز ہونا ہے، کیونکہ خدا کی ذات نے الوہیت کے ذریعے اپنے مخلوق کی نقص کو دور کرتے ہوئے کمال مطلق تک پہنچایا جو انہیں اس کی عبادت پر زور دیتی ہے، اس مرحلے کی معرفت ہی ان کو حقیقت معرفت کے مرحلے تک پہنچنے کی عاجزی کو بتاتی ہے۔ لہٰذا الوہیت بے نیازی اور کمال ہے جو فقراء سے فقر کو دور کرے کہ تمام مخلوق اس کی عبادت کریں تاکہ وہ انہیں کمال عطا کرے، اس طرح وہ الوہیت خدا کی ذات کی معرفت حاصل کریں جس کے نتیجے میں وہ سب اس کی عبادت کرتے ہیں، اور ربوبیت کے ذریعے اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں تاکہ انہیں کمال حاصل ہو، اب یہاں پر الوہیت اور حقیقت کے درمیان فرق کو سمجھنے کی وجہ سے بہت سارے علم ومعرفت کے داعی کے لئے سارے امور آپس میں خلط ملط ہو گئے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ یہ لوگ الوہیت اور ربوبیت کے درمیان فرق کو بھی نہیں سمجھتے، یہاں تک کہ اپنے آپ کو علمائے اسلام کہلوانے والے بھی آج تک اس قول خداوندی کو سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ وَقُضِيَ الأَمْرُ وَإِلَى اللّهِ تُرْجَعُ الأُمُورُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[1]

پس ان میں کچھ لوگ اس آیت میں خود سے کوئی لفظ اضافہ کرتے ہیں تو دوسرے کوئی لفظ اس طرح تبدیل کرتے ہیں گویا خداوند عالم کی ذات اس لفظ کے اضافہ کرنے سے عاجز ہے۔[2] اور ان میں سے کچھ تو خدا کی ذات کے بارے میں ایسی باتیں کرنا

---

[1]۔ البقرة:210۔

[2]۔ یہ کہ یہاں پر مضاف محذوف ہونا درست نہیں ہے جس کے لئے یہ کہنا کافی ہے کہ اس آیت میں مضاف الیہ مرفوع ہے، تو کیا ان کے ہاں مضاف الیہ کو رفع دینا درست ہے جیساکہ اس اوپر کی آیت میں ہے؟ کیا یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت کے اعراب میں

جائز سمجھتے ہیں۔[1] اس طرح وہ ایک ایسے لکڑہارے کی مانند ہو جاتا ہے جو رات کے اندھیرے میں اپنا کلہاڑا کھو دیتا ہے، لہٰذا وہ دو آگ کے درمیان ایک آگ ہیں، کیونکہ وہ خدا کے آنے جانے کے قائل ہیں، سو وہ خدا کو ایسے مخلوق کی طرح سمجھتے ہیں جو کسی جگہ اور احاطہ یا ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا محتاج ہوتا ہے، اور یہ کہتے ہوئے آیت کے اندر تحریف کرتے ہیں کہ یہاں پر ایک لفظ محذوف ہے۔ اس طرح وہ بغیر کسی خوف خدا سے قرآنی کلمات کو اپنے مقامات سے آگے پیچھے تبدیل کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ لیکن مسیحی لوگ نے بھی تورات اور انجیل میں اسی طرح کے کام کیے ہیں۔[2] اور انہوں نے اس "آنے والے" سے جناب عیسیٰ (ع) مراد لیتے ہیں اور یہ اعتبار کرتے ہیں کہ جناب عیسیٰ (ع) ہی خدا ہے، وہ اس دنیا میں لاہوت مطلق کے جسم

اللہ مضاف الیہ مجرور اور مضاف محذوف تقدیر میں مثلا امر ہے؟ یہ لفظ اللہ کو کیوں رفع نہیں دیتے ہیں جوکہ فعل" أتی" کا فاعل ہے؟ اور یہ سوال ہے کہ کیا ایک دانشمند کو یہ کرنا درست ہے کہ وہ ایسے موقع پر مضاف کو حذف کرے جہاں عقیدہ توحید میں اشتباہ کا سبب بن جائے؟ کیا عرب اشتباہ کے مواورد میں مضاف کرتے ہیں؟ لہٰذا اگر مضاف کو حذف سمجھا جائے تو یہاں پر بہت سارے سوالات پیدا ہوتے ہیں جس کی تعلیل بھی نحو کے قاعدے میں ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ اسے بشری استقرائی قواعد میں کہاجائے جو بہرحال قرآن کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اس مقام پرشاید حالیہ سنی اورشیعہ فقہاء جرجانی کا قول مناسب ہو ،لیکن کیا یہ اس آیت پر انطباق ہوسکتا ہے؟،کیونکہ جرجانی کہتے ہیں:"حذف کرنا دقیق مسلک،اخذ لطیف،عجیب امر اور سحر جیسا ہے، کیونکہ تم جانتے ہو کہ بیان کرنے سے بیان ترک کرنا زیادہ واضح ہے اورفائدہ دینے کے لئے خاموش رہنا خود فائدہ دینے سے بہتر ہے،خود تمہاری اپنی خاموشی بولنے سے زیادہ بہتر ہے اور بیان کرنانے کرنے سے زیادہ مکمل رہتا ہے"۔دلائل الاعجاز: عبدالقاھر الجرجانی۔

مگر جہاں تک تاویل کاتعلق ہے یعنی کوئی یہ کہے کہ اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے اور یہاں کوئی محذوف ہیں ہے۔ یہاں پر ایک سوال یہ آتا ہے : کیا کلمہ اللہ کو اللہ کے علاوہ کسی پر اطلاق کرنا جائز ہے جو یہاں اس کے امر پر اطلاق کیا گیا ہے؟ پس جب لغت یہ ممکن ہے تو کلمہ اللہ سے امر اللہ کے بجائے عبد اللہ کیوں مراد نہیں ہوتا،یعنی محمد(ص)۔ پھر یہاں پر ایک سوال اور آتا ہے کہ امراللہ یا عبداللہ کیا ہے؟ امراللہ یا عبد اللہ کون ہے؟کس نے اللہ کا نام حمل کیا ہے؟کیوں اسم کو حمل کیا ہے؟ ،یہی دراصل وہ چیزیں ہیں جنہیں اس کتاب میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

[1]۔ابن جبیر جوکہ ایک بڑے وہابی متکلم عالم کہتے ہیں:اللہ کی رؤیت کی امتناع والی آیات میں اللہ کاامرلینا لازم نہیں آتا ہے،کیونکہ دوسری آیت میں جب ہم اللہ کی رؤیت ثابت کریں گے کہ وہ آئے گا جیسے چاہے: تعلیق ابن جبرین علی کتاب لمعة الإعتقاد لابن قدامة المقدسي.

[2]۔قرآن کریم میں بھی آیا ہے: هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ وَقُضِيَ الأَمْرُ وَإِلَى اللّهِ تُرْجَعُ الأُمُورُ۔کیا وہ سب اس انتظار میں ہوں گے کہ اللہ اور فرشتے بادل کے سایوں میں سے ان کے پاس آئیں،یہ فیصلہ ہوچکا ہے اور سارے امور اللہ کی ہی طرف پلٹیں گی: البقرة: 210.اسی طرح انجیل میں بھی آیا ہے:

61:سَردار کاہن نے اُس سے پھر سوال کِیا اور کہا کیا تُو اُس سُتُودہ کا بَیٹا مسِیح ہے؟۔
62:یسُوع نے کہا ہاں مَیں ہُوں اور تُم ابن آدم کو قادِرِ مُطلَق کی دہنی طرف بَیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے۔
63:سَردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑ کرکہا اَب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی؟۔
64:تُم نے یہ کُفر سُنا۔ تُمہاری کیا رائے ہے؟اُن سب نے فتوےٰ دِیا کہ وہ قتل کے لائِق ہے:مرقس الاصحاح 14.

جبکہ تورات میں یوں آیا ہے:

1:خُداوند سلطنت کرتا ہے۔ زمین شادمان ہو۔ بے شُمار جزیرے خُوشی منائیں۔

2:بادل اور تاریکی اُسکے اِردگرد ہیں۔صداقت اور عدل اُسکے تخت کی بنیاد ہیں۔
3:آگ اُسکے آگے آگے چلتی ہے۔ اور چاروں طرف اُسکے مُخالفوں کو بھسم کر دیتی ہے۔
4:اُسکی بجلیوں نے جہان کو روشن کردیا۔ زمین نے دیکھا اور کانپ گئی۔
5:خُداوند کے حُضُور پہاڑ موم کی طرح پگھل گئے ۔ یعنی ساری زمین کے خُداوند کے حُضُور۔
6:آسمان اُسکی صداقت ظاہر کرتا ہے۔ سب قوموں نے اُسکا جلال دیکھا ہے۔
7:کھُدی ہوئی مورتوں کے سب پوجنے والے جو بتوں پر فخر کرتے ہیں شرمندہ ہوں۔ اَے معبودو! سب اُسکو سجدہ کرو۔
8:اَے خُداوند! صِیُوّن نے سُنا اور خُوش ہوئی اور یہوُدا کی بیٹیاں تیرے احکام سے شادمان ہوئیں۔
9:کیونکہ اَے خُداوند! تُو تمام زمین پر بُلندوبالا ہے تُو سب معبُودوں سے نہایت اعلیٰ ہے۔
10:اَے خُداوند سے مُحبت رکھنے والو! بدی سے نفرت کرو وہ اپنے مُقدسوں کی جانوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اُنکو شریروں کے ہاتھ سے چھُڑاتا ہے۔
11:صادقوں کے لئے نُور بویا گیا ہے اور راست دِلوں کے لئے خُوشی۔
12:اَے صادِقو! خُداوند میں خُوش رہو اور اُسکے پاک نام کا شُکر کرو۔:زبورر: 97۔مزید تفصیل کے لئے ضمیمہ:4ملاحظہ کریں۔

ہونے کے قائل ہیں، اسی لئے وہ اس کے محتاج ہونے کے برابر اعلان کرتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر کی الوہیت مطلق ہونے کو نہیں مانتے ہیں۔

یہ وجوہات دراصل اس کتاب کی تالیف کا سبب بنا، تاکہ الوہیت کے حوالے سے صحیح اور درست عقیدہ بیان کیا جائے جس سے خدا راضی ہو۔ خدا سے یہی امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو ایسے ناداں داعیان علم کے لئے ہدایت کا سبب قرار دے جو اپنے آپ کو عالم سمجھ کر بہت سارے مخلوق کو راہ راست سے دور کر دیا ہے۔ خدا سے یہ میری دعا ہے اس کتاب کے ہر قاری کو اس میں خیر، برکت اور گمراہی سے نجات عطا فرمائے، اس کے نفع عام قرار دے، اور میں حتی الامکان اسے مختصر رکھا ہے تاکہ ہر کسی کے دسترس میں ہو اور اس کا فہم آسان ہو۔

احمد الحسن

مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

ہر تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو سلطنت کا مالک، کشتی کو رواں کرنے والا، ہواؤں کو قابو رکھنے والا، صبح کو روشن کرنے والا، قیامت میں جزا دینے والا اور جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہر تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کے خوف سے آسمان اور آسمان والے لرزتے ہیں، زمین اور اس کے آباد کار دہل جاتے ہیں، سمندر اور اس میں تیرنے والے لرزتے ہیں، ہر تعریف اس اللہ کی ہے جس نے ہمیں یہ راہ ہدایت دکھائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہر گز ہدایت نہ پا سکتے۔ وہ اللہ، جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس کتاب کی معرفت عطا کی، اور اسے ہمارے لئے نور قرار دیا تا کہ اس کے ذریعے ہم بے نیاز ہوں اور اس کے ذریعے لوگوں کے درمیان چلیں:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلا الْأِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوراً نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾۔

اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان کو (جانتے تھے) لیکن ہم نے اسے روشنی بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقینا سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔[1]

بے شک تمام انبیائے خدا ہمارے پاس حق لے کر آئے اور خدا نے ہمیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، یقینا خدا اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ محمد وآل محمد (ع) پر درود اور سلام ہو، اے اللہ تو محمد وآل محمد (ع) پر رحمت نازل فرما! جو سمندر کے بھنور میں جاری کشتی ہیں، جو اس میں سوار ہو گا وہ بچ جائے اور اسے چھوڑ دے گا وہ غرق ہو جائے گا، جو محمد وآل محمد (ع) سے آگے جائے گا وہ مرتد ہو گا اور جو ان سے پیچھے رہے گا وہ مٹ جائے گا اور جو ان کے ساتھ رہے گا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ درود اور سلام ہو آگ پر اور آگ میں مخلوق پر اور ان پر جو اس کے ارد گرد ہیں، پاک ہے وہ ذات جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾۔

جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو ندا دی گئی: بابرکت ہو وہ (جس کا جلوہ) آگ کے اندر ہے اور (بابرکت ہو) وہ جو اس کے پاس ہے اور پاکیزہ ہے سارے جہاں کا رب اللہ۔[2]

---

[1] الشوری:52۔
[2] النمل:8۔

درود اور سلام ہو پانی، جنات اور مبارک درختوں پر، اور پاک وہ ذات جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ * فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ * وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ﴾۔

اور ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی برسایا پھر اسے زمین میں ہم نے ٹھہرایا اور ہم یقیناً اسے ناپید کرنے پر بھی قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگور کے باغات پیدا کیے جن میں تمہارے لیے بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ اور اس درخت کو بھی پیدا کیا جو طور سیناسے نکلتا ہے اور کھانے والوں کے لیے تیل اور سالن لے کر اگتا ہے۔[1]

درود اور سلام ہو خدا کی نازل ہونے والی برکت پر، مبارک بستی پر اور کھلی بستیوں پر:

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرىً ظَاهِرَةً﴾۔

اور ہم نے ان کے اور جن بستیوں کو ہم نے برکت سے نوازا تھا، کے درمیان چند کھلی بستیاں بسادیں۔[2]

جیسا کہ میں کچھ ایسے ناداں داعیان علم جانتا ہوں جو قرآن کو پڑھتے تو ہیں، لیکن یہ وہ شرک اور کفر کے دعوے بھی کرتے ہیں، کیونکہ وہ چھلکے اور دانے اور پتھر اور ہیرے کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، جبکہ میں اپنی خود پسندی سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں ، میں خدا کی رحمت کا ایک محتاج بندہ ہوں، میں تو اللہ کے سامنے بے چارہ اور بے بس ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ لا شریک ہے، وہ ایک اور یکتا، واحد، بے نیاز ہے، جس کا کوئی ہمسر نہیں، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، الوہیت مطلق اور ربوبیت مطلق اسی کے لئے ہیں، تمام مخلوق اسی کا ہے اور ساری حکمرانی اسی کا ہے، وہ اللہ تمام شرک سے پاک ہے، اور محمد (ص) اللہ کا بہترین مخلوق ہیں، وہ پہلا مخلوق اور عقل اول ہیں، وہ اللہ کا بندہ اور تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں اور جو مخلوق معلوم ہیں اور جو ابھی تک معلوم نہیں ہیں کے لئے اللہ کی طرف سے رسول ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں پروردگارا! سارے انبیاء اور اوصیاء (ع) نے معرفت اور توحید کے حوالے سے دو حروف بیان کیے ہیں جنہیں کافی حیلہ وحجت کے بعد سوائے چند افراد کے کسی نے قبول نہیں کیا، لہٰذا آج کے بعد معرفت اور توحید کے ستائیس حروف کو بیان کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ابو عبداللہ (ع) سے روایت ہے:

---

[1]۔المومنون:20-18۔

[2]۔سباء:18۔

''العلم سبعة وعشرون حرفاً، فجميع ما جاءت به الرسل حرفان فلم يعرف الناس حتى اليوم غير الحرفين، فإذا قام قائمنا أخرج الخمسة والعشرين حرفاً فبثها في الناس، وضم إليها الحرفين حتى يبثها سبعة وعشرين حرفاً''۔

''علم ودانش کے ستائیس حروف ہیں اور ان سب کو انبیاء(ع) لائے ہیں، ان میں سے آج تک صرف دو حروف کے بارے میں لوگوں کو واقفیت حاصل ہوئی ہے اور باقی حروف کے بارے میں لوگ واقفیت نہیں رکھتے ہیں، جب ہمارے قائم(ع) قیام کریں گے، تو باقی پچیس حروف کو بھی باہر

لائیں گے اور انہیں لوگوں میں شائع کریں گے اور ان دو حروف کو بھی ان کے ساتھ شامل کریں گے اور مجموعاً لوگوں میں ستائیس حروف کی اشاعت کریں گے''۔[1]

معرفت اور توحید کے حوالے بنی آدم کے اٹھائیس حروف حاصل کرنے پڑیں گے، کیونکہ ایک حرف آل محمد(ع) کے ساتھ مخصوص ہے جو ان کے راز ہے، اسی انبیاء اور اوصیاء کو اسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ لوگ اسے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ جیسا کہ احمد بن محمد نے محمد بن حسین سے، انہوں نے منصور بن عباس سے، انہوں نے صفوان بن یحییٰ سے انہوں نے عبداللہ بن مسکان سے انہوں نے محمد بن عبدالخالق سے، انہوں نے ابو بصیر سے، کہ ابو عبداللہ(ع) فرمایا:

''يا أبا محمد إن عندنا والله سراً من سر الله، وعلماً من علم الله، والله ما يحتمله ملك مقرب ولا نبي مرسل ولا مؤمن امتحن الله قلبه للايمان، والله ما كلف الله ذلك أحداً غيرنا ولا استعبد بذلك أحداً غيرنا.
وإن عندنا سراً من سر الله وعلماً من علم الله، أمرنا الله بتبليغه، فبلغنا عن الله عز وجل ما أمرنا بتبليغه، فلم نجد له موضعاً ولا أهلاً ولا حملة يحتملونه حتى خلق الله لذلك أقواماً، خلقوا من طينة خلق منها محمد وآله وذريته (ع)، ومن نور خلق الله منه محمداً وذريته، وصنعهم بفضل رحمته التي صنع منها محمداً وذريته، فبلغنا عن الله ما امرنا بتبليغه ، فقبلوه و احتملوا ذلك [فبلغهم ذلك عنا فقبلوه واحتملوه] وبلغهم ذكرنا، فمالت قلوبهم إلى معرفتنا وحديثنا، فلولا أنهم خلقوا من هذا لما كانوا كذلك، لا والله ما احتملوه''۔

'' اے ابو محمد! خدا کی قسم! ہمارے پاس اللہ کے ایک راز اور ایک علم ہے۔ خدا کی قسم! اسے نہ کوئی مقرب فرشتہ اٹھا سکتا ہے، نہ نبی مرسل اور ہی خدا کی آزمائش سے کامیاب مومن اسے اٹھا سکتا ہے۔ خدا کی قسم! اسے اللہ نے ہمارے علاوہ کسی نہیں عطا کیا ہے اور نہ ہمارے علاوہ کسی اس عمل پیرا ہونے کا تقاضا کیا ہے۔ یقیناً ہمارے پاس اللہ کا ایک راز اور ایک علم موجود ہے، جس کی تبلیغ کا اس نے حکم دیا ہے، تو ہم نے اس کے حکم کے مطابق اس کی تبلیغ کی ہیں۔ لہٰذا ہمیں کوئی ایسا مقام اور کوئی اہل افراد نہیں ملے جو

---

[1]۔ بحار الانوار: ج52، ص336۔

برداشت کر سکے، یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لئے ایسے اقوام خلق کی ہیں جن کی خلقت ایسی مٹی سے ہوئی ہے جس سے محمد وآل محمد (ع) اور ان کی اولاد پیدا کیے گئے ہیں، اور ان کے نور سے ان کی خلقت ہوئی ہے، خدا نے انہیں اس رحمت سے نوازہے جو محمد وآل محمد (ع) سے نازل ہوئی ہے، لہٰذا خدا نے ہمیں اس کی تبلیغ کا حکم دیا ہے، لہٰذا تم اسے قبول کرو اور اسے اٹھاؤ، پھر خدا نے ہمارے ذکر کو انہیں پہنچادیا، تو ان کے دل ہماری معرفت اور نصحتوں کی طرف مائل ہو گئے، سوا گروہ ہماری مٹی سے پیدا نہیں ہوتے تو وہ ہماری معرفت نہیں رکھتے اور خدا کی قسم! وہ کبھی برداشت نہیں کرتے"۔

پھر فرمایا:

"إن الله خلق أقواماً لجهنم والنار، فأمرنا أن نبلغهم كما بلغناهم واشمأزوا من ذلك ونفرت قلوبهم وردوه علينا ولم يحتملوه وكذبوا به وقالوا: ساحر كذاب، فطبع الله على قلوبهم وأنساهم ذلك، ثم أطلق الله لسانهم ببعض الحق، فهم ينطقون به وقلوبهم منكرة، ليكون ذلك دفعاً عن أوليائه وأهل طاعته، ولولا ذلك ما عبد الله في أرضه، فأمرنا بالكف عنهم والستر والكتمان، فاكتموا عمن أمر الله بالكف عنه واستروا عمن أمر الله بالستر والكتمان عنه"۔

"یقیناً اللہ نے جہنم اور آگ کے کچھ اقوام کو خلق کیا ہے، لہٰذا اللہ جو چیز ہمیں عطا کی انہیں بھی پہنچانے کا حکم ہوا، پھر ہم نے انہیں بتا دیا تو وہ بُرا مان گئے اور ان کے نفرت کرنے لگے اور ہماری مخالفت شروع کی، وہ نہیں برداشت کر پائے، انہوں نے جھٹلایا اور کہنے لگے: یہ جادو گر اور جھوٹا ہے، پھر خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور انہیں وہ راز فراموش کروادی، پھر خدا نے ان کی زبان پر کچھ حق جاری کیے، لہٰذا وہ جو کہتے تھے جسے وہ دل سے مانتے تھے، اس طرح وہ اولیاء اور اہل طاعت سے دور ہو گئے، جن کی بدولت اس روئے زمین پر اللہ کی عبادت ہوتی ہے، لہٰذا خدا نے ہمیں ان سے دور رہنے اور خاموش رہنے کا حکم دیا، یوں وہ خدا کے حکم سے دور ہوئے اور خدا کے حکم ان سے پوشیدہ رہے"۔

روای بیان کرتا ہے: پھر امام (ع) نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اللّٰهم إن هؤلاء لشرذمة قليلون فاجعل محيانا محياهم ومماتنا مماتهم ولا تسلط عليهم عدوا لك فتفجعنا بهم، فانك إن أفجعتنا بهم لم تعبد أبداً في أرضك وصلى الله على محمد وآله وسلم تسليماً"۔

بارلٰہا! بے شک یہ لوگ چھوٹی سی جماعت ہیں، لہٰذا تو دنیا اور آخرت میں ان کو ہمارے ساتھ قرار دے اور ان پر تیرے دشمن کو

مسلط نہ کرنا، کہ وہ ان کے ذریعے ہم پر مصیبت ڈال دے، کیونکہ ایسی صورت میں پھر اس روئے زمین پر تیرے عبادت گزار نہیں بچیں گے۔ خدا محمد وآل محمد (ع) درود سلام نازل فرما"۔[1]

ابو عبداللہ (ع) سے روایت ہے:

"إنّ أمرنا سر في سر، وسر مستسر، وسر لا يفيد الا سر، وسر على سر، وسر مقنع بسر"۔

" یقیناہمارا امر اراز میں ایک راز ہے، اور ایک پوشیدہ راز ہے، اور ایک ایسا راز ہے جو راز ہی ہے، راز پر راز ہے، اور ایک راز پر یقین رکھنے والا راز ہے"۔[2]

ابو جعفر (ع) نے فرمایا:

إنّ أمرنا هذا مستور مقنع بالميثاق۔[3]"من هتكه أذله الله"۔

" یقیناہمارا یہ امر پوشیدہ اور میثاق پر یقین رکھنے والا ہے، جو کوئی اس کی اہانت کرے گا خدا اسے رسوا کرے گا"۔[4]

اسی حدیث کو ابو عبداللہ (ع) نے بھی فرمایا:

"إنّ أمرنا هذا مستور مقنع بالميثاق ومن هتكه أذله الله"۔

" یقیناہمارا یہ امر پوشیدہ اور میثاق پر یقین رکھنے والا ہے"۔ "جو کوئی اس کی اہانت کرے گا خدا اسے رسوا کرے گا"۔[5]

ابو عبداللہ (ع) نے بھی فرمایا:

"إنّ أمرنا هو الحق، وحق الحق، وهو الظاهر وباطن الباطن، وهو السر، وسر السر، وسر المستسر، وسر مقنع بالسر"۔

" یقیناہمارا امر ہی حق ہے، اور حق کا حق ہے، وہی ظاہر اور باطن کا باطن ہے، وہی راز اور راز کا راز ہے، اور پوشیدہ راز ہے، اور ایسا ارزا جو راز کو قانع کرنے والا ہے"۔[6]

1۔ الکافی: ج1، ص402۔
2۔ بصائر الدرجات: ص48۔
3۔ اس کی مزید تفصیل میثاق اور حجر کے بارے میں ضمیمہ 5 میں آئے گی۔
4۔ بصائر الدرجات: ص48۔
5۔ بصائر الدرجات: ص48۔
6۔ بصائر الدرجات: محمد بن حسن الصفار، ص48۔

علم و معرفت کے یہ اٹھائیس حروف چاند کے منازل کے حساب سے کہ ایک ماہ کے اندر چودہ چاند اور چودہ ہلال ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی حجتیں اور اس کے ایسے کلمات ہوتے ہیں جو تمام جہانوں اور حج اکبر پر بلند و برتر ہیں۔

چودہ چاند؛ محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین، علی، محمد، جعفر، موسیٰ، علی، محمد علی، حسن، اور محمد علیہم السلام ہیں۔

جبکہ چودہ ہلال میں بارہ مہدی، جن میں سے دو کے دو مقام؛ رسالت اور ولایت ہیں، تو یہ تیرہ ہو گئے اور ان کے ساتھ فرزند فاطمہ الزھرا(ع) ملا کر یہ ہلال چودہ بن جاتے ہیں۔

اور ان میں سے ہلال ہی قیامت کی نشانیاں ہیں:

﴿يَسْأَلونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾۔
لوگ آپ سے چاند کے (گھٹنے بڑھنے کے) بارے میں پوچھتے ہیں، کہدیجئے: یہ لوگوں کے لیے اور حج کے اوقات کے تعین کا ذریعہ ہے اور (ساتھ یہ بھی کہدیجئے کہ حج کے احرام باندھو تو) پشت خانہ سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور تم (اپنے) گھروں میں دروازوں سے ہی داخل ہوا کرو اور اللہ (کی ناراضگی) سے بچے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔[1]

پھر مہینے کے باقی دنوں میں ہلال اور چاند غائب ہوتے ہیں جو خدا کے ایک ہزار کچھ سال ہوتے ہیں:

﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ﴾۔

وہ آسمان سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا ہے پھر یہ امر ایک ایسے دن میں اللہ کی بارگاہ میں اوپر کی طرف جاتا ہے جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔[2]

جیسا کہ واضح ہے کہ یہ غیبت امام مہدی(ع) کے موافق ہے، لہٰذا لازمی امر ہے کہ ایک آدھ دن غائب ہو جائے تاکہ اللہ کی بات پوری ہو جائے۔[3]

---

[1]۔ البقرة:189۔
[2]۔ السجدة:05۔
[3]۔یہ کلمہ اگر اس عالم کے لئے ہے جہاں اہل حق وباطل کے درمیان عدالت کے ساتھ کا فیصلہ کیا گیا ہے جو اس فیصلہ کی شرط ہے اوریہ ایسا وعدہ ہے جس کا اللہ نے تمام سابقہ انبیاء واوصیاء(ع) کے ساتھ وعدہ کیا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ

اوربتحقیق ہمارے بندگان مرسل سے ہمارا یہ وعدہ ہوچکا ہے۔الصافات:171۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُواْ وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔

﴿وَلَوْلا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَاماً وَأَجَلٌ مُسَمّىً﴾۔

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک مدت کا تعین نہ ہو چکا ہوتا تو (عذاب کا نزول) لازمی تھا۔[1]

اس طرح آخری تک خدا کے ایام پورے ہو جائیں گے۔

اس دن اور بعض دوسرے دن؛ غیبت کے دن کے بارے میں وہ حرف اشارہ کرتا ہے جو خدا کے پوشیدہ ہے جو کسی پر ظاہر نہیں ہے، نہ اس کے کوئی مخلوق اسے جانتا ہے، کیونکہ یہ حقیقت غیبت کا راز ہے، اور وہ ''ھو'' کا حرف واو ہے۔ جبکہ ''ھو'' کا حرف

اورسب انسان ایک ہی امت تھے پھر اختلاف رونما ہوا اوراگر آپ کا پروردگار پہلے طے نہ کرچکا ہوتا تو ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کردیا جاتا جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔یونس:19۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ۔

بتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پھر اس کے بارے میں اختلاف کیاگیا اوراگر آپ کے رب کی طرف سے فیصلہ کن کلمہ نہ کہا گیاہوتا توان کا بھی فیصلہ ہوچکاہوتا اوروہ اس بارے میں تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ھود:110۔

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ۔

اور یہ لوگ اپنے پاس علم آنے کے بعد صرف آپس کی سرکشی کی وجہ سے تفرقے کا شکار ہوئے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک مقررہ وقت تک کے لئے بات طے نہ ہوچکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہوچکاہوتا اور جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کے بارے میں شبہ انگیز میں ہیں۔الشوری:14۔

یہ کلمہ دراصل قائم مہدی(ع) اور وہ عذاب ہیں جو ان کے ساتھ ہے اورآپ(ع) لوگوں کے درمیان ستائیس حروف پھیلانے کے لئے معرفت کے اٹھائیس حروف کو لے کر آئیں گے تا کہ لوگوں کو آخری حرف کی معرفت یا کنہ وحقیقت کی معرفت کے بارے میں عاجزی معلوم ہوجائے ۔ چنانچہ آخری چند ایام گزرنے کے بعد قائم(ع) ضرور آئیں گے جن کے آنے کے بعد اللہ نے یعنی زمانے میں آخری دن کو مقرر فرمایا ہوا ہے:

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ * إِلَى يَومِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ۔

فرمایا:تو مہلت ملنے والوں میں سے ہے۔ معین وقت کے دن تک۔الحجر:37 – 38۔

آخری دن روزِ غیبت ہے جس کے بارے پوشیدہ حرف وضاحت کرتا ہے۔ اور ضروری امر ہے کہ امام مہدی(ع) اس وقت تک غیبت میں رہیں یہاں تک اللہ کا کلمہ پورا ہوجائے اورقائم(ع) اس کے حکم کے ساتھ اس کے اولاد میں اس جسمانی دنیا میں آئیں گے تاکہ امام مہدی(ع) اس کی دعوت کو وارث وعذاب کے وجود کے ساتھ اظہار کریں گے۔لہٰذا قائم ہی اللہ کلمہ اور وہ عذاب ہے جس کے ذریعے وہ اپنے اور انبیاء واوصیاء (ع) کے دشمنوں سے انتقام لے گا یہی وہ وعدہ ہے جس کا اللہ نے آخر میں انبیاء(ع) سے ان کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وہی عذاب اور محدود نصرت ہے جس کے بارے میں سابقہ پیغامات میں آیا ہے،اوریہ وہی عذاب و بڑی نصرت ہے جس کے اللہ نے آخری زمانے کے آخری دن میں وعدہ کیا ہے:وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ * إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ * وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ * فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّى حِينٍ * وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ * أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ * فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاء صَبَاحُ الْمُنذَرِينَ۔

اور بتحقیق ہمارے بندگانِ مرسل سے ہمارا یہ وعدہ ہوچکا ہے۔یقینا وہ مدد کیے جانے والے ہیں۔ اوریہ یقینا ہمارا لشکر ہی غالب آکر رہے گا۔لہٰذا آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔ اورانہیں دیکھتے رہیں کہ عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔کیا یہ ہمارے عذاب میں عجلت چاہ رہے ہیں؟ پس جب یہ ان کے دالان میں اترے گا تو تنبیہ شدگان کی صبح بہت بری ہوگی۔الصافات:171- 177.

[1]۔ طہ:129۔

ھاان اٹھائیس حروف کی طرف اشارہ ہے جن کے بارے میں صرف آل محمد (ع) ہی جانتے ہیں، کیونکہ یہ ان کا راز ہے۔اس سے مطلوب دراصل توحید حقیقی اور بہتّر اسم اعظم کی معرفت ہے۔[1]

اور یہی اٹھائیس حروف کے باطن ہے۔[2] تاکہ انسان کو یہ معلوم ہو کہ وہ باقی حروف کے بغیر عاجز معرفت سے عاجز ہے، پس معلوم ہوا کہ معرفت کے لئے عاجزی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، لہٰذا اگر تم نام محمد کے حروف م، ح، م سے واقف ہو جاؤ تو کیا تم محمد کے بارے میں جانتے ہو؟، یا تم محمد کو نہیں جانتے ہو؟، بلکہ تم زیادہ سے زیادہ اس نام کے چند حروف کو جان پاؤ گے، جبکہ اسم کی معرفت کے لئے سارے حروف کا جاننا ضروری ہے۔

ہر تعریف اسے اللہ کے لئے ہے جس نے تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کیا، جس کے اندر لوگوں کے لئے ہدایت اور ہدایت کی واضح نشانیاں ہیں تاکہ زندہ رہنے والا دلیل سے زندہ رہے اور ہلاک ہونے والا دلیل سے ہلاک ہو جائے:

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلا آبَاؤُنَا وَلا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ * قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ * قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ

---

[1]۔کنہ وحقیقت کے مرتبے میں اسم اعظم اعظم ہے۔امام باقر(ع)فرماتے ہیں:

إِنَّ اسْمَ اللَّهِ الْأَعْظَمَ عَلَى ثَلَاثَةٍ وَسَبْعِينَ حَرْفاً، وَإِنَّمَا كَانَ عِنْدَ آصَفَ مِنْهَا حَرْفٌ وَاحِدٌ، فَتَكَلَّمَ بِهِ فَخُسِفَ بِالْأَرْضِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَرِيرِ بِلْقِيسَ حَتَّى تَنَاوَلَ السَّرِيرَ بِيَدِهِ، ثُمَّ عَادَتِ الْأَرْضُ كَمَا كَانَتْ أَسْرَعَ مِنْ طَرْفَةِ عَيْنٍ، وَنَحْنُ عِنْدَنَا مِنَ الِاسْمِ الْأَعْظَمِ اثْنَانِ وَسَبْعُونَ حَرْفاً، وَحَرْفٌ وَاحِدٌ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى اسْتَأْثَرَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَهُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ.

بتحقیق اللہ کا اسم اعظم 73حروف ہیں،جب آصف کے پاس ایک حرف تھا جس کے ذریعے اس نے جب کلا م کیا تو زمین دھنس گئی اور فاصلہ کم ہوگیا جس کے ذریعے وہ تخت بلقیس کو لے کر آیا ،پھرزمین اپنی حالت میں واپس آگئی ،یہ سب کچھ اس نے پلک جھپکنے کے ساتھ انجام دیا ۔ ہمارے پ اسم اعظم کے اس بہتر حروف ہیں اور اللہ کے پاس ایک حرف ہے جس کے ذریعے وہ علم غیب کو ترجیح دی ہے۔ ہر طاقت وقوت خدائے علیم وعظیم کے واسطے سے ہے۔الكافي:ج1 ص230.

امام جعفر صادق(ع) فرماتے ہیں:

إِنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ (ع) أُعْطِيَ حَرْفَيْنِ كَانَ يَعْمَلُ بِهِمَا، وَأُعْطِيَ مُوسَى أَرْبَعَةَ أَحْرُفٍ، وَأُعْطِيَ إِبْرَاهِيمُ ثَمَانِيَةَ أَحْرُفٍ، وَ أُعْطِيَ نُوحٌ خَمْسَةَ عَشَرَ حَرْفاً، وَأُعْطِيَ آدَمُ خَمْسَةً وَعِشْرِينَ حَرْفاً، وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَمَعَ ذَلِكَ كُلَّهُ لِمُحَمَّدٍ (ص)، وَ إِنَّ اسْمَ اللَّهِ الْأَعْظَمَ ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ حَرْفاً أُعْطِيَ مُحَمَّدٌ (ص) اثْنَيْنِ وَسَبْعِينَ حَرْفاً وَ حُجِبَ عَنْهُ حَرْفٌ وَاحِدٌ.

یقینا عیسیٰ ابن مریم(ع) کو دو حروف دیے گئے تھے جن پروہ عمل پیرا تھے ،موسیٰ(ع)کو چار حروف دیے گئے ،ابراہیم(ع) کو آٹھ حروف دیے گئے تھے،جناب نوح(ع) کو پندرہ حروف دیے گئے تھے،جناب آدم(ع) کو پچیس حروف دیے گئے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب محمد(ص) کے لئے جمع کر عطافرمایا ہے۔ اللہ کا اسم اعظم تہتر حروف ہیں جن میں سے بہتر حروف محمد(ص) کو دیے گئے جبکہ ایک حرف حجاب میں رکھا ہوا ہے۔ الكافي:ج1 ص230.

علی ابن محمد نوفلی نے امام حسن عسکری(ع) نے روایت کی ہے: فرماتے ہیں:

اسْمُ اللَّهِ الْأَعْظَمُ ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ حَرْفاً كَانَ عِنْدَ آصَفَ ، حَرْفٌ فَتَكَلَّمَ بِهِ فَانْخَرَقَتْ لَهُ الْأَرْضُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَبَإٍ ، فَتَنَاوَلَ عَرْشَ بِلْقِيسَ حَتَّى صَيَّرَهُ إِلَى سُلَيْمَانَ، ثُمَّ انْبَسَطَتِ الْأَرْضُ فِي أَقَلَّ مِنْ طَرْفَةِ عَيْنٍ، وَعِنْدَنَا مِنْهُ اثْنَانِ وَسَبْعُونَ حَرْفاً، وَحَرْفٌ عِنْدَ اللَّهِ مُسْتَأْثِرٌ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ.

اسم اعظم تہتر ہیں جن میں ایک حرف آصف بن برخیا کے پاس تھا جس کے ذریعے وہ تخت بلقیس کو سلیمان(ع) کے پاس لے کر آئے پھر پلک جھپکنے میں زمین بچھادی گئی،جبکہ ہمارے پاس بہتر حروف ہیں اور اللہ نے اس ایک حرف کو علم غیب میں ترجیح دی ہے۔الكافي : ج1 ص230.

[2]۔ مرتبہ ذات یااسم اعظم ہے۔

يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾۔

مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام گردانتے، اسی طرح ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا، کہدیجئے: کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے لاسکو؟ تم تو صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور یہ کہ تم فقط قیاس آرائیاں کرتے ہو۔[1]

ہر تعریف خدائے یکتا کے لئے سزاوار ہے۔

عاصی پُر تقصیر: احمد الحسن۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے (جو) بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔
﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ * اللَّهُ الصَّمَدُ * لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ * وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ ﴾

کہدیجئے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

سورہ توحید کا بسم اللہ

کتاب کا بسم اللہ جس کا ایک ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُوراً فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾۔

[1]- الانعام:148-

اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنین سے کہیں گے: ہمارا انتظار کریں تاکہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں، (مگر) ان سے کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی، جس کا ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور اس کی بیرونی جانب عذاب ہوگا۔[1]

یہ سورہ یا باب جو توحید ہے، لہٰذا جو کوئی بسملہ سے کتاب میں داخل ہوتا ہے جس کے باطن وہی رحمت یعنی الرحمن الرحیم ہے۔ اور جو کوئی اس سے باہر اندھیرے میں رہے گا جو بسملہ کا باطن ہے، وہ عذاب یعنی الواحد القھار ہے۔

لہٰذا بسملہ کا باطن بسم اللہ الرحمن الرحیم جبکہ اس کا ظاہر بسم اللہ الواحد القھار ہے۔ چونکہ خدا نے سارے سوروں کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بیان کیا، جبکہ سورہ توبہ کی ابتداء بسم اللہ الواحد القھار سے نہیں کیا جس کے اندر رسول اللہ (ص) سے دشمنی رکھنے اور جنگ کرنے والوں کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے جہاں ایک چیز بیان کی وہاں اس کی ضد بھی بیان کی، اور خدا تو اپنے تمام مخلوق پر رحمت نازل کرتا ہے مگر یہ جو کچھ ظلم وجور اور فساد کے راستے کو اختیار کرتے ہیں، جس کے باعث وہ خدا کے قہر وعذاب کا شکار ہو جاتے ہیں، لہٰذا خدا کی جانب سے در حقیقت رحمت ہی نازل ہوتی ہے اور اس کے قہر وعذاب ایک استثنائی امر ہے۔

ہر سورے کا بسم اللہ اس کے ساتھ ایک طرح سے مضبوط و مستحکم ربط ہوتا ہے، جبکہ سورہ الفاتحہ کا بسملہ ایک اور طرح سے اس کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔[2]

جیسا کہ ہر سورے کا بسملہ اس آغاز کے چند جہتوں کے بارے میں بیان کرتا ہے، اسی طرح اس سورے کے بسملہ کا دائرہ کار توحید ہے، جب یہ بسملہ توحید سے متعلق ہے تو یہاں تین اسماء؛ اللہ، الرحمن اور الرحیم سامنے آتے ہیں۔ اللہ خدا کی ذات کے نام اور

---

[1]- الحدید:13-

[2]-متشابہات میں یہ سوال ہے کہ کیا فاتحہ کے بسم اللہ قرآن کے دیگر بسم اللہ سے مختلف ہے؟ کیا بسم اللہ سورے کا جزء ہے؟

جواب:بسم اللہ جس سورہ فاتحہ کا جزء ہے اسی طرح قرآن کے دیگر سوروں کا بھی جزء ہے، کیونکہ سارا قرآن سورہ فاتحہ میں ہے اور فاتحہ بسم اللہ میں ہے،لہٰذا قرآن کے تمام بسم اللہ ہی دراصل فاتحہ کا بسم اللہ ہے۔ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی تو ایک آیت ہے البتہ دیگر سوروں میں یہ اس کا جزء ہے لیکن اس کی آیت نہیں ہے۔جبکہ یہ تین اسماء؛ اللہ،رحمن،رحیم لاہوت یا ذات الٰہیہ میں اسم اعظم اعظم اعظم(ھو) کے ارکان ہیں۔ یہ اسمائے ثلاثہ اللہ کے کمالات الٰہیہ کا شہر ہے جس ظاہر وباطن باب الرحمن،الرحیم ہیں۔ یہ اسمائے ثلاثہ مخلوق کے اندر محمد،علی اورفاطمہ یا علم کا شہر محمد(ص) جس کے ظاہر وباطن باب علی وفاطمہ ہیں۔ یہ اسمائے ثلاثہ ارکان اللہ کا اسم اعظم اعظم اللہ،الرحمن،الرحیم ہیں۔جیسے ارشاد ہوا ہے: قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيّاً مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى۔ کہہ دیں اللہ سے پکارو یا رحمن سے جسے بھی پکارو اسی کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔یہ اسمائے ثلاثہ یعنی محمد،علی اورفاطمہ ہی اسم اعظم ہیں۔ چنانچہ محمد اللہ جانب سے ہے،پس وہ اللہ کی کتاب ہے،بلکہ وہ مخلوق کے اندر معبود ہیں جبکہ علی اورفاطمہ اللہ کی رحمت ہیں،پس یہ دونوں الرحمن اور الرحیم ہیں۔جیسے ارشاد ہوا ہے: وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيّاً۔یعنی ہم نے ان کے لئے اپنی رحمت عطاکی اور ان کے بلند لسان صدق قرار دیا۔چنانچہ فاتحہ کی بسم اللہ حقیقت ہے جبکہ دیگر سوروں میں موجود بسم اللہ اس کی ایک غیر کامل شکل ہے،بلکہ اس کی ایک جہت ہے جیساکہ فاتحہ کابسم اللہ ان تمام کے مرکز میں ہے جہاں دیگر بسم اللہ کی صورت منعکس ہوتی ہے۔ عین اسی وقت سارے سورے ایک حقیقت کے لئے اس طرح جمع ہوتی ہیں جیساکہ وہ اس حقیقت کے ساتھ ہیں کیونکہ ان جہت ایک مقرر جہت میں منعکس ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ذرا گورکیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فاتحہ کابسم اللہ نہ صرف قرآن کے دیگر تمام سوروں کے بسم اللہ کے بلکہ تورات اور انجیل اوردیگر انبیاء واوصیاء(ع) کے صحیفوں کے اردگردگھومتی ہیں۔ پس فاتحہ کا بسم اللہ ہی رسالت،ولایت،ابتداء اورا نتہاء ہے۔

کمالات الٰہیہ ہے، جبکہ الرحمن اور الرحیم اس ذات کے باب ہے جہاں سے اس کے مختلف اسماء کے حساب سے مختلف ابواب نکلتے ہیں، لیکن الرحمن کو دیگر تمام اسماء کے لئے منبع قرار دینے کی وجہ یہ ہے کیونکہ خدا کی ذات اپنے مخلوق پر رحم کرتا ہے تاکہ اس کی نسبت اپنے مخلوق کے اندر کوئی تفرقہ پیدا نہ ہو اور وہ اپنے پروردگار سے غافل نہ ہو۔

توحید کا مطلب سب سے پہلے ذات الٰہی کے تمام اسماء کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ یعنی اللہ رحمن، رحیم ہے تو رحمت اس کی ذات ہے، وہ قادر ہے تو قدرت اس کی ذات ہے۔ پھر یہ کہ تمام اسمائے خداوندی کی اس طرح معرفت حاصل جو باب رحمت سے نکلے ہیں جس کا باطن رحیم اور ظاہر رحمٰن ہے۔ یہ معرفت حاصل کرے کہ تمام اسمائے خداوندی اس کی ذات سے جدا نہیں ہیں، بلکہ وہی ذات ہیں، ان تمام اسماء اور صفات کی معرفت اس طرح ہو کہ یہ مخلوق کی ضروت ہے، لہٰذا ان کا تعلق کا خدا کے بجائے مخلوق کی ضرورت سے ہو، تاکہ خدا کی ذات مخلوق میں ظاہر ہو، کیونکہ اس کی ذات ایک پوشیدہ خزانہ ہے سو، اس نے اپنی معرفت کے اظہار کے مخلوق کو پیدا کیا۔ خدا کی ذات یا معبود کی معرفت ہو، اور اس کی تمام معرفت یہ ہے کہ اس ذات کی معرفت ہونے سے عاجزی کا اظہار ہے، البتہ یہاں معرفت سے مراد حقیقت معرفت ہے۔[1] اور معرفت ذات یا اللہ کی معرفت اس کی صفات رحمن اور رحیم سے ہوتی ہے اور اسی معرفت کو حاصل کرنے کے لئے ساری کائنات کا آغاز اللہ، رحمن، رحیم تین اسماء سے ہوا ہے، لہٰذا اللہ کی کتاب کے اندر اس کی قرأت یعنی قرآن اور وجود یعنی خلق دونوں سنخیت ہیں، لہٰذا اس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہی ہوا، اسی لئے قرآن کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آیا ہے، اور خلق یعنی کائنات کا آغاز محمد، علی اور فاطمہ (ع) کی تخلیق سے ہوئی ہے، کیونکہ یہ ہستیاں اللہ رحمن رحیم کے تجلی ہیں، جس کا ذکر مقدمہ میں ہوا ہے کہ چاند کے منازل آل محمد ائمہ اطہار (ع) اور مہدیون ہیں اور یہی باب معرفت ہیں۔ جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

﴿يَسْأَلونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾۔

لوگ آپ سے چاند کے (گھٹنے بڑھنے کے) بارے میں پوچھتے ہیں، کہدیجئے: یہ لوگوں کے لیے اور حج کے اوقات کے تعین کا ذریعہ ہے اور (ساتھ یہ بھی کہدیجئے کہ حج کے احرام باندھو تو) پشت خانہ سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور تم (اپنے) گھروں میں دروازوں سے ہی داخل ہوا کرو اور اللہ (کی ناراضگی) سے بچے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔[2]

اور اسی سے ہی قرآن کے مختلف سوروں کے ابتداء میں بسملہ کے فوراً بعد حروف مقطعات وارد ہونے کی علت بھی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ قرآن کی ابتداء میں ان حروف کے آنے علت وہی ہے جو کائنات کے آغاز کا ہے۔

---

[1] اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔
[2] البقرۃ:189۔

بسملہ دراصل وحدت کی طرف اشارہ کرتا ہے، لہٰذا رحمن اور رحیم دونوں عام معنی میں متحد ہیں اور یہ دونوں ذات الٰہی کی طرف جانے کا دروازہ ہیں کہ رحمن اس کا ظاہر ہے جبکہ رحیم باطن ہے اور اسی دروازے سے ہی باقی تمام صفات نکلتے ہیں۔ چنانچہ باب سے مراد اسی کی ذات ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيّاً مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾۔

کہدیجئے: اللہ کہ کر پکارو یا رحمن کہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔[1]

اسی طرح قرآن کے سوروں کے باطن کے حساب سے بسملہ ذات الٰہی کی احدیت کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم، جبکہ سوروں کے ظاہر بسم اللہ الواحد القہار کے اعتبار سے بھی وحدت بیان ہوتی ہے، کیونکہ الواحد القہار بھی رحمن ورحیم سے نکلے ہیں۔[2]

کیونکہ الواحد باب کا باطن ہے جبکہ القہار اس کا ظاہر ہے اور دونوں کا نتیجہ واحد ہی ہے، پس یہ دونوں خارج میں اسی طرح متحد ہیں جیسا کہ رحمن ورحیم معنی میں یگانگت ہیں تاکہ خارج میں تعدد اور تفرق واقع نہ ہوں، کیونکہ جس طرح حقیقی واحد ہر اعتبار سے قاہر ہے اسی طرح قاہر حقیقی بھی ہر اعتبار سے واحد حقیقی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین(ع) دعائے صباح میں فرماتے ہیں:

فَيا مَنْ تَوَحَّدَ بِالْعِزِّ وَالْبَقاءِ، وَقَهَرَ عِبادَهُ بِالْمَوْتِ وَالْفَناءِ۔

اے عزت اور بقا میں یگانہ اور موت وفنا کے ذریعے بندوں پر غالب رہنے والے![3]

اسی یہ باب بھی ذات اور اللہ میں باہم مکمل طور سے مربوط ہیں۔ اس اعتبار سے شاید یہ فائدہ ہو کہ محمد(ص) کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ ارسال کیا، جبکہ امام مہدی(ع) کا ظہور بسم اللہ الواحد القہار کے ساتھ ہوگا، لہٰذا محمد(ص) اور ان کے وصی علی ابن ابی طالب(ع) دونوں جفر ابیض پر چلے ہیں، جبکہ امام مہدی(ع) اور ان کے وصی جفر احمر پر گامزن ہوں گے، یعنی قتل اور بعض موارد میں عدم قبولیت توبہ ہے۔ جیسا کہ ابو ہبیرہ کے غلام رفید سے حدیث نقل ہوا ہے: ایک میں امام صادق(ع) سے سوال کیا: یابن رسول اللہ! میں آپ پر قربان جاؤں! کیا امام مہدی(ع) اہل سواد کے بارے میں علی ابن ابی طالب(ع) کی

---

1. الإسراء:110۔
2. قہر اور رحمت کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے،کیونکہ قہرجب عدل کے قیام کے لئے ہوجائے تو یہ رحمت ہی بن جاتا ہے، لہذا ہمارا نہیں خیال ہے کہ کوئی بھی مومن اللہ کے قہر کے بارے میں عدل وحکمت کے قیام کے علاوہ کوئی اورچیز سمجھے پس اس کا قہر ظالمیں پر اس لئے ہوتا ہے تاکہ وہ مظلومین کے انصاف اور عدل قائم کرے۔اس کے نتیجے میں یہ رحمت بن جاتا ہے،جہاں تک انسان کی موت کو قہر سمجھا جائے تو پھر مومن دنیا کی حقیقت کو جاننے کے بعد اس کی مصیبتوں میں باقی رہتا یا پھر مومن ضعیف العمری، جسمانی اذیت میں عاجز رہتاپس معلوم ہوا موت نہ صرف ایک رحمت ہے بلکہ مدبر وسمجھدار انسان کے لئے موت اس دنیا سے ایک ارتقائی زندگی کی طرف کوچ کرنا ہے،لہٰذا موت مومن کے ہر حال میں رحمت ہی رحمت ہے۔
3. مفاتیح الجنان۔

سیرت پر چلے گا؟ تو امام نے فرمایا:

''لا يا رفيد، إن علي بن أبي طالب سار في أهل السواد بما في الجفر الأبيض، وإن القائم يسير في العرب بما في الجفر الأحمر. قال: فقلت له: جعلت فداك، وما الجفر الأحمر ؟ قال: فأمرَّ إصبعه إلى حلقه، فقال: هكذا، يعنى الذبح. ثم قال: يا رفيد إن لكل أهل بيت مجيباً شاهداً عليهم شافعاً لأمثالهم۔

نہیں، رفید! یقینا علی ابن ابی طالب (ع) اہل سواد کے ساتھ جفر ابیض کے مطابق چلے ہیں، جبکہ امام مہدی (ع) عرب کے جفر احمر کے مطابق چلیں گے۔ میں سوال کیا: آقا! میں قربان جاؤں! یہ جفر احمر کیا ہے؟ آپ (ع) نے اپنی انگلی کو اپنے حلق پر پھیراتے ہوئے فرمایا: اس طرح یعنی ذبح کرنا ہے۔ پھر فرمایا اے رفید! یقینا اہل بیت (ع) میں سے ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی ماننے والے اور ان کے گواہ اور ان کی سفارش کرنے والے ضرور ہوتے ہیں''۔[1]

مگر ذات اور اللہ کے اندر سارے اسماء فناء اور شامل ہونے کے بعد وحدت پیدا ہوتی ہے اور فناء مخلوق کی اس طرح اشارہ کرتا ہے کہ اس کے اندر نہ کوئی کمال ہے اور نہ ہی کوئی اسم ذات ہے، بلکہ توحید حقیقی ہی مراد ہے، اور دراصل ایسی حقیقت ہے جو معرفت سے خالی ہے جو کسی معرفت سے مطلق عاجزی کا اعتراف ہے، مگر یہ کہ اثبات ثابت کی طرف ''ھو'' کا ھا اشارہ کر رہا ہے، جبکہ معرفت العجز کی طرف ''ھو'' کا واو اشارہ کر رہا ہے، اسی سے ہی اسم اعظم مراد ہے، اور حقیقی عبادت اور حقیقی توحید ہے، اس کے علاہ باقی سارے شرک کے ذمرے میں آتے ہیں۔ پس جو لوگ ذات یا اللہ کی عبادت اس مرتبے کی نسبت سے کرتے ہیں، وہ سب مشرک ہیں، لیکن وہ شعور نہیں رکھتے، ان کے علاوہ باقی ایسے نہیں ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّهِ إِلاَّ وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾۔

ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لائے بھی ہیں تو اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔[2]

لہٰذا ذات الٰہی یا اللہ ہی در حقیقت مقصود عبادت ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں ہے کہ بسملہ تین اسماء؛ اللہ، الرحمن اور الرحیم ہیں، چونکہ بسملہ توحید کا دروازہ ہے، لہٰذا یہ اسماء ہی دروازہ ہے جن کے ذریعے توحید کی پہچان ہوتی ہے۔ ہم یہاں پر ان کے اسماء کے اجمالی حدود و معانی بیان کرتے ہیں:

---

[1]۔ بصائر الدرجات: ص81۔
[2]۔ یوسف: 106۔

اللہ:

یہ اسم ذات الٰہی جو صفات کمالیہ کے جامع ہے، اور در حقیقت یہ جامع صفات ہیں، لہٰذا اللہ کا مطلب یعنی جو تمام حاجات کا بازگشت ہو، یعنی جو ہر جہت سے نقص کو روکے۔

الرحمن:

یہ اسم ذات الٰہی اور صفات کمالیہ کی ایک صفت ہے جو اللہ کے اندر شامل اور فانی ہے، لہٰذا وہ اگرچہ دنیا اور آخرت دونوں میں بڑا مہربان ہے، لیکن اس کی رحمت دنیاوی امور میں زیادہ ہے۔

الرحیم:

یہ بھی اسم ذات الٰہی اور صفات کمالیہ کی ایک صفت ہے جو اللہ کے اندر شامل اور فانی ہے، لہٰذا وہ اگرچہ دنیا اور آخرت دونوں میں نہایت رحم کرنے والا ہے، لیکن اس کی شدت رحمت کی وجہ سے اخروی امور میں زیادہ ہے، جیسا کہ تفسیر الفاتحہ میں بیان ہوا ہے۔ رحمن ور حیم یہ دونوں اسماء یا صفات در حقیقت ایک اسم اور ایک صفت ہے، ان کے درمیان کوئی حقیقی افتراق ہے اور نہ کوئی جدائی ہے، بلکہ یہ دونوں ایک حقیقت واحدہ کی صورت ہے جس کی اصل رحمت ہے۔ یہ دونوں ذات کا دروازہ ہے؛ رحمن اس کا ظاہر ہے، جبکہ رحیم باطن ہے۔ پھر جب یہ دونوں ایک ہی اسم ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ یا ذات الٰہی کے ساتھ رحمت میں یگانگت ہے، لہٰذا کوئی بھی صاحب سالم فطرت انسان بغیر کسی بحث و تحقیق دقت کے خدائے سبحانہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، ساری حاجات کا بازگشت اسی کی ذات ہے، اسی لئے سارے مخلوق اس کی ہی عبادت کرتے ہیں، یا اس کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں ایک جماعت تقصیر سے کام لیتے ہیں، لیکن ان میں سے بہتر و افضل ترین مخلوق اس ذات کی طرف ہلکی نظر سے یہ دیکھتا ہے کہ وہ ان کو جو کچھ عطا کرتا ہے، عدل کے ساتھ ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کو اسی جگہ رکھنا؟، پھر کیا کسی ظالم اور اپنے قاتل کو ہتھیار دینا بھی عدل کے زمرے میں آتا ہے؟، جب خدا کے بہترین مخلوق محمد (ص) اس ذات کی رحمت کا محتاج ہوتے ہیں تو دوسرے مخلوق کا کیا حال ہوگا؟، لہٰذا خدائے تعالیٰ نے اس کے لئے یہ پیش کیا:

سبوح قدوس أنا رب الملائكة والروح سبقت رحمتي غضبي۔

''سبوح قدوس، میں تمام فرشتوں اور روح الامین کا پروردگار ہوں، جن پر میری رحمت اور غضب پہلے ہوتی ہیں''۔

پھر رسول اکرم (ص) نے فرمایا:

اللهم عفوك عفوك۔

اے خدا! تیری بخشش، تیری بخشش!

ایک دفعہ ابو بصیر نے امام جعفر صادق (ع) نے سوال کیا:

آقا! میں قربان جاؤں! رسول اللہ (ص) نے کتنی مرتبہ معراج پر گئے؟

امام (ع) نے فرمایا:

''مرتين، فأوقفه جبرئيل موقفاً فقال له: مكانك يا محمد، فلقد وقفت موقفاً ما وقفه ملك قط ولا نبي، إن ربك يصلي، فقال: يا جبرئيل وكيف يصلي ؟ قال: يقول: سبوح قدوس أنا رب الملائكة و الروح ، سبقت رحمتي غضبي ، فقال: اللهم عفوك عفوك، قال: وكان كما قال الله " قاب قوسين أو أدنى''۔

'' دو مرتبہ، پھر جبرئیل نے آپ (ص) کو ایک جگہ روک کر کہا: اے محمد (ص)! یہ تیری جگہ ہے، کیونکہ میں ایسی جگہ پہنچا ہوں جہاں اس سے پہلے کبھی نہ کوئی فرشتہ پہنچا ہے اور نہ کوئی نبی، تیرے رب تجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ آپ (ص) نے فرمایا: اے جبرئیل! کیسے درود و سلام بھیجتا ہے؟ جبرئیل نے کہا: وہ کہتا ہے: سبوح قدوس، میں تمام فرشتوں اور جبرئیل کا پروردگار ہوں، جن پر پہلے سے ہی میری رحمت اور غضب ہے۔ پھر آپ (ص) نے فرمایا: اے خدا! تیری بخشش، تیری بخشش!، پھر خدا کے اس قول کو فرمایا: '' قاب قوسين أو أدنى''۔

پھر ابو بصیر نے کہا: آقا! میں قربان جاؤں! یہ ''قاب قوسين أو أدنى'' کیا چیز ہے؟

امام (ع) نے فرمایا:

''ما بين سيتها إلى رأسها، فقال: كان بينهما حجاب يتلألأ يخفق،ولا أعلمه إلا وقد قال: زبرجد، فنظر في مثل سم الإبرة إلى ما شاء الله من نور العظمة، فقال الله تبارك وتعالى: يا محمد، قال: لبيك ربي، قال: من لأمتك من بعدك ؟ قال: الله أعلم قال: علي بن أبي طالب أمير المؤمنين، وسيد المسلمين، وقائد الغر المحجلين، قال: ثم قال أبو عبد الله لأبي بصير:

يا أبا محمد والله ما جاءت ولاية علي (ع) من الأرض ولكن جاءت من السماء مشافهة''۔

جواس کمان کی دستے سے سر تک ہو۔ پھر کہا: ان دونوں کے درمیان چمکتا ہوا حجاب ہے جسے میں نہیں سمجھا، تو مجھ سے کہا: زبرجد ہے جو ماشاءاللہ سے نور عظمت سے چمک رہا تھا، پھر ندائے خداوندی ہوئی: اے محمد!، فرمایا: لبیک میرا پروردگار!، ارشاد ہوا: تیری امت کے لئے تیرے بعد کون ہوگا؟ فرمایا: خدا کی ذات زیادہ جانتا ہے۔ ارشاد ہوا: علی ابن ابی امیر المومنین (ع)، علی مسلمانوں کے سردار ہیں، اور جن کی پیشانیاں پاکیزگی سے چمک رہی ہیں اُن کے رہبر ہیں۔ اس کے بعد امام (ع) نے ابو بصیر سے کہا: اے ابو محمد! خدا کی قسم! ولایت علی (ع) کا تعلق صرف زمین سے نہیں، بلکہ یہ آسمان سے بالمشافہ آئی ہے''۔[1]

تو کیا اس پر پیغمبر اکرم (ص) نے بخشش طلب کی، یا یہ آپ کی کوتاہی ہے؟ یا آپ (ص) میں کوئی لغو ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہ ہو؟، لیکن نبی کریم (ص) کی ذات ان چیزوں بری ہے، آپ (ص) جناب آدم (ع) کی بہترین اولاد ہیں، کیونکہ جب خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت پیش کرنے کے بعد فرمایا اس سے قبل اس کا غضب ہوگا، لیکن نبی کریم (ص) خدا کے اس کلام کو غضب سمجھ کر ہی متوجہ ہوئے تھے، لیکن اللہ کا ارداہ اس سے دراصل رحمت ہی تھا، کیونکہ اس کے بعد خدا نے آپ (ص) کو فتح مبین عطا فرمایا اور غضب کی وجہ سے آنے والی خود پسندی کی خطا کو معاف فرمایا، کیونکہ اس صفت کا تعلق صرف خدائے واحد قہار سے ہے جس کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً * لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُسْتَقِيماً﴾۔

(اے رسول) ہم نے آپ کو فتح دی، ایک نمایاں فتح۔ تاکہ اللہ آپ کی (تحریک کی) اگلی اور پچھلی خامیوں کو دور فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے اور آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے۔[2]

انسان کی انسانیت ظلمت اور عدم ظلمت کے شائبے کے علاوہ نہیں ہوتی اور سوائے خدائے واحد قہار کے کوئی باقی نہیں رہتا اور محمد (ص) اس فتح کے بعد فناء اور اپنی شخصیت کی بازگشت کے درمیان ہیں، کیونکہ خدائے قہار کے سوائے کسی کو بقاء نہیں، لہٰذا پیغمبر اکرم (ص) کی ذات مخلوق اور حق کے درمیان ایک حجاب ہے، وہ خدا اور اس کے مخلوق کے درمیان برزخ ہیں، جب یہ عظیم المرتبت ذات رحمت خداوندی کا محتاج ہوتے ہیں، تو پھر کون رحمت خداوندی سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ امر ضروری

---

[1]۔ اصول الکافی: ج،1،ص442۔
[2]۔ الفتح: 2-1۔

ہے کہ سارے مخلوق خدائے رحمن ورحیم کی ہی عبادت کرتے ہیں، ورنہ ان کی کوتاہی صورت میں وہ خود خسارے کے ذمے دار ہوں گے۔ چونکہ ہمارے لئے اللہ اور رحمن ایک ہی ہے جیسے وہ حقیقت میں ہے، پس باب یا رحمن ایسی کمالات الٰہیہ میں سے ہیں جس کی اللہ کی معرفت ہوتی ہے اور اسی سے اور اس کا تجلی اور ظہور ہونے کے ساتھ مخلوق تک فیض الٰہی پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيّاً مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾۔

کہدیجئے: اللہ کہ کر پکارو یا رحمن کہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔[1]

پھر جب ذات الٰہیہ یا اللہ کے اندر ان اسماء میں وحدت اور ان ذات میں فناء ہونا واضح ہو گیا، تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ واحد واحدیت ذات الٰہیہ یا اللہ میں ثابت ہے۔ یہ مقصد توحید میں پہلا مرتبہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ سارے اسماء اور صفات ذات الٰہیہ یا اللہ میں وحدت حقیقی ہے، یعنی اللہ ایک اور یکتا ہے اور سارے اسماء وصفات اس کی عین ذات ہیں، یہ صفات عوارض نہیں ہیں اور نہ ہی مرکتب جواہر ہیں، پس یہ اللہ، رحمن قادر ہے۔ جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ * هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ * هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاء الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غیب وشہود کا جاننے والا ہے، وہی رحمن رحیم ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے، نہایت پاکیزہ، سلامتی دینے والا، امان دینے والا، نگہبان، بڑا غالب آنے والا، بڑی طاقت والا، کبریائی کا مالک، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہی خالق، موجد اور صور تگر ہے جس کے لیے حسین ترین نام ہیں، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ توحید کا یہ مرتبہ دو صورتوں سے شرک سے خالی نہیں ہے۔

پہلی صورت:

---

[1]۔ الإسراء:110۔
[2]۔ الحشر:24-22۔

یہ کہ ذات الٰہیہ کے ساتھ بہت سارے اسماء جڑنے سے ہمارے ذہن میں کثرت آجاتی ہے، اگرچہ یہ کثرت ایک اعتباری چیز ہے، کیونکہ اللہ ہی رحمن، رحیم، قادر، قاھر، جبار، متکبر، علیم، حکیم ہے، لیکن یہ کثرت اگرچہ ذات الٰہیہ یا اللہ کی وحدت کو متاثر نہیں کرتی، لیکن بہر حال چونکہ یہ کثرت ہے اگرچہ اعتباری ہی سہی ایک لحاظ سے توحید کے مخل بن جاتی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں:

''أول الدين معرفته، وكمال معرفته التصديق به، وكمال التصديق به توحيده، وكمال توحيده الإخلاص له، وكمال الإخلاص له نفي الصفات عنه لشهادة كل صفة أنها غير الموصوف''۔

''دین کی ابتداء اس کی معرفت سے ہے اور معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے۔ تصدیق کا کمال توحید کا اقرار ہے اور توحید کا کمال اخلاص عقیدہ ہے اور اخلاص کا کمال زائد بر ذات صفات کی نفی ہے[1] کہ صفت کا مفہوم خود ہی گواہ ہے کہ وہ موصوف سے الگ کوئی شے ہے''۔[1]

دوسری صورت:

یہ الوہیت کی صورت ہے، کیونکہ ہم خدا کی عبادت اس کرتے ہیں تاکہ اس کے سامنے اپنی حاجات بیان کریں، لہٰذا ہمارے خدا کے ساتھ تعلق خالص نہیں ہوا، کیونکہ اس میں طمع اور نقص دور کرنے کی حاجت ہے، اس صورت عبادت خالص نہیں ہوئی، بلکہ اس میں بہترین صورت میں طلب کمال اور سد نقائص مطلوب ہوتا ہے، پس اس مرتبے میں بھی شرک لازم آتا ہے۔

چونکہ اخلاص حقیقی کسی چیز سے قطع نظر یہاں تک کہ خودی سے بھی دور صرف اور صرف خدائے سبحانہ وتعالیٰ ہے، اور یہی در حقیقت اصل مطلوب ہے، لہٰذا توحید حقیقی ذات الٰہی کے اندر سارے اسماء وصفات کے فناء کی معرفت بعد پھر ذات الٰہی کا حقیقت میں فناء یعنی الوہیت کا حقیقت خداوندی میں فناء کے بعد حاصل ہوتا ہے، یہ امر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کی خودی اور شخصیت فناء ہو جائے اور غائب وشاہد دونوں میں جہاں صرف اور صرف بس خدائے سبحانہ ہو۔[2] اور جب وہاں پر اگر

---

[1]۔ نہج البلاغہ: خ1ص، 39۔

[2]۔اس بنا پر اللہ نے انسان کو پیداکیا ہے،کیونکہ انسان لاہوت کی صورت ہے تو کوئی بندہ اپنا حصہ ضائع نہیں کرتا اور کہے کہ یہ مقام مجھ سے پوشیدہ ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو حق کہوں یہ دروازہ ساروں کو قیامت تک کھلا رہے گا، لہٰذا کوئی بدقسمت ہی اپنا حصہ ضائع کرے گا۔

کوئی لفظ ہے تو وہ ''ھو'' ضمیر غائب ہے، جس ''ھا'' اثبات ثابت کے لئے جبکہ ''واو'' غائب کی غیبت کے لئے اشارہ ہے۔[1]
اس معرفت سے جو توجہ حاصل ہوتا ہے وہی دراصل کنہ وحقیقت کی رہنمائی کرتی ہے جو توحید حقیقی، کنہ وحقیقت کی توحید، یا اسم اعظم اعظم اعظم یا اسم مکنون ومخزون ہے جو انسان سے اس وقت صادر ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بقائے خداوندی میں فناء کرتا ہے، اور توحید میں یہی آخری مرتبہ مقصود ہے، جس کی طرف سورہ توحید کے بسملہ اور سورہ توحید میں بھی اشارہ ہوا ہے جس آگے وضاحت ہوگی۔ اس لئے کہ بسملہ سورہ توحید ہی توحید حقیقی کی کنجی ہے اور یہی کنہ وحقیقت کی باب اور حجاب ہے۔ چونکہ توحید ہی انسان کا اصلی مقصد ہے لہٰذا وہ تمام واجب اور مستحب نمازوں اور سونے سے پہلے جاگنے کے بعد، واجب نماز کے بعد، نماز وصیت اور نماز شب میں بڑے اہتمام کے ساتھ سورہ توحید کی تلاوت کرتا ہے۔ امیر المومنین (ع) کی نماز میں دو سو مرتبہ بھی سورہ توحید پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا ہر کوئی مومن روزانہ اس سورے کی تلاوت کرے، گویا سورہ فاتحہ کا ساتھی ہے اور بہترین ساتھی ہے۔

یاد رکھو! سورہ توحید کا عظیم غرض وغایت دراصل معرفت الٰہی ہے اور اسی مقصد کے لئے اللہ نے انسان کو خلق کیا ہے، لہٰذا جو کوئی اس غرض کو ضائع کرے گا تو گویا اس سے ہر چیز ضائع ہو جائے گی۔ خدا کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾۔

'' اور میں جنّ وانس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔[2]

یعنی تاکہ وہ معرفت حاصل کریں توحید کے حصول کے یہی غرض اور معرفت ہونا ضروری ہے، توحید حقیقی صرف الفاظ اور معانی کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ عمل کے ساتھ اللہ کا اس طرح اخلاص کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ بندہ خدا کے سامنے اس کی زمین پر اس کی خلقت میں فنا ہو جائے۔ اسی لئے میں نے سطور بالا میں کہا تھا: '' توحید حقیقی، کنہ وحقیقت کی توحید، یا اسم اعظم اعظم اعظم یا اسم مکنون ومخزون ہے جو انسان سے اس وقت صادر ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بقائے خداوندی میں فناء کرتا ہے''۔

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾:

---

[1]۔غائب کی ضمیر ہے جو غائب کی نسبت سے ہے لہٰذا یہ مجہول مطلق نہیں ہے،اس لئے کہ مذکورہ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ غائب اور اثبات وجود کی طرف اشارہ ہے۔
[2]۔ الذاریات:56۔

"کہہ دیجئے! وہ اللہ ایک ہے"۔[1]

ھو ضمیر غائب ہے جو اسم اعظم اعظم اعظم یا کنہ و حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے مراد ہے کہ اے نبی! ان سے کہہ دیجئے! اگر وہ خدائے سبحانہ کی کنہ و حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو اس کی معرفت ذات احدیت سے ہوتی ہے، لہٰذا ذات در اصل کنہ و حقیقت کی حجاب ہے اور جب تک اس حجاب کو عبور نہیں کیا جائے جائے اس کی معرفت نہیں ہو گی، اور حجاب صرف معرفت سے ہی عبور ہو گی، پس جب تم اسمائے الٰہی کے ذات یا اللہ واحدیت ذات میں فناء کو جانو گے اور اس کے اندر کنہ و حقیقت کی حجاب کو دیکھو گے تو یہ سمجھو گے کہ تمام حقیقت در اصل معرفت کی عاجزی ہے۔

﴿هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾

یہ دو معانی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

اول:

اسمائے الٰہی کا ذات میں اور احدیت ذات کا توحید احدیت میں فناء ہونا ہے۔

دوم:

دوسرے مرتبے میں حقیقت میں الوہیت کا فناء ہونا ہے، کیونکہ الوہیت میں اعتباری کثرت ہے، اس سے مراد کمال ہے پھر اس کی طرف الوہیت کی نسبت ہے تاکہ نقص کو دور کر کے کمال کو حاصل کرے، اور کمال کے کئی جہات ہیں، لیکن پہلے معنی میں دو مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ:

اس میں اللہ ایک ہے، وہ قادر ہے اور قدرت اس کی ذات ہے، وہ رحم کرنے والا ہے اور رحمت اس کی ذات ہے۔ اس مرتبے میں اسمائے الٰہیہ ذات میں فانی ہیں، لیکن اس کی تفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے یعنی قادر، علیم، حکیم ہونا ہے۔

دوسرا مرتبہ:

اس میں اللہ ایک ہے، یعنی وہ کامل ہے، اس کی طرف الوہیت کی نسبت نقص کو دور کر کے کمال حاصل کرنا ہے، اور بغیر تفصیل کے اسمائے الٰہیہ اس میں فانی ہیں، بلکہ اجمال کے ساتھ اس اعتبار سے یہ کمال کی جہات ہیں، یعنی اسمائے کمالیہ مد نظر رکھتے ہوئے

---

[1]۔ الاخلاص:1۔

خدائے سبحانہ وتعالیٰ کے کامل ہونے کو دیکھنا ہے، لیکن اس اجمال میں راکھ کے نیچے آگ کی مانند کثرت باقی رہے گا، اس کا مقصد یہ ہے کہ تفصیل اور اجمال دونوں صورتوں میں نقص کی دوری اور تحصیل کم ہے۔

﴿هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾

''وہ اللہ ایک ہے''۔

اس کا دوسرا مفہوم الوہیت اور کمال کا کنہ و حقیقت میں فناء ہونا ہے، یعنی خدائے سبحانہ کو صرف معبود کے اعتبار سے معبود سمجھنا ہے، لہٰذا اس مرتبے میں الوہیت کے لئے توحید کا وجود باقی نہیں رہے گا، بلکہ صرف کنہ و حقیقت یا اسم اعظم اعظم اعظم ''ھو'' ہی باقی رہے گا اور یہی توحید کا سب سے بلند مرتبہ ہے، اور انسان کا مقصد اور اس کا کمال حقیقی دراصل کنہ و حقیقت کی بندگی کرنا ہے، اسی لئے رسول اکرم (ص) کو بندگی کے بلند و بالا مقام پر فائز کیا گیا ہے:

﴿فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾۔[1]

'' پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی بھجنا تھی وہ وحی بھیجی''۔

﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾:

''اللہ بے نیاز ہے''۔

صمد یعنی وہ کامل جس میں کوئی نقص یا شگاف یا عیب نہ ہو، یعنی ہم اس کی الوہیت مطلق کی تنزیہ و تسبیح اور کمال مطلق کو بیان کرتے ہیں۔ پھر وہ ذات جس کے ذریعے اس کے مخلوق اپنی جسمانی، ملکوتی، ساتویں آسمان میں نورانی یا عقلی وجود سے نقص کو دور کرتا ہے، مگر اس کے جو اس کے زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا ذات الٰہیہ کی یہ وصف یعنی صمد خدائے سبحانہ کو نقص سے منزہ کرتے ہوئے الٰہی کمال مطلق کو بیان کرتا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے مخلوق میں موجود نقص کو بھی اپنے فضل سے دور کرتا ہے۔ یہ وصف یعنی صمد جو کہ اُحد کے بعد اس لئے آیا ہے چونکہ اُحدیت ذات اور اس میں اسماء کے فناء پھر اس کے ذریعے کنہ و حقیقت کی معرفت کی پہچان ہوتی ہے، جس کی طرف ﴿هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ اشارہ کرتا ہے، اب یہ بیان، تفصیل اور توضیح ہو گیا کہ سارے اسماء

---

[1]۔النجم:10۔

وصفات الٰہیہ کمالیہ مطلقہ نقص سے پاک ومنزہ ہیں اور اپنی ذات میں لپٹے ہوئے ہیں جس پر اسم اللہ دلالت کرتا ہے، پس اس کی صفت صمد ہے یعنی جس کے اندر نہ کوئی خالی یعنی نقص ہے اور نہ اس کی وجود میں شگاف ہے، بلکہ وہ تمام جہات میں کامل اور تمام صفات کمال پر حاوی ہے، پھر اس صفت یعنی صمد کے اندر سید، کریم کے معنی بھی شامل ہوتا ہے، کیونکہ خدائے سبحانہ اپنے کمال مطلق کی وجہ سے اس کے مخلوق اپنے نقائص کو دور کرنے اور دنیا وآخرت کی حاجات کو پورا کرنے کے لئے بھی اس کی طرف قصد کرتے ہیں۔

پھر یہ آیت یعنی اللہ الصمد اپنے حاصل کرنے والے کے ساتھ تنزیل کے مرتبے میں آئی ہے، لہٰذا سورہ توحید بلندی سے شروع ہوتی ہے پھر توضیح میں اپنے حاصل کرنے والے ساتھ نازل ہوتی ہے یہاں تک کہ اپنے مخلوق کے قریب آکر یوں ختم ہو جاتی ہے:

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾۔

''اس کے لئے کوئی ہمسر نہیں''

پھر کنہ وحقیقت اور فنائے ذات الٰہیہ یعنی ﴿قُلْ هُوَ﴾ سے ہوتی ہوئی ذات احدیت اور اس میں فنائے اسماء یعنی ﴿اللَّهُ أَحَدٌ﴾ سے ذات الٰہیہ کی صفت جو کہ کمال مطلق ہے، جس میں کوئی نقص نہیں ہے، جو مقصود قضائے حوائج یعنی ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ تک پہنچ جاتی ہے۔

الله الصمد:

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ کمال مقصود قضائے حوائج اور نقص کو دور کرنا ہے، لہٰذا صمد خدا کی تسبیح وتنزیہ کے ذریعے کمال مطلق کا بیان ہے، پھر جب اسماء وصفات الٰہیہ کمال الٰہیہ مقصودہ کی جہات کو بیان کرتی ہیں اور ہر صفت یا اسم اپنے حساب سے ایک جہت کمال کو بیان کرتی ہے جو مخلوق کو قصد کرتی اور مخلوق تک پہنچ جاتی ہے، پھر یہ بیان کرتی ہے کہ سارے اسماء وصفات اسی صفت یا سم یعنی صمد کے نیچے لپٹی ہوئی ہیں۔ لہٰذا اس سے زیادہ ہم صمد کے مطالب کو نہیں پھیلا سکتے، کیونکہ پھر ہمیں کم از کم جوشن کبیر میں موجود تمام اسماء وصفات کو بیان کرنے کی ضرورت پڑے گی، پس فہم وادراک رکھنے والوں کے لئے یہ کافی ہے۔ اس لئے اس بحث کو یہی پر روک دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام صادق (ع) فرماتے ہیں:

إنما علينا أن نلقي إليكم الأصول وعليكم أن تفرعوا۔

''ہماری ذمہ داری صرف اصول کو بیان کرنا اور اسے پھیلانا تمہاری ذمہ داری ہے''۔

اسی طرح امام رضا(ع) فرماتے ہیں:

علينا القاء الأصول وعليكم التفريع۔

ہماری ذمہ داری اصول پیش کرنا اور تمہاری ذمہ داری انہیں کھولنا ہے"۔[1]

خدا سے دعا کرتا ہے کہ حوزہ علمیہ انصار امام مہدی(ع) کے طلبہ کو توفیق عطا فرمائے کہ لوگوں کے لئے آسان طریقے اس کی تفصیل، توضیح بیان کریں۔ میرا خیال ہے کہ میں صمد کے چند متشابہات کو بیان کیا ہے، امید ہے اس میں پڑھنے والوں کو یقینا فائدہ ہوگا۔ اس حوالے سے امام باقر(ع) فرماتے ہیں:

لو وجدت لعلمي الذي آتاني الله عز وجل حملة لنشرت التوحيد والإسلام والإيمان والدين والشرائع من الصمد، وكيف لي بذلك ولم يجد جدي أمير المؤمنين (ع) حملة لعلمه، حتى كان يتنفس الصعداء ويقول على المنبر: سلوني قبل أن تفقدوني، فإن بين الجوانح مني علماً جماً، هاه هاه ألا لا أجد من يحمله، ألا وإني عليكم من الله الحجة البالغة۔

"اگر میرے علم کا کوئی سنبھالنے والا ملے، میں اس بے نیاز ذات کی طرف سے توحید، اسلام، ایمان، دین اور شریعتوں کو بیان کرتا ہے۔

مجھے کہاں سے ملے، جبکہ میرے جدّ بزرگوار امیر المومنین(ع) کو اپنے علم کو سنبھالنے والا نہیں ملا، یہاں تک کہ آپ(ع) منبر سے ٹھنڈی آہ بھرتے اور کہتے، مجھ سے پوچھو! قبل اس کے تم مجھے ہاتھ سے دھو بیٹھو، کیونکہ میرے باطنی اعضاء میں علم کا بہت بڑا خزانہ ہے، آہ آہ کوئی اس کا سنبھالنے والا نہیں! جان لو! میں تم پر اللہ کی سب سے بڑی حجت ہوں"۔[2]

الصَّمَدُ:

جب اللہ ہی کامل ہے جس کی طرف نقص کو دور کرنے اور کسب کمال کے رجوع کیا جاتا ہے، پھر صفت الوہیت کے ساتھ عام طور سے خدا کی ذات ہر قسم کی کسی بھی شرک پر منحصر نہیں ہوتی، جی، ہاں! الوہیت مطلق پر منحصر ہوتی ہے، لہٰذا لا اله إلا الله توحید کا کلمہ ہے، کیونکہ اس سے ہم الوہیت مطلق مراد لیتے ہیں، پس صفت الوہیت عام طور سے اس کے مخلوق کے ایسے کامل افراد کو بھی شامل کرتی ہے جو اس کی بندگی کرتے ہیں تاکہ اس سے کمال حاصل کریں اور نقص کو دور کریں، لہٰذا اس صورت

---

[1]۔ الحدائق الناضرة،محقق البحرانی:ج1ص133۔

[2]۔ التوحيد: شيخ صدوق: ص،93-92۔

محمد (ص) صورت خدا اور وجہ خدا ہے جسے خود خدا نے خلق فرمایا ہے، لیکن محمد (ص) کا صفت الوہیت سے متصف ہونے اور خدا کی صفت الوہیت کے درمیان یہ فرق ہے کہ محمد (ص) کا صفت الوہیت سے متصف ہونا نقص کے ساتھ قید اور خدائے سبحانہ کی طرف محتاج ہونا ہے، جبکہ خدا کی الوہیت مطلق ہے، اسی لئے یہ صمد کا بیان ہوا ہے یعنی اس میں کوئی شگاف نہیں اور اس میں کوئی نقص ہے۔ اب یہاں پر صمد کی الوہیت کے ساتھ نسبت میں صرف خدا کی ذات کے علاوہ نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اسی سے ہی خدا کی الوہیت نمایاں اور تام مطلق ہوتی ہے، اور جیسا کہ سورہ توحید میں آیا ہے ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ یعنی اللہ کی بے نیازی ایسی ہے کہ اللہ نور ہے جس میں کوئی ظلمت نہیں ہے، اور یہ ایسی صفت ہے جس میں اس کے کوئی بھی مخلوق شامل نہیں ہوتا، اور یہ سمیع، بصیر اور خالق کی طرح نہیں ہے، کیونکہ ان صفات میں مخلوق شامل ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے: محمد (ص) نور ہیں، لیکن اس میں ظلمت ہے، کیونکہ وہ شخصیت کے پیکر میں ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو محمد (ص) کا کوئی نام و نشان نہیں ہوتا، کیونکہ بقاء صرف خدائے واحد قہار سے مخصوص ہے۔

کیونکہ محمد (ص) اگرچہ کمالِ ممکن الوجود کے بلند درجے پر فائز ہیں، وہ اگرچہ صورتِ خداوندی ہیں جو مخلوق میں صفت لاہوتی سے متصف ہیں تاکہ مخلوق کو خدا کی پہچان کرائیں، تاکہ وہ خدا کی طرف حصول اور نقص کو دور کرنے کے لئے رجوع کرے، لیکن محمد (ص) دوسری جہت سے خدا کا محتاف ہیں، کیونکہ وہ خدا کا بندہ ہیں:

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ﴾۔

''اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے چھوئے، نور بالائے نور ہے۔[1]

عنقریب وہ اپنی ذات سے روشنی دیتا ہے نہ یہ کہ وہ اپنی ذات روشنی دیتا ہے، یہاں تک ابراہیم (ع) جو کہ ایک الوالعزم رسول تھے نے جب ملکوت آسمانی کو دیکھا تو سوچا کہ محمد (ص) کا صفت الوہیت سے متصف ہونا الوہیت مطلق ہے، اور سوچا کہ محمد (ص) کی ربوبیت مطلق ہے، پھر اللہ نے ابراہیم (ع) پر یہ احسان کیا اور ان کے لئے کشف کیا کہ محمد (ص) ایک شخصیت کے پیکر میں ہیں، پھر ابراہیم (ع) سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو ملکوت میں نہیں دیکھا جاتا، بلکہ محمد (ص) کی روئیت دراصل خدا کی روئیت ہے، اور محمد (ص) سے مقابلہ خدا سے مقابلہ ہے، کیونکہ اس کی ذات ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ اس حوالے سے اہل بیت (ع) نے اپنے پاکیزہ کلام میں بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ امام صادق (ع) اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾۔

''اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے گی''۔[1]

---

[1]- النور:35-

امام(ع)فرماتے ہیں:

رب الأرض إمام الأرض۔

زمین کارب کا مطلب زمین کاامام ہے۔

کسی نے پوچھا: جب وہ چلا جائے تو کیا ہو گا؟

فرمایا:

يستغني الناس عن ضوء الشمس ونور القمر بنوره ويجتزؤون بنور الإمام (ع)۔

''پھر لوگوں کو اپنے نور کی وجہ سے پھر سورج اور چاند کی روشنی ضرورت نہیں ہو گی، اور وہ امام(ع) کے نور سے فیض ہو رہے ہوں گے''۔[2]

اگرچہ زمین کارب اللہ کی ذات ہی ہے، لیکن چونکہ خدا کی ربوبیت مطلق ہے جبکہ امام مہدی(ع) کی ربوبیت فقر واحتیاج کے قید میں ہے جس کا بازگشت خدا کی ذات ہی ہے۔

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾:

''نہ اس نے کسی جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا ہے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں پر ولادت سے جسمانی ولادت مراد ہے، تاکہ کوئی اس کی نفی نہ کرے، اگرچہ اسے اوہام ونادانیوں نے مجسم بنانے کی کوشش کی ہیں جسے کسی بھی صورت میں عقل سلیم اور فطرت نقیہ ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے ذات الٰہیہ کو مجسم بنایا ہے، یہاں پر ولادت کی نفی سے مراد کسی جڑ یا اصل سے جدا ہونا ہے جہاں سے ذات الٰہیہ جدا ہوئی ہو، یا کوئی فرع ذات الٰہیہ سے جدا ہوا ہو۔ یہ نفی اگرچہ اس بات کی رد ہے جو کہتے ہیں؛ جناب عیسیٰ(ع) اللہ کا بیٹا ہے اور جو کہتا ہے عزیر اللہ کا بیٹا ہے، یا جو تین ذاتوں (خدا، خداوند مسیح، جبریل) کے قائل ہو، یا وہ جو اثنیت کے قائل ہو، لیکن حقیقت میں وہی سابقہ آیات سے متعلق ہیں، کیونکہ ذات الٰہیہ یا اللہ تمام اسماء وصفات الٰہیہ کے جامع ہے، اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

پہلا سوال:

---

[1]۔ الزمر:69۔

[2]۔ مستدرک سفینۃ البحار:ج4ص47۔

کیا یہ قدیم اسماء اور صفات اللہ سے جدا ہونے والی خدائیں ہیں، اس اعتبار سے کہ ان کی الوہیت اپنی بیان کردہ جہات میں مطلق ہیں؟

جواب:

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ یہ صفات اور اسماء یعنی علیم، قدیم، حکیم ذات الٰہیہ سے جدا نہیں ہیں، بلکہ یہ عین ذات ہیں، لہٰذا وہ قادر ہے تو قدرت اس کی ذات ہے، وہ عالم ہے تو علم اس کی ذات ہے وغیرہ۔

دوسرا سوال:

کیا ذات الٰہیہ یا اللہ کنہ و حقیقت سے جدا ہے جو ھو یا اسم اعظم، اعظم اعظم ہے؟

جواب:

یہ کہ ذات الٰہیہ یا اللہ ہی کنہ و حقیقت کے لئے تجلی اور ظہور ہے جس کے ذریعے مخلوق اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کیونکہ جب مخلوق کی حقیقت تنگدستی ہے تو ضروری ہے کہ وہ غنی اور بے نیاز کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ خدائے سبحانہ و تعالی ظلمت، عدم اور نقص کو نور، وجود اور کمال کے ذریعے دور کرے، پس ذات الٰہیہ یا اللہ عین کنہ و حقیقت ہے ہے۔ جیسا کہ امام موسی الرضا(ع) سے روایت ہے:

إن بسم الله الرحمن الرحيم أقرب إلى اسم الله الأعظم من سواد العين إلى بياضها۔

" یقینا بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے اسم اعظم کی نسبت سے آنکھ کی سیاہی کا سفیدی سے زیادہ قریب ہے۔[1]

لہٰذا حقیقت ذات الٰہیہ یا اللہ سے مخلوق کی جہت کے لئے ان کے نقص کو دور کرنے کے لئے ظاہر ہو گئی ہے، اور معرفت کے لئے یعنی اللہ تعالی ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پھر اس نے مخلوق کو خلق کیا تاکہ اسے پہچانا جائے، اور معرفت سوائے ذات الٰہیہ کی معرفت، اسماء و صفات کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں، لیکن کنہ و حقیقت کی معرفت تو معرفت سے ہی عاجز ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہے، جیسا کہ اسماء و صفات ذات الٰہیہ یعنی اللہ جو کہ عین ذات ہے میں فانی ہیں، اسی طرح ذات الٰہیہ کنہ و حقیقت میں فانی ہے جو کہ عبادت میں حقیقی مطلب و مقصود ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح وہ ذات الٰہیہ سے جدا نہیں ہے اسی طرح ذات الٰہیہ یا اللہ حقیقت سے جدا نہیں ہے، بلکہ یہ کنہ و حقیقت کے لئے تجلی اور ظہور ہے۔

---

[1]- عیون اخبار الرضا: ج,1ص8-

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾:

''اوراس کے لئے کوئی ہمسر نہیں ہے''۔

الکفؤ:

یہ ایک خاص جہت سے مرتبے میں شے کے مساوی یاقریب ہوتا ہے۔ یہ آیت نفی کرتی ہے کہ اللہ کے لئے کسی موجودات میں کوئی ہمسر ہے، جیسا کہ یہ اوراس سے پہلی آیت دونوں﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾آئی ہیں جس کی صفت بیان ہوچکی ہے کہ خدائے تعالیٰ ک قضائے حاجات اور تحصیل کمال میں کمال مقصود ہے، پھراس کے بعدلم یلد ولم یولد والی آیت آئی جو یہ بیان کررہی ہے کہ کمال خداوندی کی جہات اور جس کی تعبیر اسماءوصفات کرتی ہے وہ خدائے سبحانہ سے جدا نہیں ہے، بلکہ وہی اللہ تعالیٰ ہے، پھر یہ آیت﴿لَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾آکر یہ بیان کرتی ہے کہ خدا کے سوا تمام وہ مخلوق جو بلند و بالا، مقدس، کمال موجود یعنی محمد وآل(ع)ہیں، اگرچہ ان کے بارے کچھ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ معراج میں فرشتے اور ابراہیم نے جب ملکوت سماوات کو دیکھ ہوا تھا۔ارشاد ہے:

﴿وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ * فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَباً قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لا أُحِبُّ الْآفِلِينَ * فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ * فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ﴾.

اوراس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کا(نظام) حکومت دکھاتے تھے تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہو جائیں۔ چنانچہ جب ابراہیم پر رات کی تاریکی چھائی تو ایک ستارہ دیکھا، کہنے لگے: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے: میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چمکتا چاند دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے اور جب چاند چھپ گیا تو بولے: اگر میرا رب میری رہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی ضرور گمراہوں میں سے ہو جاتا۔ پھر جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو بولے: یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: اے میری قوم! جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔[1]

امام صادق(ع)سے جناب ابراہیم(ع)کے غیر اللہ کے لئے اس قول: هذا رَبِّي کے بارے سوال کیا، کیا انہوں نے اس میں شرک کیا ہے؟

---

[1]- الانعام:78-75-

امام(ع) نے فرمایا:

من قال هذا اليوم فهو مشرك، ولم يكن من إبراهيم شرك و إنما كان في طلب ربه و هو من غيره شرك۔

''جو کوئی آج کہے گا تو مشرک ہو جائے گا، لیکن جناب ابراہیم(ع) نے شرک نہیں کی، کیونکہ وہ تو اپنے پروردگار کو تلاش کر رہا تھا، لیکن یہ بات کوئی اور کہے گا تو وہ شرک ہو جائے گا''۔[1]

قمی سے نقل کیا ہے اور عیاشی میں اسی طرح آیا ہے، کہ اگر جناب ابراہیم کا اپنے پروردگار کا طلب اس مادی دنیا میں ہوتا تو یقینا ابراہیم شرک ہوتا، لیکن چونکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو مَلَكُوتَ السَّمَاوَات میں طلب کیا تھا۔

محمد بن حمران کہتا ہے: میں نے امام صادق(ع) سے جناب ابراہیم(ع) کے اس قول: ﴿هذا رَبِّي﴾ کے بارے میں سوال کیا تو امام(ع) نے فرمایا:

لم يبلغ به شيئاً أراد غير الذي قال۔

'' اس سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ارادہ اور قول الگ تھا''۔[2]

اور شیخ فقیہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ القمی نے اپنی کتاب علل الشرائع میں لکھا ہے: ہمیں اپنے والد گرامی نے، انہیں محمد بن حسن بن ولید نے، انہیں سعد بن عبداللہ نے، انہیں محمد بن عیسیٰ بن عبید نے، انہیں محمد بن ابی عمیر اور محمد بن سنان نے، انہیں صباح السدی نے، انہیں سدیر الصیرفی، محمد بن نعمان مومن الطاق، عمر بن اذینۃ نے ابو عبداللہ(ع) سے، انہوں نے محمد بن الحسن بن احمد بن ولید نے، انہوں نے محمد بن الحسن الصفار اور سعد بن عبداللہ نے، انہوں نے محمد بن الحسن بن ابی الخطاب سے، انہوں نے یعقوب بن یزید اور محمد بن عیسیٰ سے، انہوں نے عبداللہ بن جبلۃ سے، انہوں نے صباح المزنی، سدیر الصیرفی اور محمد بن نعمان الاحول سے، انہوں نے عمر بن اذینۃ سے، انہوں نے ابو عبداللہ(ع) سے، جب یہ لوگ امام صادق(ع) کے پاس حاضر تھے۔ چنانچہ امام(ع) نے فرمایا:

إن الله العزيز الجبار عرج بنبيه (ص) إلى سمائه سبعاً، أما أولهن فبارك عليه والثانية علمه فيها فرضه فانزل الله العزيز الجبار عليه محملاً من نور فيه أربعون نوعاً من أنواع النور كانت محدقة حول العرش عرشه تبارك وتعالى تغشى أبصار الناظرينثم عرج إلى السماء الدنيا فنفرت الملائكة إلى أطراف السماء ثم خرت سجداً، فقالت: سبوح قدوس ربنا ورب

---

[1]۔ بحار الانوار، ج77، باب4: عصمت انبیاء، ص72۔
[2]۔ تفسیر العیاشی: ص353)۔

الملائكة والروح ما أشبه هذا النور بنور ربنا، فقال جبرئيل (ع): الله أكبر الله أكبر، فسكتت الملائكة وفتحت أبواب السماء واجتمعت الملائكة، ثم جاءت فسلمت على النبي (ص) أفواجاً، ثم قالت: يا محمد كيف أخوك ؟ قال: بخير، قالت: فإن أدركته فاقرأه منا السلام، فقال النبي (ص): أتعرفونه ؟ فقالوا: كيف لم نعرفه وقد أخذ الله عز وجل ميثاقك وميثاقه منا، وإنا لنصلي عليك وعليه، ثم زاده أربعين نوعاً من أنواع النور لا يشبه شيء منه ذلك النور الأول، وزاده في محمله حلقاً وسلاسل ثم عرج به إلى السماء الثانية فلما قرب من باب السماء تنافرت الملائكة إلى أطراف السماء وخرت سجداً وقالت: سبوح قدوس رب الملائكة والروح ما أشبه هذا النور بنور ربنا، فقال جبرئيل (ع): أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله. فاجتمعت الملائكة وفتحت أبواب السماء وقالت: يا جبرئيل من هذا الذي معك ؟ فقال: هذا محمد (ص)، قالوا: وقد بعث ؟ قال: نعم. قال رسول الله (ص): فخرجوا إلى شبه المعانيق فسلموا علي وقالوا: إقرأ أخاك السلام، فقلت: هل تعرفونه ؟ قالوا: نعم، وكيف لا نعرفه وقد أخذ الله ميثاقك وميثاقه وميثاق شيعته إلى يوم القيامة علينا، وإنا لنتصفح وجوه شيعته في كل يوم خمساً يعنون في كل وقت صلاة قال رسول الله (ص): ثم زادني ربي تعالى أربعين نوعاً من أنواع النور لا تشبه الأنوار الأول وزادني حلقاً وسلاسل، ثم عرج به إلى السماء الثالثة فنفرت الملائكة إلى أطراف السماء وخرت سجداً وقالت: سبوح قدوس رب الملائكة والروح ما هذا النور الذي يشبه نور ربنا، فقال جبرئيل (ع): أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن محمداً رسول الله، فاجتمعت الملائكة وفتحت أبواب السماء وقالت: مرحباً بالأول ومرحباً بالآخر، ومرحباً بالحاشر ومرحباً بالناشر ، محمد خاتم النبيين وعلى خير الوصيين ، فقال رسول الله (ص): سلموا عليّ وسألوني عن علي أخي فقلت: هو في الأرض خليفتي أو تعرفونه ؟ قالوا: نعم وكيف لا نعرفه وقد نحج البيت المعمور في كل سنة مرة وعليه رق أبيض فيه اسم محمد (ص) وعلي والحسن والحسين والأئمة وشيعتهم إلى يوم القيامة، وإنا لنبارك على رؤوسهم بأيدينا، ثم زادني ربى تعالى أربعين نوعاً من أنواع النور لا تشبه شيئاً من تلك الأنوار الأول، وزادني حلقاً وسلاسل، ثم عرج بي إلى السماء الرابعة فلم تقل الملائكة شيئاً، وسمعت دوياً كأنه في الصدور واجتمعت الملائكة، ففتحت أبواب السماء وخرجت إلى معانيق فقال جبرئيل (ع): حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح، فقالت الملائكة صوتين مقرونين: بمحمد تقوم الصلاة وبعلي الفلاح ، فقال جبرئيل: قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة، فقالت الملائكة: هي لشيعته أقاموها إلى يوم القيامة، ثم اجتمعت الملائكة فقالوا للنبي: أين تركت أخاك وكيف هو ؟ فقال لهم: أتعرفونه ؟ فقالوا: نعم نعرفه وشيعته وهو نور۔

یقیناً خدائے عزیز وجبار اپنے نبی اپنے سات آسمانوں کی بلندیوں کی طرف لے گیا۔ پہلے آسمان میں ان اپنی برکتیں نازل کیں، دوسرے آسمان میں ان کو ان کے فرائض کی تعلیم دی، پھر خدائے عزیز وجبار نے نور ایک محمل نازل فرمائی جس میں نور کے اقسام میں سے چالیس قسم کے ایسے نور تھے جو عرش کے اطراف میں حلقہ کیے ہوئے تھے اور جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

پھر آنحضرت (ص) آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے، پھر ملائکہ نے آتے ہوئے دیکھا تو آسمان کی طرف بھاگے اور سجدے میں گر پڑے اور بولے:

سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح، یہ نور ہمارے رب کے نور سے کس قدر مشابہ ہے، اتنے میں جبرئیل نے کہا:

الله أكبر الله أكبر، یہ سن کر ملائکہ ٹھہر گئے، آسمان کے دروازے کھول دیئے اور تمام ملائکہ جمع ہو گئے اور گروہ در گروہ آکر نبی اکرم (ص) کو سلام کیا اور پوچھا: اے محمد! آپ کے بھائی کیسے ہیں؟ آنحضرت (ص) نے فرمایا: بخیر ہیں۔ ملائکہ نے کہا: اچھا آپ واپس جائیں تو انہیں ہمارا سلام کہہ دیں۔ نبی (ص) نے فرمایا: کیا تم لوگ انہیں جانتے ہو؟ ملائکہ نے کہا: ہم لوگ ان کو کیوں نہیں جانیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے متعلق اور ان کے متعلق ہم لوگوں سے عہد و پیمان لیا ہے اور ہم لوگ مسلسل آپ پر اور ان پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس محمل میں چالیس اقسام کے نور کا مزید اضافہ فرمایا جو پہلے چالیس قسم کے نوروں میں سے کسی ایک سے بھی مشابہ نہیں تھے اور اس محمل میں کچھ قلابوں اور زنجیروں کا بھی اضافہ کیا، اور آپ (ص) اس کے ذریعے دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے، اور جب دوسرے آسمان کے دروازے کے قریب پہنچے تو وہاں کے فرشتے بھاگ کر آسمان کے اطراف میں چلے گئے اور سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے: سبوح قدوس رب الملائكة والروح یہ نور ہمارے رب کے نور سے کس قدر مشابہ ہے پس جبرئیل نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله. یہ سن کر ملائکہ پھر سے جمع ہوئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے اور بولے: اے جبرئیل! تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ محمد (ص) ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا: کیا یہ مبعوث ہو گئے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں ہو گئے۔ رسول اللہ (ص) بیان فرماتے ہیں: پھر وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا اور کہا: اپنے کو ہمارا سلام کہئے گا۔ میں نے پوچھا: کیا لوگ ان کو جانتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں، ہم لوگ ان کو کیونکر نہ جانیں گے اللہ نے ہم سے عہد و پیمان لیا ہے آپ کے متعلق اور ان کے متعلق اور ان کے ان شیعوں کے متعلق جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اور ہم لوگ ان کے شیعوں کے چہروں کو تو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتے رہتے ہیں یعنی نماز کے اوقات میں۔ آنحضرت (ص) نے ارشاد فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے چالیس کے مزید انوار کا اضافہ کر دیا جو سابقہ انوار میں کسی نور سے بھی مشابہ نہیں تھے، اور محمل کچھ قلابے اور زنجیریں بڑھا دیں۔ پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گیا، مجھے آتا دیکھ کر ملائکہ آسمان کے اطراف میں چلے گئے اور سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے: سبوح قدوس رب الملائكة والروح یہ نور ہمارے رب کے نور سے کس قدر مشابہ ہے، یہ سن کر جبرئیل نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله. یہ سن کر تمام ملائکہ جمع ہو گئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے: خوش آمدید آخر، خوش آمدید حاشر، خوش آمدید ناشر محمد خاتم النبیین (ص) ہیں اور علی (ع) تمام اوصیاء

میں سب سے بہتر ہیں، آنحضرت (ص) نے فرمایا: پھر ان سب نے مجھے سلام کیا اور پوچھا کہ علی (ع) کہاں ہیں؟ میں وہ زمین پر میرے خلیفہ اور نائب ہیں، کیا تم لوگ ان کو جانتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں!، ہم ان کو کیسے نہیں جانیں گے؟ ہم لوگ بیت معمور سال میں ایک مرتبہ حج کے لئے جاتے ہیں، اس پر ایک سفید کتبہ قرطاس پر آویزاں ہے جس محمد، علی فاطمہ، حسن، حسین اور دیگر آئمہ اور ان کے شیعہ تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے کے نام تحریر ہیں اور ہم لوگ برکت کے لئے ان ناموں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ آنحضرت (ص) نے فرمایا: پھر اللہ تعالی نے میرے لئے چالیس اقسام کے کے انوار مزید بڑھائے جو سابقہ انوار میں سے کسی بھی مشابہ نہیں تھے، اور محمل میں قلابے اور زنجیریں بڑھادیں اور مجھے چوتھے آسمان کی لے گیا۔ وہاں کے ملائکہ کچھ نہ بولے، مگر میں نے ایسی آوازیں سنیں جیسے لوگ دل ہی دل میں گنگنا رہے ہوں۔ پھر تمام ملائکہ آگئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے ،میرے پاس آئے۔ اس وقت جبرئیل نے کہا: حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح تو ملائکہ نے کہا: دونوں آوزیں قریب قریب ہیں، محمد (ص) کے ذریعے نماز قائم ہوگی اور علی (ع) کے ذریعے دنیا میں فلاح قائم ہوگی۔ پھر جبرئیل کہا: قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة تو ملائکہ کہا: یہ نماز ان کے شیعوں کے لئے ہے جو قیامت تک اس کو قائم کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد ملائکہ نبی (ص) کے پاس جمع ہوئے اور دریافت کیا: آپ نے اپنے بھائی کو کہاں چھوڑا ہے اور وہ کیسے ہیں؟، آپ (ص) نے فرمایا: کیا تم لوگ انہیں جانتے ہو؟، انہوں نے کہا: ہم لوگ انہیں، بلکہ ان کے شیعوں کو بھی اس وقت سے جانتے ہیں جب وہ عرش کے گرد نور کی شکل میں تھے۔[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ ذوات مقدسہ محمد وآل محمد (ع) خدائے سبحانہ کے ہمسر نہیں ہیں، بلکہ ان کے درمیان بہت فاصلہ ہے، لہٰذا اگر جہات کمال خداوندی کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو مساوی تو دور قریب بھی ممکن نہیں۔ جیسا کہ زیارت جامعہ میں ارشاد ہوا ہے:

السلام على محال معرفة الله، ومساكن بركة الله، ومعادن حكمة الله وحفظة سر الله، وحملة كتاب الله، وأوصياء نبي الله، وذرية رسول الله ورحمة الله وبركاته، السلام على الدعاة الى الله، والأدلاء على مرضاة الله، والمستقرين في أمر الله، والتامين في محبة الله، والمخلصين في توحيد الله، والمظهرين الامر لله.

''سلام ہو خدا کی معرفت کے ذریعوں پر جو خدا کی برکت کے مقام اور خدا کی حکمت کی کانیں ہیں، خدا کے رازوں کے نگہبان ،خدا کی کتاب کے حامل، خدا کے آخری نبی (ص) کے جانشین اور خدا کے رسول (ص) کی اولاد ہیں، خدا ان پر اور ان کی آل (ع) پر درود بھیجے اور خدا کی رحمت ہو اور اس کی برکات ہوں، سلام ہو خدا کیطرف بلانے والوں پر اور خدا کی رضاؤں سے آگاہ

---

[1]۔ علل الشرائع: ج،2ص،313۔

کرنے والوں پر جو خدا کے معاملے میں ایستادہ، خدا کی محبت میں سب سے کامل اور خدا کی توحید کے عقیدے میں کھڑے ہیں، وہ خدا کے امر و نہی کو بیان کرنے والے ہیں"۔[1]

اور امام مہدی(ع) سے مروری دعائے رجب میں وارد ہوا ہے:

أسألك بما نطق فيهم من مشيئتك فجعلتهم معادن لكلماتك وأركاناً لتوحيدك وآياتك ومقاماتك، التي لا تعطيل لها في كل مكان يعرفك بها من عرفك، لا فرق بينك وبينها إلا أنهم عبادك وخلقك۔

میں سوال کرتا ہوں تیری اس مشیت کے واسطے سے جو ان کے حق میں گویا ہے پس تو نے ان کو اپنے کلمات کی کانیں بنایا اور اپنی توحید، آیات اور مقامات کے ارکان کو جو کسی جگہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے سے باز نہیں رہتے کہ جو تجھے پہچانتا ہے ان کے ذریعے پہنچانتا ہے ان میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ وہ تیرے بندے اور تیری مخلوق ہیں۔[2]

لیکن پھر بھی خدائے سبحانہ کی کمال اور اوصاف کسی چیز سے مشابہت نہیں رکھتے:

يا من هو أحد بلا ضد يا من هو فرد بلا ند يا من هو صمد بلا عيب ... يا من هو موصوف بلا شبيه۔

"اے وہ جو ایسا یگانہ ہے جس کا کوئی مقابل نہیں اے وہ جو ایسا یکتا ہے جسکا شریک نہیں اے وہ جو بے نیاز ہے جس میں کوئی عیب نہیں۔اے ایسے صفتوں والے جسکی کوئی مثال نہیں"۔[3]

الوہیت:

الوہیت عام معنی میں کامل کو شامل کرتی جس کی طرف مخلوق اپنے کمال کے حصول اور نقص کو دور کرنے کے لئے رجوع کرتی ہے۔ یہ ربوبیت کی مانند اس طرح ہے جیسا کہ باپ خاندان کی نسبت اس کا رب ہوتا ہے، اسی اللہ کا خلیفہ اس کی زمین پر رب ہے۔ جیسا ارشاد ہے:

﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾۔

---

1. مفاتیح الجنان:زیارت جامعہ۔
2. مفاتیح الجنان:دعائے رجب۔
3. مفاتیح الجنان:دعائے جوشن کبیر۔

اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے گی۔[1]

اسی طرح امام صادق (ع) فرماتے ہیں:

رب الأرض إمام الأرض۔

''زمین کا رب زمین کا امام ہوتا ہے۔''

اتنے میں کسی نے آپ (ع) سے پوچھا:

جب امام (ع) کا ظہور ہو جائے؟

فرمایا:

يستغني الناس عن ضوء الشمس ونور القمر بنوره ويجتزؤون بنور الإمام (ع)۔

''پھر لوگ سورج کی روشنی سے نیاز ہوں گے اور چاند کو اپنی روشنی کی ضرورت نہیں ہو گی، اور سب نورِ امام (ع) سے مستفید ہوں گے۔''[2]

ربوبیت اس عالم جسمانی میں یہ ہوتی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کی ضروریات پوری کرے وہ شخص اس کی نسبت اس کا رب ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس کے نقص کو پورا کرتا ہے، اور اس عالم جسمانی میں اس کی ضروریات کو فراہم کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں جناب یوسف (ع) ایک پیغمبر ہوتے اس قیدی کی خواب تعبیر سناتے ہوئے اس ظالم بادشاہ کی نسبت شراب پلانے والے کی رب کہا ہے:

﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾۔

اور ان دونوں میں سے جس کی رہائی کا خیال کیا تھا (یوسف نے) اس سے کہا: اپنے مالک (شاہ مصر) سے میرا ذکر کرنا مگر شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ اپنے مالک سے یوسف کا ذکر کرے، یوں یوسف کئی سال زندان میں پڑے رہے۔[3]

ادھر خود جناب یوسف (ع) نے عزیز مصر کو جس نے ان کی کفالت کی تھی میرا رب کہا ہے:

---

[1]۔ الزمر:69۔
[2]۔ مستدرک سفینۃ البحار:ج4،ص47۔
[3]۔ یوسف:42۔

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾.

اور یوسف جس عورت کے گھر میں تھے اس نے انہیں اپنے ارادے سے منحرف کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور سارے دروازے بند کر کے کہنے لگی: آجاؤ، یوسف نے کہا: پناہ بخدا! یقینا میرے رب نے مجھے اچھا مقام دیا ہے، بے شک اللہ ظالموں کو کبھی فلاح نہیں دیتا۔[1]

جس نے ظاہر طور پر اور اس عالم جسمانی میں ان کو بہترین جگہ دیا، وہ تو عزیز مصر تھا:

﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَى أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَداً وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الأَحَادِيثِ وَاللّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ﴾۔

اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کا مقام معزز رکھنا، ممکن ہے کہ وہ ہمارے لیے فائدہ مند ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں تمکنت دی اور اس لیے بھی کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[2]

اسی طرح الوہیت اس کو بھی شامل کرتی ہے جو اس کی طرف نقص کو دور اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے رجوع کرتا ہے، کیونکہ اسم اللہ دراصل الٰہ سے مشتق ہے۔[3]

جیسا کہ ہشام بن حکم سے روایت ہے کہ اس نے امام صادق (ع) سے اسمائے الٰہیہ اور ان کے مشتقات بارے میں سوال کیا تو امام (ع) نے فرمایا:

يَا هِشَامُ، اللَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ إِلَهٍ وَإِلَهٌ يَقْتَضِي مَأْلُوهاً وَالِاسْمُ غَيْرُ الْمُسَمَّى، فَمَنْ عَبَدَ الِاسْمَ دُونَ الْمَعْنَى فَقَدْ كَفَرَ وَلَمْ يَعْبُدْ شَيْئاً، وَمَنْ عَبَدَ الِاسْمَ وَالْمَعْنَى فَقَدْ أَشْرَكَ وَعَبَدَ اثْنَيْنِ، وَمَنْ عَبَدَ الْمَعْنَى دُونَ الِاسْمِ فَذَاكَ التَّوْحِيدُ، أَفَهِمْتَ يَا هِشَامُ ؟ قَالَ: قُلْتُ: زِدْنِي، قَالَ: لِلَّهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْماً فَلَوْ كَانَ الِاسْمُ هُوَ الْمُسَمَّى لَكَانَ كُلُّ اسْمٍ مِنْهَا إِلَهاً وَلَكِنَّ اللَّهَ مَعْنًى يُدَلُّ عَلَيْهِ بِهَذِهِ الْأَسْمَاءِ وَكُلُّهَا غَيْرُهُ، يَا هِشَامُ الْخُبْزُ اسْمٌ لِلْمَأْكُولِ وَالْمَاءُ اسْمٌ لِلْمَشْرُوبِ وَالثَّوْبُ اسْمٌ لِلْمَلْبُوسِ وَالنَّارُ اسْمٌ لِلْمُحْرِقِ، أَ فَهِمْتَ يَا هِشَامُ فَهْماً تَدْفَعُ بِهِ وَتُنَاضِلُ بِهِ أَعْدَاءَنَا الْمُتَّخِذِينَ مَعَ اللَّهِ عَزَّ

---

[1]۔ یوسف:23۔
[2]۔ یوسف:21۔
[3]۔ ضمیمہ1 پر دیکھیں جہاں پر واضح ہوگا کہ اسم اللہ مشتق ہے،یہ اسم علم جامد نہیں ہے۔ جبکہ سید خوئی بعض علمائے عامہ کی پیروی میں اسے نہیں مانتے ہیں جوکہ قول ائمہ(ع) کے خلاف ہے۔

وَجَلَّ غَيْرَهُ، قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: نَفَعَكَ اللَّهُ بِهِ وَثَبَّتَكَ يَا هِشَامُ، قَالَ: فَوَ اللَّهِ مَا قَهَرَنِي أَحَدٌ فِي التَّوْحِيدِ حَتَّى قُمْتُ مَقَامِي هَذَا۔

''اے ہشام اللہ مشتق الٰہ (معبود) سے اور الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ کوئی عبادت کرنے والا بھی ہو، اور اسم با مسمیٰ غیر ہوتا ہے، پس جس نے معنی کو چھوڑ کر اسم کی عبادت کی، اس نے کفر کیا اور کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی، اور جس نے اسم اور معنی دونوں کی عبادت کی، اس نے شرک کیا، اور دو کی عبادت کی، اور جس نے صرف معنی کی عبادت کی تو یہ توحید ہے۔ اے ہشام! کیا تم سمجھ گئے؟ میں نے کہا: آقا! مزید فرمایئے! فرمایا: اللہ کے ننانوے اسماء ہیں۔ اگر ہر اسم ایک ذات ہوتا تو ہر اسم ایک معبود بھی بن جاتا۔ لیکن اللہ کا ایک مفہوم ہے جو ان سب اسماء پر ایک دلالت کرتا ہے اور وہ مفہوم ان تمام اسماء کا غیر ہے۔ اے ہشام! تم یہ سمجھو روٹی ایک کھانے کا نام ہے، پانی ایک مشروب کا نام ہے، کپڑا ایک ملبوس کا نام ہے، آگ ایک جلانے والی چیز کا نام ہے۔ اے ہشام! اب سمجھ گئے؟ اب اس دلیل سے ہمارے دشمنوں کو رد کرنا، جو اللہ کے ساتھ اس کے غیر کو بھی معبود بنائے ہوئے ہیں۔ میں نے آقا! میں اب سمجھ گیا۔ فرمایا: اے ہشام! خدا تمہیں فائدے دے اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔ ہشام نے کہا: خدا کی قسم! توحید کے اس مسئلے میں کوئی مجھ پر غالب نہیں آیا اور میں ہر جگہ اپنے مقام پر قائم رہا۔''[1]

''پس جو کوئی بغیر معنی کے صرف اسم کی عبادت کرے گا تو وہ کافر ہے، گویا اس نے کوئی عبادت انجام نہیں دی'' یعنی جو صرف اسم اللہ کی عبادت کرے اور اسے صرف حقیقی معنی کے لئے نشانی نہیں بنایا، جبکہ صحیح یہ ہے کہ لاہوت مطلق جو اپنی ذات سے بے نیاز ہے سے انکار ہو جائے گا، کیونکہ وہ حقیقت میں ایک اسم یا لفظ مشتق کی عبادت کرتا ہے جو الٰہ سے مشتق ہے، یعنی وہ ایک ایسے اسم کی عبادت کرتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی پر بھی منطبق ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کے مخلوق تو اپنے نقص دور کرنے کے لئے اس کی عبادت کرتے ہیں، لہٰذا پھر بغیر کسی قید کے یہ اسم عام کے مصداق بن جائیں گے۔ جیسا کہ ربوبیت کے مسئلہ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ جو کوئی اسم رب کی عبادت کرے گا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس کے ایسے مخلوق بھی ہیں جو اس دنیا میں یا کسی اور عالم میں دوسروں کو فیض پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بعید نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ بادشاہ اور عزیز بلکہ باپ کو بھی وہ لوگ ارباب کہتے ہیں، لیکن قرآن کے مطابق ان کے صرف نام رکھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مسئلہ یہاں ہے جیسا کہ امام صادق (ع) کی حدیث میں بیان ہوا: ''اور الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ کوئی عبادت کرنے والا بھی ہو، اور اسم با مسمیٰ غیر ہوتا ہے، پس جس نے معنی کو چھوڑ کر اسم کی عبادت کی، اس نے کفر کیا اور کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی''۔

مگر'' جس نے اسم اور معنی دونوں کی عبادت کی، اس نے شرک کیا، اور دو کی عبادت کی'' یعنی جو اسم کو معنی کے لئے مظہر قرار دے، جبکہ در حقیقت اسم خود مشتق اور عام ہے اور اس میں کوئی اشارہ بھی نہیں ہے کہ اس کا معنی حقیقت مطلوب تک پہنچ بھی

---

[1]۔ اصول کافی: ج1، ص87، ح2۔

جائے گا تاکہ انسان کے لئے بطور انسان عبادت ثابت ہو جائے جس کے حقیقت عبادت اور اس کی معرفت کی قابلیت ودیعت کر دی گئی ہے۔

'' جو اسم کو چھوڑ کر معنی کی عبادت کرے، تو پھر یہ توحید ہے'' کیونکہ یہ معنی یا لاہوت مطلق یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی معرفت حقیقت ''ھو'' کا باعث ہے، پس اسم مجرد ایسے معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حقیقت تک لے جاتا ہے، لہٰذا ہمیشہ اسم کی طرف توجہ رکھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو کوئی توحید کا ارادہ کرے گا تو ضروری ہے کہ پورے طور سے اسم کی طرف توجہ ہی چھوڑ دے اور صرف ایسے معنی کی طرف توجہ کرے جو حقیقت تک پہنچا دے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جو کوئی اسم کے بغیر صرف معنی کی عبادت کرے گا تو یہی توحید ہو گی۔ چونکہ پہلے یہ تھا کہ اسم عام معنی کی اشارہ کر رہا تھا جس کے اندر ہر وہ شامل ہو رہا تھا جس کی عبادت دوسروں کے نقص دور ہونے کے لئے ہو رہی تھی، تو اس صورت میں یہ کفر اور شرک تھا، کیونکہ اس سے پھر مختلف مراتب کے حساب سے کثرت معنی کا ظہور لازم آتا تھا۔ لاہوت مطلق وہ ہوتا ہے جس کی اس کا غیر عبادت کرے، اس صورت میں بعض مخلوق بھی شامل ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی بھی عبادت ان کے غیر کرتے ہیں، لہٰذا یہ لاہوت ہو گئے، لیکن یہ پھر لاہوت مطلق نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں، لہٰذا شرک وکفر سے بچنے کے لئے یہ لازم ہے کہ اسم کے اشارے سے مطلوبہ معنی کو محدود کرے، پھر اسم کے بغیر معنی پر توجہ دے، کیونکہ توحید وہی ہے کہ جو '' اسم کے بغیر معنی کی عبادت کی جائے تو یہی توحید ہے''۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو ہر ایک ایسے امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کا بیان عنقریب ہو گا، وہ یہ خدائے سبحانہ دراصل ہمارے لئے لاہوت کے ذریعے ظاہر اور تجلی ہوتی ہے، کیونکہ حقیقت کو جاننے کے لئے ہماری حالت، حقیقت اور ہویت دراصل محتاج ہے، جبکہ لاہوت اس اعتبار سے غنی مطلق ہے، لہٰذا اس ذات کے کمال وغنی سے فیض لینے کے لئے ہم اس حقیقت کو جانیں کہ یہ نہایت ہی مناسب ہے جو امام (ع) نے فرمایا: '' ''اے ہشام اللہ مشتق الٰہ (معبود) سے اور الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ کوئی عبادت کرنے والا بھی ہو''۔

لہٰذا الوہیت بمعنی عام یعنی اس سے مراد وہ کامل ہے جس کی طرف اس کا غیر حصول کمال اور اپنی نقص دور کے لئے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس میں پھر خدائے سبحانہ کے خاص مخلوق شامل ہوتے ہیں جن کے ممکنہ اعلیٰ درجات کے کمال حاصل ہو اور اس نے اپنے مخلوق کو حکم دیا ہے کہ ان کو خاص درجہ تفویض کی گئی ہے:

السلام عليكم يا أهل بيت النبوة وموضع الرسالة ومختلف الملائكة ومهبط الوحي .... وبقية الله ....ونوره ... وإياب الخلق إليكم وحسابهم عليكم ..... وبكم يمسك السماء أن تقع على الأرض إلا بإذنه.

"آپ پر سلام ہو اے خاندان نبوت اے پیغام الٰہی کے آنے کی جگہ اور ملائکہ کے آنے جانے کے مقام وحی نازل ہونے کی جگہ۔ وہ خدا کا سرمایہ اور اس کا نور ہیں۔ لوگوں کی واپسی آپ (ع) کی طرف اور ان کا حساب آپ کو لینا ہے۔ آپ کے ذریعے آسمان کو روکے ہوئے ہے تاکہ زمین پر نہ

آ گرے۔"[1]

یہ ذوات مقدسہ محمد وآل محمد (ع) ہیں۔ قوم معصول کے مطابق جیسا کہ رب الارباب، معبودوں کے معبود اور سب سے بڑے معبود نے ان کے بارے میں فرمایا:

قل وأنت ساجد: يا الله يا رحمن [يا رحيم] يا رب الأرباب وإله الآلهة.

" کہہ دیجئے! تو ہی ساجد ہے، اے اللہ، اے رحمن، اے رحیم، اے رب الارباب اور سب معبودوں کا معبود!"[2]

امام صادق (ع) فرماتے ہیں:

قل يا رب الأرباب، ويا ملك الملوك، وياسيد السادات، ويا جبار الجبابرة، ويا إله الآلهة، صل على محمد وآل محمد وافعل بي كذا وكذا.

" کہہ دیجئے ارب الارباب، اے بادشاہوں کے بادشاہ، اے سید سادات، اے عظیم اور اے تمام معبودوں کے اللہ، محمد وآل محمد (ع) پر درود نازل فرما اور میرے تمام حاجات پورا فرما۔"[3]

دعائے قدسی میں ارشاد ہوتا ہے:

بسم الله مخرجي ..... توكلت على الإله الأكبر، توكل مفوض إليه.

میرا نکلنا اللہ کے نام سے ہے۔۔ میں خدائے اکبر پر توکل کرتا ہوں، اسی کی طرف تفویض کرتا ہوں۔[4]

حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

---

[1]۔ مفاتيح الجان: زيارت جامعہ۔
[2]۔ اصول كافى:ج2،ص566، مستدرک الوسائل،میرزا نوری،ج2،ص87،ح1492۔

[3]۔ اصول كافى،ج2،ص323۔
[4]۔ اقبال الاعمال: سيد ابن الطاؤس الحسينى، ج2،ص158۔

يا محمد من أراد الخروج من أهله لحاجة في سفر فأحب أن أوديه سالماً مع قضائي له الحاجة فليقل حين يخرج: بسم الله مخرجي وبإذنه خرجت وقد علم قبل أن أخرج خروجي وقد أحصى بعلمه ... توكلت على الإله الأكبر الله.

" اے محمد! جو کوئی کسی حاجت کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے، اور اگر چاہتا ہے کہ میں اسے اپنی حاجت پوری کر کے واپس لوٹانا دوں تو نکلتے وقت یہ کہے: اللہ کے نام سے میرا نکلنا ہے، اور اس کی اجازت سے نکلا ہوں، وہ میرے نکلنے سے پہلے جانتا ہے اور اس کا علم اور وہ اپنے علم سے روکتا ہے، میں خدائے اکبر اللہ پر توکل کرتا ہوں۔[1]

یہاں پر ہر گز باطل الٰہہ مقصود نہیں ہے جن کے اندر کمال ہے یا وہ جو باطل مخلوق اپنے اللہ کہلواتا ہے، بلکہ یہاں پر وہ مقصود ہیں جو صفت لاہوتی سے متصف ہوں یعنی وہ ایسے کمال عالی کے درجے پر فائز ہیں جن کی طرف مخلوق اپنے نقص دور کرنے کرنے لئے رجوع کرتے ہیں، کیونکہ وہ صورتِ خداوندی ہے۔ پس الہ الاٰلھۃ اور الا لہ الا کبر یعنی وہ ہستیاں جو صفت لاہوت سے اس طرح متصف ہوں کہ وہ ایسے درجہ کمال پر ہیں جس کی وجہ سے باقی مخلوق طلب کمال کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، لیکن وہ خدائے سبحانہ کے برابر نہیں ہیں، کیونکہ وہ غنی ہے اور وہ سب اس کی طرف محتاج ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ (ص) فرماتے ہیں:

لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل.

" میرا اللہ کے ساتھ وقت بھی گزرا ہے جو نہ کسی مقرب فرشتے کے لئے اور نہ ہی کسی نبی مرسل کو نصیب ہوا ہے"۔[2]

یہاں تک مروی ہے:

لنا مع الله حالات هو فيها نحن ونحن هو ، وهو هو ونحن نحن.

"ہمارا اللہ کے ساتھ ایسے حالات ہیں جن میں ہم اور ہم وہ ہیں اور وہ، وہ ہے اور ہم ہم"۔[3]

اور یہ بات خود قرآن میں موجود ہے۔ جیسا کہ تفسیر قمی میں اس آیت کے ذیل میں ظہورِ قائم (ع) کے بارے میں وارد ہوا ہے:

﴿وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ﴾.

اور ان میں سے جو کوئی یہ کہدے کہ اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیتے ہیں۔[4]

اسی طرح معصوم (ع):

---

[1]۔ الجواہر السنیۃ: الحر العاملی، ص181۔
[2]۔ بحار الانوار: ج18، ص36۔
[3]۔ الکلمات المکنونۃ: فیض الکاشانی: ص114۔
[4]۔ الانبیاء: 29۔

من زعم أنه إمام وليس هو بإمام۔

''جو کوئی یہ خیال کرے گا کہ وہ امام ہے تو وہ امام نہیں ہے''۔[1]

محمد ابن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق (ع) سے سوال کیا کہ خدا نے جناب آدم (ع) کو اپنی صورت پر کیسے خلق کیا؟ امام (ع) نے فرمایا:

هي: صورة، محدثة، مخلوقة واصطفاها الله واختارها على سائر الصور المختلفة، فأضافها إلى نفسه كما أضاف الكعبة إلى نفسه والروح إلى نفسه۔

''یہ صورت ایسا مخلوق ہے جسے اللہ نے برگزیدہ بنایا ہے اور اسے تمام مختلف صورتوں سے برتر بنایا ہے، پھر اسے اپنی طرف اس طرح نسبت دی ہے جس جس طرح خانہ کعبہ کو اپنی طرف نسبت دی ہے، اور روح کو اپنی نسبت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾۔

اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دی۔[2]

اور جس صورت سے اللہ نے آدم (ع) کو خلق کیا ہے وہ محمد (ص) ہیں کیونکہ وہ پہلا مخلوق، پہلی تجلی اور پہلا ظہور اور اللہ کا حقیقی خلیفہ ہیں''۔[3]

اور وہ صورتِ خدا کا مطلب یہ ہے کہ وہ مخلوق میں ظہور اور تجلی لاہوت ہے، کیونکہ محمد (ص) ہی مخلوق میں صورت لاہوت مطلق ہیں، پس جو کوئی مخلوق میں لاہوت مطلق یا مخلوق میں اللہ کی معرفت کا ارادہ کرے تو وہ محمد (ص) ہیں۔ جیسا کہ خدا ان آیات میں کارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾.

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے اور کافر یقینا فلاح نہیں پا سکتے۔[4]

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾.

---

[1]۔ تفسیر قمی: ج2، ص68۔

[2]۔ الحجر: 29۔

[3]۔ کتاب ختم نبوت۔

[4]۔ المومنون: 117۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[1]

اور جو بادلوں کے سائے میں آئے گا وہ محمد (ص) مخلوق میں اللہ ہو گا، رجعت میں اور اس کے ہاتھ میں ایک نور نیزہ ہو گا، پھر وہ ابلیس لعین کو قتل کرے گا، کیونکہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ تو آنے جانے یا حرکت کرنے سے مبرا ہے، اور یہ مخلوق کی صفات ہیں۔ عبدالکریم ابن عمرا لخثعمی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:

إن إبليس قال: أَنْظِرْنِي إِلى يَوْمِ يُبْعَثُونَ، فأبى الله ذلك عليه، قالَ: فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ إِلى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ.

جب ابلیس نے کہا: میرے رب! پھر مجھے لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن (قیامت) تک مہلت دے دے۔ فرمایا: بے شک تجھے مہلت دی گئی۔ معین وقت کے دن تک۔[2]

فإذا كان يوم الوقت المعلوم ظهر إبليس لعنه الله في جميع أشياعه منذ خلق الله آدم إلى يوم الوقت المعلوم، وهي آخر كرة يكرها أمير المؤمنين (ع).
فقلت: وإنها لكرات ؟ قال: نعم إنها لكرات وكرات، ما من إمام في قرن إلا ويكر معه البر والفاجر في دهره حتى يديل الله المؤمن من الكافر، فإذا كان يوم الوقت المعلوم كر أمير المؤمنين (ع) في أصحابه و جاء إبليس في أصحابه، ويكون ميقاتهم في أرض من أراضي الفرات يقال له الروحا قريب من كوفتكم، فيقتتلون قتالاً لم يقتتل مثله منذ خلق الله عز وجل العالمين، فكأني أنظر إلى أصحاب علي أمير المؤمنين (ع) قد رجعوا إلى خلفهم القهقرى مائة قدم، وكأني أنظر إليهم وقد وقعت بعض أرجلهم في الفرات، فعند ذلك يهبط الجبار عز وجل ﴿فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمامِ وَالْمَلائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ رسول الله (ص) بيده حربة من نور، فإذا نظر إليه إبليس رجع القهقرى ناكصاً على عقبيه، فيقولون له أصحابه: أين تريد وقد ظفرت؟ فيقول: إِنِّي أَرى ما لا تَرَوْنَ إِنِّي أَخافُ اللَّهَ رَبَّ الْعالَمِينَ، فيلحقه النبي (ص) فيطعنه طعنة بين كتفيه فيكون هلاكه وهلاك جميع أشياعه، فعند ذلك يعبد الله عز وجل ولا يشرك به شيئاً، ويملك أمير المؤمنين (ع) أربعاً وأربعين ألف سنة حتى يلد الرجل من شيعة علي (ع) ألف ولد من صلبه ذكراً، وعند ذلك تظهر الجنتان المدهامتان عند مسجد الكوفة وما حوله بما شاء الله.

پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو شیطان اپنے خلقت آدم (ع) سے لے کر قیامت تک کے تمام پیرکاروں کے ساتھ ظاہر ہو گا، اور یہ وہ آخری جنگ ہو گی جس کو امیر المومنین (ع) انجام دیں گے۔ میں کہا: کیا اور بھی جنگیں ہوں گی؟، فرمایا جی، ہاں!

---

[1]. البقرة:210.
[2]. الحجر:38-36.

جنگوں پر جنگیں ہوں گی، کیونکہ ہر صدی میں ہر امام جنگ کریں گے کیونکہ ہر زمانے میں اچھائی اور برائی ساتھ ہوں گی، یہاں تک کہ اللہ کافر سے مومن بنادے گا، لہٰذا جب روز قیامت امیر المومنین (ع) اپنے اصحاب کے ساتھ حملہ کریں گے اور ادھر شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے گا اور یہ دونوں سرزمین فرات میں کوفہ کے قریب روحانامی ایک مقام پر ملیں گے، پھر وہاں پر ایسی جنگ ہو گی جو دنیا کی خلقت سے اب تک نہیں ہوئی ہے، چنانچہ میں گویا میں امیر المومنین (ع) کے اصحاب کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ سو قدم پیچھے کی طرف واپس آئیں گے، اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں بعض کے قدم فرات میں گر جائیں گے، اتنے خدا کی طرف سے وحی ہو گی: ادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے۔ اتنے میں رسول اللہ (ص) کے ہاتھ میں ایک نور کا نیزہ ہو گا، پھر جب شیطان کی نظر اس پر پڑے گی تو وہ واپس الٹے پاؤں بھاگ جائے گا، پھر اس کے ساتھی اس سے کہیں گے: کہاں جارہے ہو، کیا تم کامیاب ہوئے ہو؟، پھر وہ کہے گا: میں ایسی چیز کو دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں پاؤ گے، میں کائنات کے پروردگار سے ڈرتا ہوں، پھر رسول اللہ (ص) اس کے پاس جا کر اسے دونوں شانوں پر ایک وار کریں گے جس وہ اور اس کے تمام ساتھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ کی ایسی عبادت ہو گی جہاں ذرہ برابر بھی شرک نہیں ہو گا، اور امیر المومنین (ع) چوالیس سال تک حکومت کریں گے یہاں تک علی (ع) کے ایک پیروکار آدمی کو ایک ہزار بیٹے پیدا ہوں گے، اس کے بعد مسجد کوفہ کے پاس دو باہم باغات ظاہر ہوں گے جبکہ اس کے اطراف میں جتنا خدا چاہے بنادے گا۔[1]

نی یہ روایت وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ محمد (ص) کا نزول اور آنا در اصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا آنا ہے۔ لہٰذا اللہ کے اس قول کا مراد یہ ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[2]

یعنی کیا یہ لوگ ہیں کہ محمد (ص) بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئیں؟ چنانچہ یہ آیت محمد وآل محمد (ع) کی شان میں نازل ہوئی ہے، جن میں امیر المومنین (ع) اور امام زمان (ع) ہیں۔

---

[1] مختصر بصائر الدرجات: ص27۔

[2] البقرة: 210۔

چنانچہ عبدالواحد بن علی سے روایت ہے کہ امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں:

أنا أؤدي من النبيين إلى الوصيين، ومن الوصيين إلى النبيين، وما بعث الله نبياً إلا وأنا أقضي دينه وأنجز عداته، ولقد اصطفاني ربي بالعلم والظفر، ولقد وفدت إلى ربي اثنتي عشرة وفادة فعرّفني نفسه، وأعطاني مفاتيح الغيب –

''میں انبیاء سے اوصیاء اور اوصیاء سے انبیاء کی طرف ادائیگی کرتا ہوں اور اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے مگر میں اس کا قرض ادا کرتا ہوں اور اس کا وعدہ پورا کرتا ہوں، کیونکہ مجھے میرے پروردگار نے علم و کامرانی سے برگزیدہ کیا ہے اور میں اللہ کے پاس بارہ مرتبہ چکا ہوں جہاں اس نے مجھے اپنی ذات معرفت اور غیب کی کنجیاں عطا کی ہیں۔

ثم قال: يا قنبر من على الباب (بالباب) ؟ قال: ميثم التمار - ما تقول أن أحدثك فإن أخذته كنت مؤمناً وإن تركته كنت كافراً، (ثم) قال: أنا الفاروق الذي أفرق بين الحق والباطل، أنا أدخل أوليائي الجنة و أعدائي النار، أنا قال الله:

پھر کہا: اے قمبر! دیکھو دروازے پر کون ہے؟۔ قمبر نے کہا: میثم تمار ہیں۔ فرمایا: میں تمہیں ایک بات بتادوں گا جسے تم لوگے تو تم مومن ہوگا اور اسے چھوڑ گے تو کافر ہوگا۔ پھر فرمایا: سنو! میں وہ فاروق ہوں جس سے میں حق و باطل کو جدا کرتا ہوں، میں اپنے دوستوں کو جنت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں ڈال دیتا ہوں۔ چنانچہ اللہ نے میری شان میں فرمایا ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمامِ وَالْمَلائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[1]

اور قائم آل محمد (ع) بھی بادلوں کے سائبان میں سے آئے گا، یعنی عذاب پہلے مہدی کے ساتھ ہوگا پھر زمین کو بادلوں اور دھواں سے بھر دے گا:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاء بِدُخَانٍ مُّبِينٍ * يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ * رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ * أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ * ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ * إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلاً إِنَّكُمْ عَائِدُونَ * يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾۔

[1]- البقرة:210۔

پس آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان نمایاں دھواں لے کر آئے گا، جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ عذاب دردناک ہو گا۔ (وہ فریاد کریں گے) ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب ٹال دے، ہم ایمان لاتے ہیں۔ ان کے لیے نصیحت کہاں سود مند ہے جب کہ ان کے پاس واضح بیان کرنے والا رسول آیا تھا؟ پھر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور کہا: یہ تو تربیت یافتہ دیوانہ ہے۔ ہم تھوڑا سا عذاب ہٹا دیتے ہیں، تم یقیناً وہی کچھ کرو گے جو پہلے کیا کرتے تھے۔ جس دن ہم بڑی کاری ضرب لگائیں گے ہم (اس دن) انتقام لینے والے ہیں۔[1]

جابر سے روایت ہے کہ امام کاظم (ع) نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمامِ وَ الْمَلائِكَةُ وَ قُضِيَ الْأَمْرُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[2]

ينزل في سبع قباب من نور لا يعلم في أيها، هو حين ينزل في ظهر الكوفة فهذا حين ينزل۔

''فرمایا: وہ نور کے سات قلابے میں نازل ہو گا، معلوم نہیں ہو گا کہ وہ کس قلابے میں ہے، وہ ظہر کوفہ سے نازل ہو گا، پھر جب وہ نازل ہو گا۔''[3]

امام (ع) نے آگے فرمایا:

إنه نازل في قباب من نور حين ينزل بظهر الكوفة على الفاروق فهذا حين ينزل وأما ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ فهو الوسم على الخرطوم يوم يوسم الكافر۔

''اس میں کوئی شک نہیں وہ نور کے قلابے میں نازل ہو گا، اور ظہر کوفہ سے نازل فاروق پر ہو گا، پھر یہ نازل ہو گا، لیکن قضی الامر سے مراد وہ اس دن ہاتھی کے سونڈ کا نشان سے کافر کو ختم کرے گا۔''[4]

اتھی کے سونڈ کا نشان سے مراد امام زمان (ع) کا کارنامے یا دابۃ الارض ہے:

---

[1]۔ الدخان:16-10۔
[2]۔ البقرۃ:210۔
[3]۔ تفسیر العیاشی:ج1،ص103۔
[4]۔تفسیر العیاشی:ج1،ص103۔

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾۔

اور جب ان پر وعدہ (عذاب) پورا ہونے والا ہو گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک چلنے پھرنے والا نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ در حقیقت لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔[1]

بادل، سحاب، دھواں اس اعتبار سے محمد رسول اللہ (ص) کی نشانی ہے اور اسی اعتبار سے پھر مہدی اول اور قائم آل محمد (ع) یا منجی عالم کی بھی نشانی ہے۔ اس کی نہ صرف قرآن میں، بلکہ سابقہ ادیان میں بھی سابقہ انبیاء نے بشارت دی ہیں۔ تورات اور انجیل میں اس حوالے سے کافی دلائل ہیں۔[2]

اور اللہ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾۔

وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر ہونے والوں کو پہلی ہی بید خلی مہم میں ان کے گھروں سے نکال دیا، تمہارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جانب سے آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، پس اے بصیرت رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔[3]

چنانچہ آیت کہتی ہے:

﴿وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا﴾۔

اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جانب سے آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔[4]

---

[1]۔ النمل:82۔
[2] تفصیلات کے لئے ضمیمہ4 پر ملاحظہ کریں۔
[3]۔ الحشر:02۔
[4]۔ الحشر:02۔

جبکہ وہ سب واقع خارجی میں یہ خیال کرتے تھے کہ ان کے قلعے محمد (ص) کو سے بچالیں گے، کیونکہ وہ ظاہری طور سے اللہ پر ایمان رکھتے تھے، اس اعتبار سے آسمانی اہل والے اور اللہ کے کسی نبی یعنی جناب موسیٰ (ع) کے پیروکار تھے، جس کو ان پر غلبہ حاصل ہوا تھا اور ان کے قلعوں کو تباہ کیا تھا اور وہ ان کے پاس وہاں کے سے آئے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے جو محمد (ص) ہیں، بلکہ ظاہر طور سے انہوں نے ہی ان کے دلوں کے خوف اس وقت ڈال دیا جب ان کے قلعوں کے دروزے اکھاڑ پھینکے اور ان کے بہادروں کو قتل کیے، بلکہ سب جانتے ہیں ان کو بلاواسطہ انجام دینے والے امیر المومنین (ع) تھے، اور یہ بات تمام مسلمان جانتے ہیں کہ علی (ع) نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا اور یہودی پہلوان کو مرحب کو قتل کیا۔ جیسا کہ اللہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَّقَدْ سَمِعَ اللّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاء سَنَكْتُبُ مَا قَالُواْ وَقَتْلَهُمُ الأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُواْ عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾.

بتحقیق اللہ نے ان لوگوں کی سن لی ہے جو کہتے ہیں: بے شک اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں، ان کی یہ بات اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی ہم ثبت کریں گے اور (روز قیامت) ہم ان سے کہیں گے: لو اب جلانے والے عذاب کا ذائقہ چکھو۔[1]

اس آیت کے مطابق یہ وہ اہل کتاب ہیں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں، تو پھر کوئی یہ کیسے تصور کر سکتا ہے کہ وہ اللہ کے بارے نہ صرف یہ خیال رکھتے ہیں، بلکہ اپنی زبانوں پر کہتے ہیں کہ وہ محتاج ہے۔ انہوں نے یہ باتیں نہ صرف خدا کے بارے بتائے کہ وہ محتاج ہے، بلکہ وہ کہتے تھے کہ انبیاء اور رسل سارے فقراء ہیں، وہ محتاج ہیں۔ چنانچہ ہر زمانے میں علمائے غیر عامل اور ان کے پیروکار اپنی زبانوں اور کارناموں سے انبیاء اور اوصیاء کے بارے میں کہتے رہتے ہیں کہ اگر یہ سارے اللہ کے ساتھ ہوتے تو اللہ ان کو غنی بناتا، اور جب انہیں اپنے عقیدے کی دفاع کرنے کی خاطر اپنے انصار کے لئے اموال و ہتھیار کی ضرورت ہو جاتی، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ علمائے غیر عامل کے لئے مال او عوان کی کثرت ان کے حق پر ہونے کی دلیل اور تائید ہے۔ لہٰذا خدا ان کی باتوں کو اس طرح فرمایا ہے:

﴿لَّقَدْ سَمِعَ اللّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاء﴾۔

بتحقیق اللہ نے ان لوگوں کی سن لی ہے جو کہتے ہیں: بے شک اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں۔

---

[1]۔ آل عمران :181۔

پس اللہ کے نبیوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ فقراء اور خود فقیر ہے۔ان لوگوں کے رسول اللہ (ص) کے زمانے میں یہ کہا تھا کہ کہ محمد (ص) فقیر ہیں:

﴿وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيراً * أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا﴾.

اور وہ کہتے ہیں: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟تاکہ اس کے ساتھ تنبیہ کردیا کرے۔یا اس کے لیے کوئی خزانہ نازل کردیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھالیا کرتا۔[1]

اس وقت اللہ نے ان کے قول کو نقل کیا کہ اللہ فقیر ہے۔یعنی ان کا قول کہ محمد (ص) فقیر ہیں وہی ہے کہ اللہ فقیر ہے ،کیونکہ محمد اللہ سبحانہ کا چہرہ ہے اور مخلوق کے اندر معبود ہے۔امام باقر (ع) اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَ نَحْنُ أَغْنِياءُ﴾، قال (ع):هم يزعمون أن الإمام يحتاج منهم إلى ما يحملون إليه۔

"بتحقیق اللہ نے ان لوگوں کی سن لی ہے جو کہتے ہیں: بے شک اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں۔امام (ع) فرماتے ہیں: وہ سب یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ان کے اموال کے محتاج ہیں"۔[2]

اور امام صاق (ع) اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِياءُ﴾ قال: والله ما رأوا الله تعالى فيعلموا أنه فقير ولكنهم رأوا أولياء الله فقراء۔

"بتحقیق اللہ نے ان لوگوں کی سن لی ہے جو کہتے ہیں: بے شک اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں۔امام (ع) فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم!انہوں نے اللہ کو دیکھے بغیر کہا ہے کہ وہ فقیر ہے، جبکہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو فقیر دیکھا ہے"۔[3]

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا﴾۔

---

[1]۔ الفرقان:8-7۔

[2]۔ المناقب:ج4،ص48۔

[3]۔تفسیر قمی:ج1،ص127۔

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا۔[1]

یہ سجدہ جس طرح سے جناب آدم (ع) کے لئے تھا اسی طرح محمد، علی، زھراء اور ائمہ اطہار (ع) کے لئے بھی تھا، کیونکہ یہ بھی اس کا مقصود تھے اس اعتبار سے یہ خدا سبحانہ و تعالیٰ کا قبلہ تھے، اللہ نے آدم (ع) کو انہی کی تو معرفت دی تھی اور یہ اللہ کا چہرہ اور اس کے اسمائے الحسنیٰ ہیں، پس یہ مخلوق کے اندر معبود ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں اسود بن سعید سے مروی ہے: میں امام کاظم (ع) کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ (ع) نے بغیر سوال کے فرمایا:

نحن حجة الله ونحن باب الله ونحن لسان الله ونحن وجه الله ونحن عين الله في خلقه ونحن ولاة أمر الله في عباده۔

ہم اللہ کی حجت ہیں، ہم اللہ کے دروازے ہیں، ہم اللہ کی زبان ہیں، ہم اللہ کا چہرہ ہیں، ہم اللہ کے مخلوق کے اندر اس کی آنکھ ہیں، اور اس کے بندوں میں اس کے حکم کے والی ہیں۔[2]

اسی طرح حارث بن مغیرہ النصری سے روایت ہے: ایک دفعہ کسی امام صادق (ع) سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾۔

ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔[3]

تو امام (ع) نے فرمایا:

ما يقولون فيه ؟ قلت: يقولون يهلك كل شئ إلا وجه الله، فقال: سبحان الله لقد قالوا قولاً عظيماً، إنما عني بذلك وجه الله الذي يؤتى منه۔

''اس کے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے اللہ کی ذات کے۔ فرمایا: سبحان اللہ حقیقت میں انہوں نے ایک بات کہی، بس ذات خدا سے مراد جہاں سے وہ لایا جاتا ہے۔[4]

امام کاظم (ع) فرماتے ہیں:

---

1. البقرة:34۔
2. بصائر الدرجات:ص81۔
3. القصص:88۔
4. اصول کافی:ج1،ص143،ح1،باب النوادر۔

نحن المثاني الذي أعطاه الله نبينا محمداً (ص)، ونحن وجه الله نتقلب في الأرض بين أظهركم، ونحن عين الله في خلقه ويده المبسوطة بالرحمة على عباده، عرفنا من عرفنا وجهلنا من جهلنا.

ہم ہی وہ مثانی ہیں جسے اللہ نے ہمارے محمد (ص) کو عطا کیا ہے، ہم ہی اللہ کا چہرہ ہیں جو زمین تمہارے درمیان گھومتے رہتے ہیں، ہم ہی مخلوق کے اندر اللہ کی آنکھ ہیں اور اس کے بندوں پر رحمت سے مبسوط اس کا ہاتھ ہیں، لہٰذا جو ہمیں سمجھے وہ سمجھے اور جو نہ سمجھے وہ نہ سمجھے۔[1]

ابوالصلت ہروی امام رضا(ع) سے روایت کی ہے:

قال النبي (ص): من زارني في حياتي أو بعد موتي فقد زار الله تعالى، ودرجة النبي (ص) في الجنة أرفع الدرجات، فمن زاره في درجته في الجنة من منزله فقد زار الله تبارك وتعالى، قال: فقلت له: يا ابن رسول الله (ص) فما معنى الخبر الذي رووه: إن ثواب لا إله إلا الله النظر إلى وجه الله تعالى ؟ فقال (ع): يا أبا الصلت، من وصف الله تعالى بوجه كالوجوه فقد كفر، ولكن وجه الله تعالى أنبياؤه ورسله وحججه صلوات الله عليهم، هم الذين بهم يتوجه إلى الله عز وجل وإلى دينه ومعرفته.

پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: جو میری زندگی میں یا میری موت کے بعد زیارت کرے گا گویا اس نے اللہ کی زیارت کی۔ اور جنت میں سب سے بڑا درجہ نبی (ص) کا ہوگا، لہٰذا جو کوئی اس درجے میں جنت میں آپ (ص) کے گھر پر زیارت کرے گا، گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت کی۔ پھر میں کہا: فرزند اللہ رسول اللہ! تو پھر اس خبر کا کیا مطلب ہے جس کی یہ لوگ روایت کرتے ہیں؛ یقیناً لا الہ الا اللہ کا ثواب اللہ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے؟ امام (ع) نے فرمایا: اے ابا الصلت! جو کوئی اللہ تعالیٰ کو عام چہروں سے متصف کرے گا تو وہ کافر ہے، کیونکہ اللہ کے چہرے سے مراد اس کے انبیاء، رسل اور اس کی حجتیں (ع) ہیں، یہ وہ ہیں جن کے واسطے سے اللہ اور اس کے دین و معرفت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اسی لئے اللہ خود فرماتا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ * وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾۔

روئے زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف آپ کے صاحب عزت و جلال رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

---

[1]۔ اصول کافی: ج1، ص143، ح3، باب النوادر۔

[2]۔ الرحمن: 27-26۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾۔

ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔[1]

امام صادق(ع) نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْماءُ الْحُسْنى فَادْعُوهُ بِها﴾۔

اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں بس اس کو ان ناموں سے پکارو۔[2]

امام(ع) نے فرمایا:

نَحْنُ وَاللَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى الَّتِي لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنَ الْعِبَادِ عَمَلًا إِلَّا بِمَعْرِفَتِنَا۔

خدا کی قسم! ہم اسمائے حسنیٰ ہیں۔ خدا اپنے بندوں سے ہماری معرفت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔[3]

امام رضا(ع) فرماتے ہیں:

إِذَا نَزَلَتْ بِكُمْ شَدِيدَةٌ فَاسْتَعِينُوا بِنَا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ:

جب بھی تمہارے اوپر کوئی سختی آجائے تو ہمارے ذریعے اللہ سے مدد مانگو، کیونکہ وہ خود فرماتا ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْماءُ الْحُسْنى فَادْعُوهُ بِها﴾۔

اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں بس اس کو ان ناموں سے پکارو۔[4]

امام رضا(ع) فرماتے ہیں:

إِذَا نَزَلَتْ بِكُمْ شَدِيدَةٌ فَاسْتَعِينُوا بِنَا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ:

جب بھی تمہارے اوپر کوئی سختی آجائے تو ہمارے ذریعے اللہ سے مدد مانگو، کیونکہ وہ خود فرماتا ہے:

1۔ القصص:88۔عیون اخبار الرضا، ج1، ص106۔
2۔ الاعراف:180۔
3۔ اصول کافی:ج1، ص143، ح4، باب النوادر۔

4۔ مستدرک الوسائل، ج5، ص228، ح5758۔

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْماءُ الْحُسْنى فَادْعُوهُ بِها﴾۔

اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں بس اس کو ان ناموں سے پکارو۔

امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:

نَحْنُ وَاللَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى الَّذِي لَا يُقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِمَعْرِفَتِنَا قَالَ فَادْعُوهُ بِها۔

خدا کی قسم! ہم اسمائے حسنیٰ ہیں۔ خدا اپنے بندوں سے ہماری معرفت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔[1]

یہ ہے مخلوق میں صفتِ الوہیت سے متصف ہونا، یعنی یہ ہستیاں اللہ کے بندے ہیں اور اس کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہیں:

﴿تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِي﴾.

تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے ہو۔[2]

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ * لا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾.

اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ پاک ہے (ایسی باتوں سے) بلکہ یہ تو اللہ کے محترم بندے ہیں۔ وہ تو اللہ (کے حکم) سے پہلے بات (بھی) نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔[3]

یہ ہستیاں خدا کے ایسے بندے ہیں جو کمال کے بلند درجے پر اس طرح فائز ہیں کہ وہ اللہ کی حقیقی خلافت کے عہدے پر ہیں، پھر جب اس زمین پر ان کی بعثت اور خلافت ہو گئی تو وہ اللہ کی مدد، طاقت اور حکم سے مقام خداوندی کو حاصل کرتے ہیں، پس وہی اللہ کے حکم اور تعلیم کے مطابق اس دنیا کی تدبیر کرتے ہیں، پس یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اور ان کے دل مشیئت الٰہی کا ظرف ہے، چنانچہ اللہ نے انہیں مبعوث کرنے کے بعد ان میں سے محمد (ص) کو خاتم الانبیاء کے طور پر بھیجا ۔ لیکن بعثت کے ارسال مخلوق کے اعتبار سے ہے، کیونکہ وہ اللہ کی صورت تامہ، اسمائے حسنیٰ، وجہ اللہ، اس کے کلمہ تامہ ہے۔ جیسا کہ دعائے سمات میں آیا ہے:

---

[1]۔ مستدرک الوسائل ، ج5،ص230،ح5760۔

[2]۔ المائدۃ:110۔

[3]۔ الانبیاء:27-26۔

وبكلمتك التي خلقت بها السماوات والارض وبشأن الكلمة التامة وأسألك بكلمتك التي غلبت كل شيء.

تیرے ان کلمات کے واسطے سے سوالی ہوں جن سے تونے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔اور پورا ہونے والے قول کی شان سے،اور سوال کرتا ہوں تیرے ان کلمات کے واسطے سے جو ہر چیز پر غالب ہیں۔[1]

یہ وہ ہستی ہے جو مکہ میں فاران یعنی مکہ میں ظاہر ہوئی۔جیسا کہ دعائے سمات کے یہ جملے ہیں:

وبطلعتك في ساعير وظهورك في جبل فاران.

تیری نورانیت کے ذریعے ساعیر (مقام مناجات جناب عیسیٰ) میں اور تیرے نور کے ظہور کے ذریعے کوہ فاران میں۔[2]

جیسا کہ جناب عیسیٰ(ع) ساعیر میں اللہ کا نور تھا۔یہاں پر نور سے جزئی ظہور مراد ہے، کیونکہ عیسیٰ(ع) ابھی محمد(ص) کے لئے زمینہ سازی کرنے والے تھے۔لہٰذا محمد(ص) کو ائمہ اطہار(ع) کے ارسال کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کا موسیٰ(ع) کے لئے ارسال کرنا ہے۔اسی محمد(ص) خدا کی جانب سے خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔چنانچہ آپ(ص) سابقہ انبیاء کے کے لئے خاتم جبکہ آنے والوں کے لئے فاتح ہیں،اور یہی ختم نبوت کی راز ہے جس کے بارے میں علمائے مسلمین نہیں سمجھتے،ورنہ ختم ارسال و نبوت کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اس کی حاجت ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے جو بعثت رسول(ص) کے بعد بھی وہی حالت ہے، بلکہ فساد، ظلم، گمراہی اور جاہلیت میں اور اضافہ ہو گیا ہے، لہٰذ قیام امام مہدی(ع) اللہ کے برے مخلوق میں ہو گا، جیسا کہ نبی اکرم(ص) یہ خبر دے گئے ہیں کہ آپ(ص) کے بعد حالت بہت بگڑے گی، لہٰذا اس امت کے اندر بارہ ائمہ(ع) کو اللہ کے سابقہ انبیاء و مرسلین کے مقام حاصل ہوں گے۔لیکن ان کے بھیجنے والے و محمد(ص) ہیں:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لا يُظْلَمُونَ﴾۔

ہر امت کے لئے ایک رسول (بھیجا گیا) ہے، پھر جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔[3]

جابر بن نے امام کاظم(ع) سے روایت کی ہے: میں نے امام(ع) سے اس آیت:

---

[1] مفاتیح الجنان: دعائے سمات۔
[2] ۔ دمفاتیح الجنان: عائے سمات۔

[3] ۔ یونس:47۔

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذا جاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لا يُظْلَمُونَ﴾۔

ہر امت کے لئے ایک رسول (بھیجا گیا) ہے، پھر جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ کے بارے میں پوچھا تو امام (ع) نے فرمایا:

تفسيرها بالباطن، أن لكل قرن من هذه الأمة رسولاً من آل محمد يخرج إلى القرن الذي هو إليهم رسول، وهم الأولياء وهم الرسل، وأما قوله: ﴿فَإِذا جاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾، قال: معناه إن الرسل يقضون بالقسط وهم لا يظلمون كما قال الله۔

اس کی باطنی تفسیر یہ ہے کہ اس امت کی ہر صدی میں آل محمد (ع) کا ایک رسول ہوگا جو دوسری صدی تک ان کا رسول ہوگا، اور وہ سب اولیاء ہوں گے اور وہ سب رسل ہوں گے۔ لیکن اس قول؛ پھر جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ یہ رسل انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اور اللہ نے فرمایا کہ ان پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔[1]

پس رسول محمد (ص) اور ائمہ (ع) بھی مخلوق کے اندر مقام خداوندی پر ہیں، کیونکہ یہ رسل و مرسلین ہیں، لہٰذا محمد (ص) اللہ کے رسول اور ائمہ (ع) کے لئے مرسل بھی ہیں، اور امام مہدی (ع) مخلوق میں محمد رسول اللہ (ص) کے رسول یا وجہ خداوندی ہے، اور امام مہدی (ع) اپنی اولاد میں سے بارہ مہدیوں کے لئے مرسل ہیں، لہٰذا اس طرح سے وہ بھی مقام محمد (ص) میں ہیں یعنی مخلوق کے اندر معبود یا وجہ خداوندی ہیں۔ لیکن یہاں پر یہ وہم پیش نہ آئے کہ محمد (ص) اور اہل بیت (ع) صفت الوہیت سے متصف ہونا ایسا ہی ہے جو اللہ کی صفت الوہیت ہے، بلکہ یہ امر ان کو مخلوق، محتاج اور اپنے حدود سے نہیں نکالتا ہے، جبکہ اللہ کی الوہیت مطلق ہے اور محمد (ص) اور اہل بیت (ع) کا صفت الوہیت سے متصف ہونا مطلق نہیں، ان کی یہ صفت اللہ کی طرف محتاج ہے، لہٰذا یہ ہستیاں دیگر مخلوق کی نسبت غنی ہیں، لیکن وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فقراء و مساکین ہیں:

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ﴾۔

اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے۔[2]

---

[1]۔ تفسیر العیاشی: ج2، ص123، ح23، مجلسی نے بحار میں روایت کی ہے۔

[2]۔ النور: 35۔

اللہ مخلوق میں:

جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور انہیں اسماء وصفات کی طرف متوجہ کیا جو کمالات الٰہیہ کا شہر یا ذات یا اللہ ہے، یہ اسم مخلوق کی حقیقت کے کے لئے تجلی اور ظہور پر مطلق ہوتا ہے، یہ حقیقت تو نہیں، بلکہ حجاب حقیقت ہے، کیونکہ حقیقت اسم اعظم اعظم اعظم ہی ہوتا ہے اور یہ اسم اعظم آنکھ کی سیاہی کی نسبت سفیدی کی مانند ہے۔ جیسا کہ امام رضا(ع) سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اسم اللہ ہی صفات کمال کا جامع اسم ہے، لہٰذا اس کی طرف توجہ کرنا تمام اسماء وصفات کمال کی طرف کرنا ہے، لیکن اس کے اندر مرتبہ شرک ہے، کیونکہ توحید میں تمام اخلاص اس سے اسماء وصفات کی نفی کرنا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین(ع) فرماتے ہیں:

أول الدين معرفته، وكمال معرفته التصديق به، وكمال التصديق به توحيده، وكمال توحيده الإخلاص له، وكمال الإخلاص له نفي الصفات عنه لشهادة كل صفة أنها غير الموصوف۔

دین کی ابتداء اس کی معرفت سے ہے اور معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے۔ تصدیق کا کمال توحید کا اقرار ہے اور توحید کا کمال اخلاص عقیدہ ہے اور اخلاص کا کمال زائد بر ذات صفات کی نفی ہے کہ صفت کا مفہوم خود ہی گواہ ہے کہ وہ موصوف سے الگ کوئی شے ہے۔[1]

امام کاظم(ع) فرماتے ہیں:

أول الديانة به معرفته، وكمال معرفته توحيده، وكمال توحيده نفي الصفات عنه، بشهادة كل صفة أنها غير الموصوف وشهادة الموصوف أنه غير الصفة۔

دین کی ابتداء اس کی معرفت سے ہے اور معرفت کا کمال اس کی توحید کا قرار ہے۔ اس کی توحید کا کمال اس سے صفات کی نفی ہے، اس گواہی کے ساتھ کہ وہ موصوف سے الگ کوئی شے ہے، اور موصوف کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ صفت سے جداگانہ کوئی ذات ہے۔[2]

امام رضا(ع) فرماتے ہیں:

---

[1]۔ نہج البلاغۃ: ج1، ص39۔
[2]۔ اصول کافی: ج1، ص140۔

أول الديانة معرفته، وكمال المعرفة توحيده، وكمال التوحيد نفي الصفات عنه، لشهادة كل صفة أنها غير الموصوف، وشهادة الموصوف أنه غير الصفة۔

دین کی ابتداءاس کی معرفت سے ہےاور معرفت کا کمال اس کی توحید کا قرار ہے، کمالِ توحید اس سے صفات کی نفی ہے،اس گواہی کے ساتھ کہ وہ موصوف سے الگ کوئی شے ہے،اور موصوف کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ صفت سے جداگانہ کوئی ذات ہے۔[1]

لہٰذا اسم اللہ صفات کمال کا جامع اور ذات کا مشیر ہے، جو ایسا حجاب ہے کہ بندہ کوشش کرتا ہے کہ اسے صفات کمال الٰہیہ کے ذریعے ہٹا کر تجلی کرے، پھر جب یہ پردہ کشف ہو جائے تو انسان کو حقیقت معرفت حاصل ہو گی،اور معرفت حقیقت دراصل معرفت سے عاجز ہونا ہے، لہٰذا ضمیر غائب حقیقت یا اسم اعظم اعظم کی تعبیر کرتا ہے،اور ھو کے اندر ھا اثبات وجود جبکہ واؤ اس کی غیبت کو بیان کرتا ہے جو سبحانہ وتعالیٰ کے لئے غائب گواہ ہے۔ لیکن ایک ایسے مرتبے میں جو ذات الٰہیہ یا اللہ کے علاوہ ہو، یعنی مراتب خلق اور تنزل ہو، کیونکہ مراتب تجلی یا مقامات دس ہیں؛ عرش اعظم کی قناتیں، عرش اعظم، کرسی، پھر عرش اعظم، جس کے اندر سات مراتب یا مقامات ہیں؛ سات آسمانیں اوپر سے نیچے پہلے آسمان یا دنیا تک۔ اللہ کا بہترین مخلوق محمد (ص) ہیں جن کے وجود عرش اعظم کی قناتوں سے آسمانِ دنیا تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر تجلی کے پہلے مراحل یہ ہے؛ پہلا نقطہ (برزخ) یا عرش اعظم کے قنات، پھر دوسرے تجلی کا دوسرا مرحلہ وعائے نون یا عرش اعظم، پھر تیسرا مرحلہ وعائے باء یا کرسی، پھر چوتھا مرحلہ مخلوق کا دوسرا نقطہ ہے، پھر یہ سارے چار مراحل محمد (ص) ہیں جو نون کا نقطہ اور نون ہے،اور وہی باء اور باء کا نقطہ ہے، یا یوں کہیے کہ وہ حق سے خلق تک نازل ہونے والا فیض ہے،اور وہ یعنی محمد (ص) پہلے تین مراحل (قنات، عرش اور کرسی) میں حق اور خلق کے درمیان برزخ ہے، لہٰذا وہی حرکت میں ہوتا ہے، پس ایک گھڑی میں صرف خدائے واحد قہار ہوتا ہے اور ایک گھڑی ذات وشخصیت کی طرف لوٹتا ہے، لیکن مرتبہ عرش عظیم میں وہ خلق میں مستقر اور اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ اور پہلے نقطے کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے جو قرآن ہے،اور یہ وہ حجاب ہے جو محمد (ص) اور اللہ کے درمیان ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے:

كان بينهما حجاب يتلألأ يخفق۔

ان کے دونوں کے وہ حجاب ہے جو چمکتا اور ہلتا رہتا ہے۔

---

[1]۔ توحید الصدوق: ص56۔

اور فتح مکہ کے وقت جیسا کہ روایت ہے:

فنظر في مثل سم الإبرة۔

پھر اس نے میں سوئی کے سراخ کی مانند دیکھا۔[1]

ادھر اللہ کا رشاد ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً﴾۔

(اے رسول) ہم نے آپ کو ایک نمایاں فتح دی۔[2]

پھر یہ حجاب رفع ہوا جو محمد (ص) تھا، پھر قرآن اور محمد ایک ہوا، اور وہ فناء جہاں خدائے قہار کی ذات باقی رہتی ہے اور انسانی ذات کے درمیان حرکت میں ہوتا ہے۔ مذکور بالا مطالب اگر ہم سمجھیں تو ہمیں یہ بات واضح ہو جائے کہ محمد (ص) ہی وہ مرتبہ برزخ ہیں جو خق اور خلق کے درمیان ہے، اسی لئے جناب ابراہیم (ع) نے جب انہیں دیکھا تو شک ہو گیا اور فرشتے یہ سمجھے کہ وہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ ہے، کیونکہ محمد (ص) ذات الٰہیہ کی صورت میں تھے اور خلق کے لئے لاہوت مطلق ظاہر ہو رہے تھے، تاکہ پہچانیں۔ جیسا کہ دعائے سمات کے جملے ہیں:

وبطلعتك في ساعير وظهورك في جبل فاران.

تیری نورانیت کے ذریعے ساعیر (مقام مناجات جناب عیسیٰ) میں اور تیرے نور کے ظہور کے ذریعے کوہ فاران میں۔[3]

اور آپ (ص) نے فرمایا:

الله خلق آدم على صورته۔

اللہ نے آدم (ع) کو اپنی صورت میں خلق کیا ہے۔[4]

اسی طرح آپ (ص) خلق میں اللہ ہیں اور اسی آپ (ص) کے اہل بیت (ع) بھی، مگر ایسے مرتبے میں نہیں جس میں رسول اعظم (ص) ہیں۔ لہٰذا یہ ہستیاں بھی وجہ اللہ اور اسماء اللہ الحسنیٰ ہیں، کیونکہ وہ خلق کے اندر اللہ کا کردار ادا کرتے ہیں جبکہ ان

---

1. اصول کافی: ج1، ص442۔
2. الفتح: 1۔
3. مفاتیح الجنان: دعائے سمات۔
4. اصول کافی: ج1، ص134، توحید الصدوق: ص103۔

میں سے ہر ایک اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور قضائے حاجات اور نقص کو کرنے اور بلوغ کمال میں اسی کا محتاج ہے۔ یہ ہستیاں کمالات الٰہیہ کے بلند درجے پر فائز ہیں، لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے محتاج ہیں، جبکہ اللہ کی الوہیت مطلق، کمال، غنی مطلق، عطاء، فیض غیر مقید ہے، کیونکہ یہ سب اسی کی مشیئت پر منحصر ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ارد ہوا ہے:

﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾۔

پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب بہترین خالق ہے۔[1]

یعنی اور بھی خالق ہے جن میں بہترین خالق اللہ کی ذات ہے۔ اور محمد وآلِ محمد (ع) کے بارے میں وارد ہوا ہے:

يارب الأرباب وإله الآلهة.

اے رب ارباب اور الہ الآلہ۔[2]

اسی طرح یہ بھی آیا ہے:

الإله الأكبر۔

معبود اکبر۔[3]

یہ راز کی دعائیں ہیں جو دعائے حوائج دنیا و آخرت کی اکیسویں دعا ہے جو مستند اور صحیح السند کے ساتھ مصباح المتہجد، مصباح الکفعمی، بحار الانوار اور حر عاملی نے اپنی کتاب جواہر السنیہ میں بیان کیا ہے۔

حدیث قدسی میں اس فضیلت یوں بیان ہوا ہے:

يا محمد، قل للذين يريدون التقرب إلي إعلموا علم اليقين أن هذا الكلام أفضل ما أنتم متقربون به إلي بعد الفرائض۔

---

1. المومنون:14۔
2. اصول کافی: ج2،ص566۔
3. باقیات صالحات:دعائے سفر:ص815۔

اے محمد! مجھ سے تقرب چاہنے والوں سے کہو! علم یقین کے ساتھ یہ جان لو کہ یہ کلام تمہارے لئے مجھ سے قریب ہونے کے لئے فرائض کے بعد بہترین ہے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث قدسی میں الٰہ اکبر کا وارد ہونا اللہ کی جانب سے ہے اور قرآن کریم جیسا ہے جو اس کے نص ہونے پر یقین قاطع کے ساتھ دلالت کرتا ہے جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ الٰہ اکبر کے ساتھ خطاب ہوا ہے اور یہ اس کے صفت لاہوت سے متصف ہونے والے مخلوق پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اکبر تفضیل کی صفت ہے جو زیادہ قلیل ہونے پر دلالت کرتی ہے، ورنہ اس کے ذکر کا کوئی مطلب نہیں ہوگا، لہٰذا أفعل تفضیل یا صفات تفضیل مشارکت اور زیادہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اور عربی قواعد کے مطابق اور اس میں دعاء میں غور کرنے سے یہ چیز واضح بھی ہوتی ہے۔

اللہ اور وجہ اللہ یا اللہ مخلوق میں:

محمد (ص) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہونا صرف اس عالم جسمانی میں نہیں، بلکہ وہ دیگر مخلوق کے خلق ہونے سے پہلے اللہ کا رسول ہیں۔ اور جب رسول بھیجنے والے کا چہرہ اور بھیجنے والے کی صورت ہو۔ جیسا کہ امام باقر (ع) فرماتے ہیں:

نحن المثاني الذي أعطاه الله نبينا محمداً (ص)، ونحن وجه الله نتقلب في الأرض بين أظهركم، ونحن عين الله في خلقه ويده المبسوطة بالرحمة على عباده، عرفنا من عرفنا وجهلنا من جهلنا۔

" ہم ہی مثانی ہیں جسے اللہ نے ہمارے محمد (ص) کو عطا کی ہیں، ہم ہی اللہ کا چہرہ ہے زمین میں تمہارے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں، ہم ہی مخلوق میں عین اللہ ہیں، اور اس کے بندوں پر رحمت کی کھلی ہاتھ ہیں، جس نے ہمیں پہچانا وہ پہچانا، اور جس نے نہیں پہچانا وہ پہچانا۔[2]

ایک اور حدیث میں ہے:

الله خلق آدم على صورته۔

---

[1]۔ جواہر السنیۃ: حر العاملی: ص188، بحار الانوار: ج83، ص279۔
[2]۔ اصول کافی: ج1، ص143۔

اللہ نے آدم (ع) کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے۔[1]

اور جب رسول کا حکم اس کے بھیجنے والے کا حکم ہو۔ جیسا کہ امام مہدی (ع) فرماتے ہیں:

قلوبنا أوعية لمشيئة الله، فإذا شاء الله شئنا، والله عز وجل يقول:

ہمارے مشیئت الٰہی کے ظرف ہے، لہٰذا جب اللہ چاہے گا تو چاہیں گے۔[2]

اور اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾.

اور تم نہیں چاہتے ہو مگر وہ جو اللہ چاہتا ہے۔[3]

ارسال رسول دراصل ارسال مرسل ہے اور رسول کی طرف رجوع مرسل کی طرف رجوع ہے۔ اب یہاں پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سارے انبیاء و مرسلین اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں وہ سب محمد (ص) کی جانب سے مرسلین ہیں، اسرائیل ہو یا عبداللہ اور وجہ اللہ یا مخلوق میں اللہ ہو۔ چنانچہ انبیاء و مرسلین (ع) اللہ در مخلوق کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ محمد (ص) ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾.

---

[1]۔یہ بات تورات میں بھی ہے اور یہ حدیث متواتر ہے جسے سنی اور شیعہ دونوں سے مروری ہے جیسے بعض سنی وشیعہ مصادر میں آیا ہے: محمد بن مسلم نے خلقت آدم(ع) کے بارے میں امام جعفر صادق(ع) سے روایت کی ہے:یہ صورت محدثہ ،مخلوقہ ہے جسے اللہ نے برگزیدہ بنایا ہے اور سارے مختلف صورتوں پر برترفرمایا ہے پھر اسے اپنی ذات کی طرف اس طرح اضافہ فرمایا جیسے اس نے کعبہ اپنی طرف اضافہ فرمایا اور روح کو اپنی نفس کی طرف؛ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي۔یعنی میں اس میں اپنی روح پھونک دی ہے: الکافی:ج1ص134،توحید الصدوق:ص103۔اسی طرح بخاری میں ابوھریرہ نے پیغمبراکرم(ص) سے روایت کی ہے: خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ: اذْهَبْ، فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ النَّفَرِ مِنْ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ فَلَمْ يَزَلْ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الآن۔ یعنی اللہ نے آدم(ع) کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے جس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہے۔پھر جب اسے خلق کیا تو فرمایا:توجاکر ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو اوران سے سلام کاجواب سن لو،کیونکہ تیری اور تیری اولاد کی تحیت ہوگی۔ پھر اس نے کہا: السلام علیکم۔ انہوں نے جواب میں کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،پھر کہا ورحمۃ اللہ، لہٰذا جوبھی آدم(ع) کی شکل میں جنت میں جائے گاآج کے بعد میں اس مخلوق میں نقص آتا رہے گا۔ مسلم نے ابوھریرہ سے روایت کی ہے: إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَجْتَنِبْ الْوَجْهَ فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ۔ یعنی جب تم میں کوئی تمہارے بھائی کو قتل کرے گا تواسے چاہئے کہ اس کا چہرہ بچالے کیونکہ اللہ نے آدم(ع) کو اپنی صورت میں خلق فرمایا ہے۔ابوعاصم نے ابن عمر سے روایت کی ہے:لا تقبحوا الوجوه فإن ابن آدم خلق على صورة الرحمن.یعنی چہروں کو خراب مت کرو کیونکہ ابن آدم(ع) اللہ کی صورت پر خلق کیا گیا ہے۔شیخ عبد اللہ الغنیمان کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اسے امام احمد،اسحاق بن راھویہ نے درست قرار دیا ہے لہٰذا اس کی ضعف کے کوئی دلیل نہیں ہے مگر یہ ابن خزیمہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔اسی طرح ابن عاصم سے ایک اور روایت مروی ہے: إذا قاتل أحدكم فليجتنب الوجه فإن الله تعالى خلق آدم على صورة وجهه۔ یعنی جب تم میں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرے گا تووہ اس کا چہرہ چھوڑدے کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے۔شیخ الألباني کہتا ہے اس کے إسناد صحیح ہیں۔

[2]۔ غیبت الطوسی:ص246۔

[3]۔ الانسان:30۔

اور کسی بشر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے ماسوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ کوئی پیغام رساں بھیجے، پس وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بلند مرتبہ، حکمت والا ہے۔[1]

اور ان کا معلم اللہ در مخلوق یعنی محمد (ص) ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾۔

اور (اللہ نے) آدم کو تمام نام سکھا دیے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔[2]

بلکہ ان تعلق صرف محمد (ص) کے باب جو علی (ع) ہے سے نہیں تھا۔ جیسا کہ امام کاظم (ع) سے روایت ہے:

قال رسول الله (ص): أنا مدينة العلم وهي الجنة، وأنت يا علي بابها، فكيف يهتدي المهتدي إلى الجنة ولا يهتدي إليها إلا من بابها۔

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: میں علم کا شہر یعنی جنت، اور اے علی! آپ اس کا دروازہ ہیں، لہٰذا کوئی ہدایت پانے والا جنت میں کیسے جائے گا، اسے صرف اس کے دروزے سے ہی جانا پڑے گا۔[3]

اسی طرح ابن عباس سے روایت ہے: رسول اللہ (ص) نے فرمایا:

أنا مدينة العلم وعلي بابها، فمن أراد العلم فليأت الباب۔

میں علم شہر اور علی اس کا دروازہ ہے، لہٰذا جو علم چاہے گا اسے دروازے سے آنا ہو گا۔[4]

اصول کافی میں امام صادق (ع) سے روایت ہے۔ رسول اللہ (ص) نے فرمایا:

أنا المدينة وعلي الباب، وكذب من زعم أنه يدخل المدينة إلا من قبل الباب، وكذب من زعم أنه يحبني ويبغض علياً (ع)۔

میں شہر ہوں اور علی دروازہ ہے، اور وہ جھوٹا ہے جو یہ خیال کرے گا کہ شہر میں دروازے کے بغیر داخل ہو گا، اور وہ جھوٹا ہے جو مجھ سے محبت کرے گا اور علی (ع) سے بغض رکھے گا۔[1]

---

1. الشوریٰ:51۔
2. البقر:31۔
3. مستدرک سفینۃ البحار:ج9،ص351۔
4. مستدرک سفینۃ البحار:ج9،ص351۔

پیغمبر اکرم (ص) فرماتے ہیں:

أنا مدينة العلم (الحكمة) وعلي بابها، فمن أراد الحكمة فليأتها من بابها۔

میں علم یعنی حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، لہٰذا جسے حکمت چاہیے اسے اس کے دروازے سے آنا چاہیے۔[2]

لہٰذا محمد (ص) جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی اور مخلوق کو اللہ کی معرفت دی، اور معرفت تو صرف محمد (ص) اور علی (ع) کے دروازے سے تمام ہوتی ہے، اور محمد حق اور خلق کے درمیان برزخ ہیں:

يخفق بين الإنسانية والفناء في الذات الإلهية۔

وہ انسانیت اور فناء فی ذات الٰہیہ میں حرکت کرتا ہے۔

جبکہ علی (ع) خلق میں انسان اول ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾۔

اور کسی بشر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے ماسوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ کوئی پیغام رساں بھیجے، پس وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بلند مرتبہ، حکمت والا ہے۔[3]

چنانچہ بشر علی (ع) ہیں اور حجاب محمد (ص) ہیں اور بشر ائمہ (ع) بھی ہیں اور علی (ع) حجاب اور متکلم یا اللہ در خلق محمد (ص) ہیں، اور بشر انبیاء و مرسلین بھی ہیں، اور حجاب ائمہ (ع) ہیں، اور متکلم یا رحمن در خلق علی (ع) ہیں۔ امام علی (ع) وہ مظلوم ہیں جسے ان کے پیروکار معترف ہیں۔ فرماتے ہیں:

أنا أؤدي من النبيين إلى الوصيين، ومن الوصيين إلى النبيين، وما بعث الله نبياً إلا وأنا أقضي دينه وأنجز عداته، ولقد اصطفاني ربي بالعلم والظفر، ولقد وفدت إلى ربي اثنتي عشرة وفادة فعرفني نفسه وأعطاني مفاتيح الغيب۔

---

[1]۔ اصول کافی: ج2، ص239، ح27۔
[2]۔ مستدرک سفینۃ البحار: ج9، ص351۔

[3]۔ الشوریٰ: 51۔

''میں انبیاء سے اوصیاء اور اوصیاء سے انبیاء کی طرف ادائیگی کرتا ہوں اور اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے مگر میں اس کا قرض ادا کرتا ہوں اور اس کا وعدہ پورا کرتا ہوں، کیونکہ مجھے میرے پروردگار نے علم و کامرانی سے برگزیدہ کیا ہے اور میں اللہ کے پاس بارہ مرتبہ چکا ہوں جہاں اس نے مجھے اپنی ذات معرفت اور غیب کی کنجیاں عطا کی ہیں۔[1]

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں علی(ع)، جس نے موسی(ع) نے کلام کیا، بلکہ آل محمد(ع) میں سے جو بھی موسیٰ(ع) کے ساتھ وہ علی(ع) کے حکم سے کرے گا اور علی(ع) محمد(ص) کے تابع ہوگا اور محمد(ص) اللہ کے حکم کے تابع ہوں گے۔ جیسا کہ امیر المومنین(ع) فرماتے ہیں: وعقدت الراية لعماليق كردان، ....، فتوقعوا ظهور مكلم موسى من الشجرة على الطور، فيظهر هذا ظاهر مكشوف، ومعاين موصوف۔

اور جب کردان کے عمالیق کا نشان نصب ہوا، تو وہ سب یہ توقع کرنے لگے کہ کوہ طور پر شجر سے موسیٰ(ع) سے کلام کرنے والا ظاہر ہو گیا، پھر وہ نمایاں ظاہر ہوتے ہیں اور موصوف کا معاینہ کرتے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾۔

کہدیجئے! موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔[3]

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾۔

فرشتے جن کی روحیں اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہوں تب وہ کافر تسلیم کا اظہار کریں گے (اور کہیں گے) ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے، ہاں! جو کچھ تم کرتے تھے اللہ یقیناً اسے خوب جانتا ہے۔[4]

﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾۔

---

[1]۔ بحار الانوار: ج39، ص350۔
[2]۔ بحار الانوار: ج82، ص272۔
[3]۔ السجدة: 11۔
[4]۔ النحل: 28۔

جن کی روحیں فرشتے پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں (اور انہیں) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو! اپنے (نیک) اعمال کی جزا میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔[1]

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾۔

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی نکمی ترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے، اللہ یقینا بڑا جاننے والا، قدرت والا ہے۔[2]

لہٰذا جیسا کہ ان تمام حالات میں موت دینے والا اللہ ہی ہے، اسی طرح ان تمام حالات میں متکلم بھی اللہ ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾۔

جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو ندا دی گئی: بابرکت ہو وہ (جس کا جلوہ) آگ کے اندر ہے اور (بابرکت ہو) وہ جو اس کے پاس ہے اور پاکیزہ ہے سارے جہاں کا رب اللہ۔[3]

پس اللہ کی ذات پاک و منزہ کہ وہ کسی بشر سے کلام کرے مگر حجاب کے پیچھے سے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾۔

اور کسی بشر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے ماسوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ کوئی پیام رساں بھیجے پس وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بلند مرتبہ، حکمت والا ہے۔[4]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ بغیر حجاب کے کسی کے ساتھ کلام کیا مگر محمد (ص) کے، اور اسی لئے علی (ع) انسان اول اور بشر اول ہیں،

---

[1]۔النحل:32۔
[2]۔النحل:70۔
[3]۔النمل:8۔
[4]۔الشوریٰ:51۔

اور محمد (ص) قرآن میں فناء ہونے وجہ سے وہ حجاب ہے جو حق اور خلق کے درمیان ہے، پھر وہ انسانیت اور ذات الٰہی کے درمیان حرکت کرتا ہے، اس لئے بقاء صرف خدائے واحد قہار کے لئے ہی ہے۔ یہاں پر میں یہ نہیں کہتا کہ نہیں باقی رہے گا مگر اللہ رحمن، رحیم، کیونکہ محمد (ص) وہ رحمت ہے جو خلق کے درمیان ہے، پھر جب وہ ذات الٰہی میں فناء ہو جائیں گے تو صرف نقمت اور قہر ہی باقی رہیں گے، جہاں اللہ کی نظر جب محمد (ص) پر پڑی تو ارشاد ہوا:

﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾.

یقیناً آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔[1]

توحید صفت کے بجائے تسبیح میں ہے:

توحید کے بارے میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا کہ وہ وصف کے بجائے تسبیح میں ہوتا ہے۔[2] یعنی یہ کہ توحید حقیقی اپنی کنہ و حقیقت کی وجہ سے معرفت سے منزہ ہے، بس اس کی معرفت کی غایت معرفت سے عجز معرفت میں ہے، لہٰذا انسان زیادہ سے زیادہ وصف یا اسمائے ذات الٰہیہ تک پہنچ سکتا ہے، اور یہی معرفت سے عجز معرفت ہے، جو تجلی انسان کے لئے ہوتی ہے وہ تسبیح میں توحید حقیقی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ * إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾۔

اللہ ان کے ہر بیان سے پاک ہے، سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے (جو ایسی بات منسوب نہیں کرتے)۔[3]

کیونکہ مخلص افراد یہ جانتے ہیں کہ صفات اپنی حقیقت میں نقص یا تسبیح و تقدیس سے منزہ ہوتی ہیں، یعنی اللہ کی ذات نقص سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ خدا کی ذات نور ہے، جہاں کوئی ظلمت ہی نہیں۔ جیسا کہ امام صادق (ع) سے مروی ہے:

إن الله علم لا جهل فيه، حياة لا موت فيه، نور لا ظلمة فيه.

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ علم ہے جہل نہیں، حیات ہے موت نہیں، نور ہے ظلمت نہیں۔[4]

اسی طرح یونس بن عبدالرحمن کہتا ہے میں ابوالحسن امام رضا (ع) سے پوچھا:

---

[1]۔الطور:48۔

[2]۔جیساکہ صمد کے بحث میں گزرچکا ہے کہ اس کی ذات کے لئے تنزیہ وتسبیح ہے اور اس کی ذات کے لئےبغیرکسی نقص کے کمال ہے۔

[3]۔الصافات:160-159۔

[4]۔التوحید: شیخ صدوق:ص137۔

روينا أن الله علم لا جهل فيه، حياة لا موت فيه، نور لا ظلمة فيه، قال (ع): كذلك هو۔

ہم نے یہ روایت سنی ہے کہ اللہ علم ہے جہل نہیں، حیات ہے موت نہیں، نور ہے ظلمت نہیں۔

امام(ع) نے فرمایا: وہ ایسا ہی ہے۔[1]

جبکہ معرفت لاہوت کے بارے میں ہماری معرفت عاجز ہونا ممکن ہے اور اسی سے ہمیں حقیقت معرفت کے بارے میں اپنی عاجزی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہمیں خدا کی حقیقت معرفت کے بارے میں اپنی عاجزی اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک ہمیں لاہوت مطلق کے بارے میں اپنی عاجزی معلوم نہ ہو، کیونکہ لاہوت مطلق ہی ہمارا مرکز ہے اور وہی ہماری حالت سے واقف ہے اور ہم اس کی معرفت کے سمندر میں ہم صرف تھوڑا ہی جانتے ہیں۔ جیسا کہ امام صادق(ع) فرماتے ہیں:

العبودية جوهر كنهها الربوبية۔

''بندگی ایسا جوہر ہے جس کی حقیقت ربوبیت ہے''۔[2]

کیونکہ لاہوت مطلق وہ کمال مطلق ہے جس کی طرف ہم اپنے نقص کو دور کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ کسی رحمت کو جانے بغیر ہمیں معرفت رحمت مطلقہ کی معرفت عاجز ہے؟ اس کا جواب بلاشبہ نہیں میں ہی ہوگا۔

اس کے علاوہ ہمیں معرفت رحمت مطلق یاالرحمن الرحیم سبحانہ کے بارے میں اپنی عاجزی کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ کسی رحمت کو پہچانیں، پھر جوں جوں اس رحمت کو پہچانیں گے ہمیں اور زیادہ معرفت ہو جائے گی پھر مزید معرفت بڑھنے کے نتیجے میں معرفت رحمت مطلق کے بارے میں اپنی عاجزی کی معرفت میں اضافہ ہوگا۔ اس کے بعد وہ معرفت حقیقت جس نے ہمیں رحمت مطلق سے متوجہ کرایا کے بارے میں اپنی عاجزی کی معرفت میں اور اضافہ ہو جائے گا، کیونکہ رحمت مطلق کی معرفت دراصل خلق میں اس کی تجلی ہے اور لاہوت مطلق کی معرفت خلق میں تجلی کی معرفت سے ایسی ہوتی ہے جیسی حقیقت معرفت لاہوت مطلق کی معرفت سے ہوتی ہے۔ پس ہمارے ضروری ہے کہ زمین میں اللہ کے خلفاء کی معرفت حاصل کریں، کیونکہ یہی ہستیاں خلق میں اللہ کی تجلی ہیں اور ان کی معرفت سے ہی اللہ کی معرفت ہوتی ہے کیونکہ اس کی معرفت عاجز ہے، پھر یہ کہ معرفت حقیقت سے عاجزی ہی وہ توحید ہے جو بنی آدم سے مطلوب ہے۔ یہی دراصل انبیاء، اوصیاء(ع) کی بعثت کی راز اور علت ہیں یعنی ان کی بعثت اس لئے ضروری ہے کیونکہ معرفت حقیقی ان کے ذریعے کی تمام ہوتی ہے۔

---

[1]۔التوحید: شیخ صدوق:ص138۔

[2]۔مصباح الشریعۃ:ص7،التفسیر الصافی:ج6،ص348۔

اب حقیقت توحید یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق میں لاہوت مطلق کے ذریعے ہی تجلی ہوتا ہے تاکہ وہ اسے پہچانیں اور اپنے حال کے اعتبار سے اپنے نقص کو دور کرنے کے لئے اس غنی مطلق کی طرف رجوع کریں، یعنی لاہوت حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ مخلوق کے لئے حقیقت کی مناسب سمت ہے، پس اللہ کا ظہور ہماری پہچان کے لئے ہے، لاہوت حقیقت نہیں، بلکہ وہ حقیقت تک پہنچانے کا راستہ ہے، لیکن لاہوت مطلق اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے، کیونکہ حقیقت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا نام لاہوت ہو، پس اللہ ہماری نسبت لاہوت ہے کیونکہ ہم نیاز مند ہیں اور اپنے نقص کو دور کرنے کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف محتاج ہوتے ہیں، یعنی اس کی تجلی مخلوق کے لئے ان کے حالت کے مطابق لاہوت مطلق کے ذریعے صرف اس کا ظہور ہے اور یہ کہ لاہوت حقیقت کو کشف کرنے والا نہیں ہے، بلکہ یہ صرف مخلوق کی ضرورت کے مطابق حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ابن سنان کہتا ہے کہ میں امام رضا(ع) سے پوچھا:

هل كان الله عز وجل عارفاً بنفسه قبل أن يخلق الخلق ؟ قال: نعم، قلت: يراها ويسمعها ؟ قال: ما كان محتاجاً إلى ذلك؛ لأنه لم يكن يسألها ولا يطلب منها، هو نفسه ونفسه هو، قدرته نافذة فليس يحتاج أن يسمي نفسه، ولكنه اختار لنفسه أسماء لغيره يدعوه بها؛ لأنه إذا لم يدع باسمه لم يعرف، فأول ما اختار لنفسه: العلي العظيم لأنه أعلى الأشياء كلها، فمعناه الله واسمه العلي العظيم، هو أول أسمائه، علا على كل شيء۔

کیا مخلوق کو خلق کرنے سے پہلے خدا اپنے نفس کا عالم تھا؟ امام(ع) نے فرمایا: ہاں، میں کہا: کیا وہ اس کو دیکھتا اور سنتا تھا؟ فرمایا: وہ اس کا محتاج نہ تھا کہ وہ اپنا نام لے۔ کیونکہ وہ کسی مشکل میں سوال کرنے والا اور کسی کا طلبگار نہیں، اس کا نفس اس کی ذات ہے اور اس کی ذات اس کا نفس ہے، اس کی قدرت جاری ہونے والی ہے وہ اس کا محتاج نہیں کہ اس کی ذات کا نام رکھا جائے۔ لیکن اس نے کچھ نام اپنے لئے منتخب کئے ہیں جو اس کی ذات کے غیر ہیں وہ انہی ناموں سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی نام سے پکارا نہ جاتا تو اس کی معرفت نہ ہوتی پس سب سے پہلے اس نے اپنا نام علی العظیم رکھا، کیونکہ وہ تمام چیزوں سے اعلیٰ ہے، اس کی ذات اللہ ہے علی عظیم اس کا نام ہے وہ اس کا سب سے پہلے نام ہے وہ ہر شے سے بلند تر ہے۔[1]

اور جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ہشام بن حکم نے امام جعفر صادق(ع) سے اللہ کے اسماء اور ان کے مشتقات اور لفظ اللہ کے مشتق کے بارے میں سوال کیا تو امام(ع) نے فرمایا:

يَا هِشَامُ، اللَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ إِلَهٍ وَإِلَهٌ يَقْتَضِي مَأْلُوهاً، وَالِاسْمُ غَيْرُ الْمُسَمَّى فَمَنْ عَبَدَ الِاسْمَ دُونَ الْمَعْنَى فَقَدْ كَفَرَ وَلَمْ يَعْبُدْ شَيْئاً، وَمَنْ عَبَدَ الِاسْمَ وَالْمَعْنَى فَقَدْ أَشْرَكَ وَعَبَدَ اثْنَيْنِ، وَمَنْ عَبَدَ الْمَعْنَى دُونَ الِاسْمِ فَذَاكَ التَّوْحِيدُ۔

[1].اصول کافی: ج1، ص113۔

اے ہشام اللہ مشتق الٰہ (معبود) سے اور الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ کوئی عبادت کرنے والا بھی ہو، اور اسم با مسمیٰ غیر ہوتا ہے، پس جس نے معنی کو چھوڑ کر اسم کی عبادت کی، اس نے کفر کیا اور کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی، اور جس نے اسم اور معنی دونوں کی عبادت کی، اس نے شرک کیا، اور دو کی عبادت کی، اور جس نے صرف معنی کی عبادت کی تو یہ توحید ہے۔[1]

جیسا کہ ائمہ اطہار (ع) کے کلام روایات کے اندر واضح ہیں، صرف انسان کو امام رضا (ع) کے اس قول میں غور کرنے کی ضرورت ہے:

قدرته نافذة فليس يحتاج أن يسمي نفسه، ولكنه اختار لنفسه أسماء لغيره يدعوه بها؛ لأنه إذا لم يدع باسمه لم يعرف۔

اس کی قدرت جاری ہونے والی ہے وہ اس کا محتاج نہیں کہ اس کی ذات کا نام رکھا جائے۔ لیکن اس نے کچھ نام اپنے لئے منتخب کئے ہیں جو اس کی ذات کے غیر ہیں وہ انہی ناموں سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی نام سے پکارا نہ جاتا تو اس کی معرفت نہ ہوتی۔

اسی طرح امام صادق (ع) کی اس حدیث میں غور کریں:

يَا هِشَامُ، اللَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ إِلَهٍ وَإِلَهٌ يَقْتَضِي مَأْلُوهاً۔

اے ہشام اللہ مشتق الٰہ (معبود) سے اور الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ کوئی عبادت کرنے والا بھی ہو۔

اس کی مزید وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے ذریعے اس کی حقیقی اور تام غیر ممکن معرفت کو حاصل کرنے کے لئے دو امور کی ضرورت ہے:

اول:

تمام صفات الٰہیہ، بلکہ ان کو جمع کرنے والا الاہوت کے ذریعے ہی اپنی حالت کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لہٰذا الاہوت حقیقت نہیں ہے، بلکہ وہ معرفت حقیقت کے کا ایک راستہ ہے، پس اس پر اعتبار کرنا، اسی پر موقوف ہونا ہی معرفت حقیقت ہے جو ہدف تک پہنچانے کا نصف راستہ ہے۔

دوم:

جب یہ تمام صفات اللہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں تو یہ مطلق ہو جاتی ہیں تو پھر غیر مطلق کے لئے یہ کیسے ممکن ہوتا ہے کہ وہ مطلق کی معرفت تامہ حاصل کرے جس کا مطلب ہے کہ وہ جس چیز کی معرفت رکھتا ہے تو وہ اس پر محیط ہے، جبکہ کسی چیز پر وہی

[1]۔اصول کافی: ج1، ص87، ح2۔

محیط ہو سکتا ہے جو اس بالا تر ہو یا کم از کم برابر ہو، پھر یہ کہ صفات الٰہیہ کی معرفت تامہ کی امکان سے لاہوت مطلق میں تعدد لازم آتا ہے اور معرفت رکھنے والا یعنی مخلوق لاہوت مطلق ہونا ممکن نہیں، لہٰذا ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم مخلوق میں اس کی صفات کی تجلی کو پہچانیں، چنانچہ اس کے قریب ترین تجلیات ہی اللہ کے حجتیں ہیں جو مخلوق کے درمیان زمین اس کے خلفاء ہیں۔[1]

پھر اگر ہم رحمت کے ذریعے معرفت حاصل کرنا چاہیں تو ہمارے لئے انبیاء اور اوصیاء اور دیگر مخلوق سے فرض کریں ہم 80 سے 90 فیصد تک حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں ہر ایک اپنے حساب ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں ان میں کوئی سو فیصد ہے، کیونکہ پھر اس صورت میں ایسا کمال ہو جائے گا جس میں کوئی نقص نہ ہو جس کے محتاجی اور تنگدستی نہیں ہو گی یعنی وہ ایسا نور ہو گا جس میں کوئی اندھیرا نہ ہو، جو کہ صرف خدا کی ذات میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ رحمت کے ذریعے معرفت تامہ نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس سے زیادہ سے زیادہ معرفت عجز تک پہنچ سکتی ہے۔ لہٰذا مختصر یہ ایسی معرفت ہے جس میں عدم نقص ہے۔[2]

یعنی ایسی معرفت ہے جس میں تنزیہ یا تسبیح ہو، اسی لئے ہم نے پہلے ہی کہا ہے کہ توحید در تسبیح ہے در وصف نہیں ہے۔ پھر یہ صفت عام مخلوق کی نسبت زمین پر اللہ کے خلفاء سے بھی مربوط ہے، کیونکہ ان کے ذریعے اللہ کی معرفت ہوتی ہے، ان کے ذریعے توحید ہوتی ہے، ان کی رحمت کے واسطے سے ہی رحمت مطلق کی معرفت ہوتی ہے، مخلوق میں ان کی ربوبیت کے ذریعے سے ربوبیت مطلق کی معرفت ہوتی ہے، مخلوق کے اندر ان کے لاہوت سے لاہوت مطلق کی معرفت ہوتی ہے، لہٰذا ان کے بغیر دوسرے مخلوق کے لئے نہ معرفت ہے نہ توحید۔ لہٰذا توحید اللہ خلفاء کے ساتھ مضبوطی سے مربوط ہیں، بلکہ اگر اس معاملے میں دقت کریں تو معلوم ہو جائے کہ معرفت اور توحید دیگر مخلوق کے لئے ممکن نہیں ہے، چنانچہ اگر مخلوق اول یا عقل اول یا محمد (ص) جنہوں نے مخوق کو سمجھایا، تو ان کو نہ معرفت ہوتی اور نہ ہی توحید کا معلوم ہوتا۔ جیسا کہ عبد السلام بن صالح ہروی نے امام رضا (ع) سے انہوں نے اپنے والد امام موسی کاظم (ع) سے انہوں نے امام صادق (ع) سے انہوں نے امام باقر (ع) سے انہوں نے امام علی بن حسین (ع) سے انہوں امام حسین (ع) سے انہوں نے امیر المومنین (ع) سے انہوں رسول اللہ (ص) سے نقل فرمایا ہے:

ما خلق الله خلقاً أفضل مني ولا أكرم عليه مني، قال علي (ع): فقلت: يارسول الله فأنت أفضل أم جبرئيل ؟ فقال: يا علي، إن الله تبارك وتعالى فضل أنبياءه المرسلين على ملائكته المقربين، وفضلني على جميع النبيين والمرسلين، والفضل بعدي لك يا علي وللأئمة من بعدك، وإن الملائكة لخدامنا وخدام محبينا.

---

[1] جیساکہ گزرچکا ہے۔ یعنی ان کی بعثت ضروری ہے کیونکہ معرفت ان کے ذریعے ہی تمام ہوتی ہے۔

[2] لہٰذا اگر ہم یہ فرض کریں کہ عدل ظلم کے مقابلے میں ہے اور یہ فرض کریں کہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ایک ہو جس میں عدل کی تجلی جس کے اندر ننانوے فیصد ہے باقی ایک فیصد ظلم ہو اور یہ ہم اللہ کے اس خلیفے کی معرفت حاصل کریں تو ہمیں ننانوے فیصد عدل اور ایک فیصد ظلم کی معرفت حاصل ہوجائے گی، پھر جب ہم اپنی معرفت کے مطابق مطلق عدل کے نصف کا ارادہ کریں کیونکہ ہمیں عدل تام حاصل نہیں ہوگا جس کے اندر ظلم نہ ہو، جس سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہم عدل مطلق سے عاجز ہیں۔

يا علي، الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون للذين آمنوا بولايتنا، يا علي لولا نحن ما خلق الله آدم ولا حواء ولا الجنة ولا النار، ولا السماء ولا الأرض، فكيف لا نكون أفضل من الملائكة، وقد سبقناهم إلى معرفة ربنا وتسبيحه وتهليله وتقديسه، لأن أول ما خلق الله عزوجل خلق أرواحنا فأنطقنا بتوحيده وتحميده.
ثم خلق الملائكة فلما شاهدوا أرواحنا نوراً واحداً استعظموا أمرنا، فسبحنا لتعلم الملائكة إنا خلق مخلوقون، وأنه منزه عن صفاتنا، فسبحت الملائكة بتسبيحنا ونزهته عن صفاتنا ، فلما شاهدوا عظم شأننا هللنا، لتعلم الملائكة أن لا إله إلا الله وإنا عبيد ولسنا بآلهة يجب أن نعبد معه أو دونه، فقالوا: لا إله إلا الله، فلما شاهدوا كبر محلنا كبّرنا لتعلم الملائكة أن الله أكبر من أن ينال عظم المحل إلا به، فلما شاهدوا ما جعله الله لنا من العز والقوة قلنا: لا حول ولا قوة إلا بالله لتعلم الملائكة أن لا حول لنا ولا قوة إلا بالله، فلما شاهدوا ما أنعم الله به علينا وأوجبه لنا من فرض الطاعة قلنا: الحمد لله لتعلم الملائكة ما يحق لله تعالى ذكره علينا من الحمد على نعمته، فقالت الملائكة: الحمد لله، فبنا اهتدوا إلى معرفة توحيد الله وتسبيحه وتهليله وتحميده وتمجيده.
ثم إن الله تبارك وتعالى خلق آدم فأودعنا صلبه وأمر الملائكة بالسجود له تعظيما لنا وإكراما، وكان سجودهم لله عزوجل عبودية ولآدم إكراماً وطاعة لكوننا في صلبه، فكيف لا نكون أفضل من الملائكة وقد سجدوا لآدم كلهم أجمعون، وإنه لما عرج بى إلى السماء أذّن جبرئيل مثنى مثنى، وأقام مثنى مثنى، ثم قال لي: تقدم يا محمد، فقلت له: يا جبرئيل أتقدم عليك ؟ فقال: نعم؛ لأن الله تبارك وتعالى فضّل أنبياءه على ملائكته أجمعين، وفضّلك خاصة، فتقدمت فصليت بهم ولا فخر، فلما انتهيت إلى حجب النور قال لي جبرئيل: تقدم يا محمد، وتخلف عني، فقلت: يا جبرئيل في مثل هذا الموضع تفارقني ؟ فقال: يا محمد، إن انتهاء حدي الذي وضعني الله عز وجل فيه إلى هذا المكان، فإن تجاوزته احترقت أجنحتي بتعدي حدود ربي جل جلاله.
فزج بي في النور زجة حتى انتهيت إلى حيث ما شاء الله من علو ملكه، فنوديت: يا محمد، فقلت: لبيك ربي وسعديك تباركت وتعاليت، فنوديت: يا محمد أنت عبدي وأنا ربك فإياي فاعبد وعلي فتوكل، فإنك نوري في عبادي ورسولي إلى خلقي وحجتي على بريتي، لك ولمن اتبعك خلقت جنتي، ولمن خالفك خلقت ناري، ولأوصيائك أوجبت كرامتي، ولشيعتهم أوجبت ثوابي.
فقلت: يا رب، ومن أوصيائي ؟ فنوديت: يا محمد، أوصياؤك المكتوبون على ساق عرشي، فنظرت وأنا بين يدي ربي جل جلاله إلى ساق العرش فرأيت اثنى عشر نوراً، في كل نور سطر أخضر عليه إسم وصي من أوصيائي، أولهم: علي بن أبي طالب، وآخرهم مهدي أمتي، فقلت: يا رب هؤلاء أوصيائي من بعدي ؟ فنوديت: يا محمد، هؤلاء أوليائي وأوصيائي وحججي بعدك على بريتي ، وهم أوصياؤك وخلفاؤك وخير خلقي بعدك، وعزتي وجلالي، لأظهرن بهم ديني ولأعلين بهم كلمتي ولأطهرن الأرض بآخرهم من أعدائي، ولأمكننه مشارق الأرض ومغاربها، ولأسخرن له الرياح، ولأذللن له السحاب الصعاب، ولأرقينه في الأسباب، ولأنصرنه بجندي، ولأمدنه بملائكتي حتى تعلو دعوتي ويجتمع الخلق على توحيدي، ثم لأديمن ملكه، ولأداولن الأيام بين أوليائي إلى يوم القيامة.

اللہ نے کوئی مخلوق مجھ سے افضل اور زیادہ مکرم اپنے نزدیک پیدا نہیں کی، اور حضرت علی (ع) فرماتے ہیں کہ میں عرض کیا: آپ افضل ہیں یا جبرئیل؟ آنحضرت (ص) نے فرمایا: اے علی! اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین فضیلت دی اور مجھے تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی، اور یہ فضیلت بعد آپ کو اور آپ کے آئمہ (ع) کو عطا فرمائی، اور ملائکہ تو ہمارے خادم ہیں، بلکہ ہمارے دوستوں کے بھی خادم ہیں۔

اے علی (ع)! (وہ فرشتے جو) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرد و پیش ہیں وہ اللہ کے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں اور رب کی حمد کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے مغفرت کی دعا کرتے ہیں جو ہماری ولایت اور دوستی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اے اگر ہم لوگ نہ ہوتے تو اللہ نہ آدم (ع) کو پیدا کرتا، نہ حوّا کو، نہ جنت کو، نہ جہنم کو، نہ آسمان کو اور زمین کو پیدا کرتا۔ پھر ہم لوگ ملائکہ سے کس افضل نہیں ہوئے، جبکہ ہم لوگ اپنے رب معرفت، اور اس کی تسبیح، تہلیل و تقدیس میں ان ملائکہ سے سابق تھے۔ اس لئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ ہماری روحیں تھیں اور ہم لوگوں کو اپنی توحید اور تمجید کے ساتھ گویا کیا، اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا۔ جب ان ملائکہ نے ہماری ارواح کو نور کی شکل میں دیکھا تو ہم لوگوں ہی سب سے عظیم تر سمجھنے لگے تو ہم لوگوں اللہ کی تسبیح شروع کر دی، تاکہ ملائکہ سمجھ کہ ہم لوگ مخلوق ہیں اور اللہ ہم لوگوں کی صفات کہیں بالاتر ہے۔ پس ہماری تسبیح سن کر ملائکہ بھی تسبیح پڑھنے لگے اور اللہ کو ہماری صفات سے بالاتر سمجھنے لگے، اور ان لوگوں مشاہدہ کیا اور ہماری شان کو ہی عظیم سمجھنے لگے، پس ہم لا الہ الا اللہ کہنا شروع کر دیا تاکہ ملائکہ یہ سمجھیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں۔ ہم لوگ اس کے بندے ہیں۔ ہم لوگ اللہ نہیں ہیں اور ہم پر واجب ہے کہ ہم اس اللہ کی عبادت کریں۔ یہ سن کر ملائکہ نے بھی لا الہ الا اللہ کہنا شروع کر دیا۔ پھر مشاہدہ کیا کہ ہم لوگوں کے محل و مقام بہت بڑا سمجھنے لگے۔ ہم لوگوں نے فوراً کہا: اللہ اکبر، تاکہ ملائکہ یہ سمجھیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے، اور اسی کی بارگاہ سے بلند مقام عطا ہوتا ہے۔ پھر جب ملائکہ ہم لوگوں کی عزت و قوت دیکھی جو ہمیں عطا کی ہوئی ہے تو ہم فوراً کہا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ، تاکہ ملائکہ یہ سمجھیں کہ ہمارے پاس کوئی قوت نہیں مگر اللہ کی دی ہوئی ہے۔ پھر جو نعمتیں اللہ نے ہم لوگوں کو دی ہیں، اور فریضہ اطاعت ہم لوگوں پر واجب کیا ہے۔ جب فرشتوں کی ان پر نظر پڑی تو ہم لوگوں نے فوراً کہا: الحمد للہ، تاکہ فرشتے یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا کام ہم لوگوں اوپر کس حق ہے۔ یہ سن کر ملائکہ نے بھی کہا: الحمد للہ، پس اس طرح ہمارے ذریعے ملائکہ نے اللہ کی توحید کی معرفت اور اس کی تسبیح، تہلیل اور تمجید کی طرف ہدایت پائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم (ع) کو خلق کیا اور ہمیں ان کے صلب میں ودیعت کر دیا اور ہماری تعظیم و تکریم کے پیش نظر ملائکہ کو حکم دیا کہ ملائکہ کو سجدہ کرو۔ اور ملائکہ کا یہ سجدہ اللہ کے لئے عبودیت کا تھا اور آدم (ع) کے لئے تعظیم و اکرام کے لئے تھا، کیونکہ ہم لوگ ان کے صلب تھے۔ پھر کیسے ہم لوگ ملائکہ سے افضل نہ ہوں گے جبکہ سارے فرشتوں نے آدم (ع) کے لئے سجدہ کیا ہے۔

اور جب مجھے آسمانوں کی طرف لے جایا گیا تو جبرئیل نے وہاں پر اذان کہی ہر فقرے کو دو دو مرتبہ کر کے اور اقامت کہی ہر فقرے کو دو دو مرتبہ کر کے۔ مجھ سے کہا: اے محمد! آگے بڑھیں! میں نے کہا: اے جبرئیل میں تمہارے ہوتے ہوئے آگے بڑھوں؟ انہوں نے کہا: ہاں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو اپنے تمام ملائکہ فضیلت دی ہے اور آپ کا فضل و شرف تو خاص ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور سب کو نماز پڑھائی، مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ اور جبکہ میں نور کے حجابوں تک پہنچا تو جبرئیل نے کہا: اے محمد! اب آپ آگے بڑھیں، اور انہوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تو میں نے کہا: اے جبرئیل! تم ایسے مقام پر میرا ساتھ چھوڑ دیا؟، انہوں نے کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے جو حد میرے لئے مقرر کی، وہ یہاں پر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر میں اس حد سے تجاوز کیا تو حدود الٰہی سے تجاوز کرنے پر میرے بال و پر جل جائیں گے۔ پھر انہوں نے مجھے اس نور میں غوطہ دے دیا، اور میں وہاں پہنچ گیا اللہ اپنے ملک کی بلندی میں مجھے پہنچانا چاہتا تھا۔ پھر مجھے ندا دی گئی تو میں نے کہا: لبیک و سعدیک اے تبارک و تعالیٰ!۔ پھر ندا آئی: اے محمد! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں، لہٰذا تو میری ہی عبادت کرنا، اور مجھ ہی توکل کرنا، اور تم ہی میرے بندوں میں میرے نور اور میری مخلوقات کی طرف میرے رسول اور میری تمام مخلوق پر میری حجت ہو۔ تمہارے اور تمہارے پیروکاروں کے لئے میں جنت خلق کی ہے اور جو تمہاری مخالفت کرے گا، اس کے لئے میں جہنم خلق کی ہے۔ تمہارے اوصیاء کے لئے میں نے اپنے کرم کو لازم کر دیا ہے۔ اور ان کے شیعوں کے لئے میں نے اپنی طرف سے ثواب دینا واجب کر دیا ہے۔ میں عرض کیا: پروردگارا! میرے اوصیاء کون ہیں؟ تو آواز آئی: اے محمد! تمہارے اوصیاء کے نام تو عرش کے ستون پر لکھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ میں اپنے رب کے سامنے تھا، مگر میں وہی نظر کی تو سادق عرش پر بارہ نور ہیں، اور ہر نور ایک ہرے رنگ کی سطر میں ہے اور ہر سطر میں اوصیاء میں سے ہر وصی کا نام مرقوم ہے، جن کے اندر پہلے علی بن ابی طالب، جبکہ آخر میں میری کے مہدی ہیں۔ میں عرض کیا: پروردگارا! میرے بعد یہ سب میرے اوصیاء ہوں گے؟ تو آواز آئی اے محمد! ہاں اے محمد! تمہارے بعد یہی میرے اولیاء، میرے احباء، میرے اصفیاء اور میری مخلوق پر میری حجتیں ہیں۔ اور یہی تمہارے بعد تمہارے اوصیا ۱۴ اور تمہارے خلفاء ہیں جو مخلوق میں تمہارے بعد سب سے افضل ہیں۔ مجھے اپنے عت و جلالت کی قسم! میں انہی لوگوں کے ذریعے اپنے دین کو غالب کر دوں گا، انہی کے ذریعے اپنے حکم کو بلند کروں گا، ان کے آخری فرد کے ذریعے زمین اپنے دشمنوں سے پاک کر دوں گا، اسے زمین کے سارے مشرق و مغرب پر قابو اور تمکن دوں گا، اس کے ہوا کو مسخر کر دوں گا، بھاری بھاری بادلوں کو اس کے مطیع کر دوں گا، اس کے اسباب میں اضافہ کر دوں گا، اپنی فوج سے اس کی مدد کر دوں گا، اپنے ملائکہ سے اس کی نصرت کر دوں گا، یہاں تک کہ ہماری دعوت بلند ہو جائے اور ساری مخلوقات ہماری توحید پر جمع ہو جائے، پھر اس کے ملک و سلطنت کو دوام بخشوں گا اور روزِ قیامت تک اس سلطنت کو دوام بخشوں گا، اور روزِ قیامت تک اس سلطنت کا سلسلہ اپنے اولیاء میں چلاؤں گا۔[1]

---

[1]۔علل شرائع:شیخ صدوق:ج1،ص5،کمال الدین وتمام النعمۃ:ص255۔

نمازاور توحید:

نماز مومن کی معراج ہے، یہ معرفت کے منہج کی ایک صورت ہے اور اس کے اندر معرفت و حرکات اور اقوال کے ایسے مراحل ہیں جو معرفت کے منہج کی تعبیر کرتی ہے، لہٰذا نماز کے حرکات قیام سے شروع ہوتی ہیں، پھر رکوع اور سجود معرفت کی ایسی تعبیر کرتی ہے جو ہر اعتبار سے خود پسندی کو دور کرتی ہے اور پھر جب قیام سے رکوع کی طرف جاتا ہے تو اور پستی اور خود پسندی سے دوری ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد سجدے کے اندر تو پستی، خضوع اور خود پسندی سے دوری کی انتہاء ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ پستی اور خضوع میں معرفت کے پڑھنے کے ساتھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔[1] اور اس طرف معرفت بھی خضوع اور تذلیل کے اضافے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ رکوع میں: سبحان ربي العظيم وسبحان ربي الأعلى دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے جس کے اندر خضوع اور تذلیل کے اضافے کے ساتھ دونوں مرتبہ معرفت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ رکوع میں ذات الٰہی یا اللہ کی تنزیہ، تسبیح اور تقدیس ہوتی ہیں جبکہ سجدے میں حقیقت وکنہ کی تنزیہ، تسبیح اور تقدیس ہوتی ہیں۔ چونکہ سجدے میں رکوع کی نسبت زیادہ پستی مرتبہ ہوتا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ رکوع میں سبحان ربي العظيم أو سبحان ربي العلي پڑھا جائے جبکہ سجدے کے اندر سبحان ربي الأعلى أو سبحان ربي الأعظم پڑھا جائے، کیونکہ عظیم اور اعظم اور علی اور اعلیٰ کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔[2]

اس سے فرق تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ رکوع میں تسبیح کی نسبت سجدے کے اندر موجود تسبیح سے معرفت زیادہ ہوتی ہے۔ بہر حال دونوں تسبیحات میں ہم خداوند عالم کو نقص سے پاک کرتے ہیں اس کے بعد ہم ذات الٰہی کو عظیم، اعظم، لاہوت یا اللہ اور حقیقت کو دونوں مراتب میں اپنی معرفت کے احاطے میں رکھنے سے بھی پاک و منزہ جانتے ہیں۔

سجدے میں پہلا حکم اور توحید:

ہم اپنی روزانہ کی نمازوں میں اللہ کے سجدہ کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ فرشتوں نے جناب آدم (ع) کو سجدہ کیا تھا اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ جناب یعقوب (ع) جو کہ ایک نبی ہیں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور بیٹوں نے اللہ کے نبی جناب یوسف (ع) کے لئے سجدہ کیا ہے۔ حقیقت میں نجات تلاش کرنے کے لئے اس

---

[1] ضمیمہ نمبر 5 کی روایت کو ملاحظہ کریں۔

[2] صفت تفضیل کا قاعدہ عربی زبان کے علاوہ یگر زبانوں میں بھی ہوتا ہے جیسے انگریزی میں Great,Greater,Greatest ہوتا ہے۔

مسئلے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ورنہ پھر جان بوجھ کر اپنے کو جائع کرنے کے مترادف ہو جائے گا، کیونکہ یہ ایک ایسا اہم اور خطرناک مسئلہ ہے جہاں آجکل ہمارے ذہنوں میں یہ بات آجاتی ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کسی کو سجدہ جائز نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات بہت سارے لوگ بغیر سوچے اسے شرک و کفر شمار کرتے ہیں، جبکہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرشتے اور جناب یعقوب (ع) سب کے سب معصوم تھے اور ان سے غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی اور سجدہ بھی اللہ کے حکم سے ہی ہوا تھا۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ اسی طرح بہت سارے افراد بغیر توجہ یا نہ سمجھنے اور درک کرنے کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ انسان جب بھی حقیقت کے بارے میں بحث کرے تو اسے اللہ کے دین کے بارے میں ہر چیز کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ خداوند عالم نے ہر چیز بیان کی ہوئی ہے، لہٰذا جس چیز کی حکمت کو اگر ہم نہ سمجھیں تو احترام کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے، نہ کہ اس میں اپنی ناسمجھی کو ٹھونکیں۔ سجدے دراصل ہمیں ایک حقیقتِ جلی کے سامنے بٹھادیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ اپنے مخلوق سے یہ کہہ رہا ہو: تم سب میرے سجدہ کرو، کیونکہ میں ہی تمہارا معبود اور پروردگار ہوں۔ اسی ذات نے ہی ان سے کہا ہے: تم سب آدم (ع) کے لئے سجدہ کرو، تم سب یوسف (ع) کے لئے سجدہ کرو۔ چونکہ یہ مسئلہ خطرناک ہے لہٰذا اسے دقت کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ سجدے دراصل سجدہ کرنے والے کی طرف سے پستی کی انتہاء ہے اور وہ اس میں اپنی تنگدستی اور حاجت اور مسجود کی بے نیازی کا اقرار کرتا ہے، یعنی وہ یہ واضح کرتا ہے کہ وہ مسجود کی بندگی اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے۔ اب اگر یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اپنے سجدوں میں آخری درجے کی پستی انجام دیتے ہیں تاکہ اپنی حاجت اور تنگدستی کو بیان کریں اور وہ اسے پورا کرے اور ہماس کی ربوبیت کا اعتراف کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ فرشتوں کا آدم (ع) کو سجدے کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یعقوب نے یوسف کو کیوں سجدہ کیا؟ کیا سجدوں سے کوئی تبدیلی آئی یا پھر وہ بات وہی پر رہی؟ حقیقت یہ کہ بات پر وہی ہی رہ گئی کوئی تبدیلی نہیں آئی اور ساجد کا مسجود کو سجدہ کرنے کا مطلب واضح نہیں ہوا، کیونکہ ساجد اور مسجود دونوں اپنی اپنی جگہ قائم ہے۔ ہاں مسجود بدل گیا کیونکہ یعقوب (ع) نے ایک مرتبہ اللہ کو سجدہ کیا پھر یوسف (ع) کو سجدہ کیا، لہٰذا یہاں پر مسجود الگ الگ ہو گیا لیکن دونوں سجدوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوا، پس اگر پہلا سجدہ بندگی کے لئے تھا جہاں یعقوب (ع) نے مسجود کی ربوبیت کا اعتراف کیا تو دوسرا سجدہ بھی ایسا تھا، پھر یہ کہ اللہ کے لئے سجدوں میں یہ واضح ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ اسی طرح پہچانا جائے، چنانچہ جو کوئی میری لا ہوتی اور ربوبیت کی معرفت حاصل کرنا چاہے تو اسی طرح کیا کرو۔ درحقیقت یہ ایک بڑی نعمت ہے کہ جس عظمت بیان ہو چکی ہے اور کہا گیا تھا کہ رحمت مطلقہ کی معرفت ہمارے لئے ممکن نہیں ہے لیکن ہم اسے پہچاننے کے لئے اس کے قریب رحمت کی معرفت حاصل کرتے ہیں، لہٰذا جوں جوں یہ رحمت اس رحمت مطلقہ سے زیادہ قریب ہو گی تو ہماری معرفت اور بڑھ جائے گی، چنانچہ مخلوق پر روئے زمین پر سب سے بڑی نعمت اللہ کے خلفاء ہیں کیونکہ انہی کے واسطے اللہ کی معرفت اور توحید حاصل ہوتی ہے۔ امام رضا (ع) انبیاء (ع) اور اوصیاء (ع) کی زیارت کی کیفیت بیان فرماتے ہیں:

اَلسَّلامُ عَلى اَوْلِياءَ اللهِ وَاَصْفِيائِهِ، اَلسَّلامُ عَلى اُمَناءِ اللهِ وَاَحِبّائِهِ، اَلسَّلامُ عَلى اَنْصارِ اللهِ وَخُلَفائِهِ، اَلسَّلامُ عَلى مَحالِّ مَعْرِفَةِ اللهِ، اَلسَّلامُ عَلى مَساكِنِ ذِكْرِ اللهِ، اَلسَّلامُ عَلى مُظْهِرِى اَمْرِ اللهِ وَنَهْيِهِ، اَلسَّلامُ عَلَى الدُّعاةِ اِلَى اللهِ، اَلسَّلامُ عَلَى الْمُسْتَقِرّينَ فى مَرْضاتِ اللهِ، اَلسَّلامُ عَلَى الْمخْلِصينَ في طاعَةِ اللهِ، اَلسَّلامُ عَلَى الأدِلاّءِ عَلَى اللهِ، اَلسَّلامُ عَلَى الَّذينَ مَنْ والاهُمْ فَقَدْ والَى اللهَ، وَمَنْ عاداهُمْ فَقَدْ عادَى اللهِ، وَمَنْ عَرَفَهُمْ فَقَدْ عَرَفَ اللهَ، وَمَنْ جَهِلَهُمْ فَقَدْ جَهِلَ اللهَ، وَمَنِ اعْتَصَمَ بِهِمْ فَقَدِ اعْتَصَمَ بِاللهِ، وَمَنْ تَخَلّى مِنْهُمْ فَقَدْ تَخَلّى مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَاُشْهِدُ اللهَ اَنّى سِلْمٌ لِمَنْ سالَمْتُمْ، وَحَرْبٌ لِمَنْ حارَبْتُمْ، مُؤْمِنٌ بِسِرِّكُمْ وَعَلانِيَتِكُمْ، مُفَوِّضٌ فى ذلِكَ كُلِّهِ اِلَيْكُمْ، لَعَنَ اللهُ عَدُوَّ آلِ مُحَمَّدٍ مِنَ الْجِنِّ وَالإنْسِ وَاَبْرَأُ اِلَى اللهِ مِنْهُمْ، وَصَلَّى اللهُ عَلى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ۔

میرا سلام ہو اولیائے خدا اور اس کے بر گزیدہ پر، سلام ہو خدا کے امانتداروں اور اس کے پیاروں پر، سلام ہو خدا کے ناصروں اور اس کے نائبوں پر، سلام ہو خدا کی معرفت کے نشانوں پر، سلام ہو ذکر الٰہی کے منزل گاہوں پر، سلام ہو خدا کے امر و نہی کے آشکار کرنے والوں پر، سلام ہو خدا کی طرف بلانے والوں پر، سلام ہو خدا کی رضاؤں میں رہنے والوں پر، سلام ہو خدا کے سچے اطاعت گزاروں پر، سلام ہو خدا کی طرف رہنمائی کرنے والوں پر، سلام ہو ان پر کہ جو ان سے محبت کرے تو خدا اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے دشمنی رکھے خدا اس سے دشمنی رکھتا، ہے سلام ہو ان پر کہ جو انکی معرفت کرلے وہ خدا کو پہچان لیتا ہے اور جو ان سے ناواقف ہو وہ خدا سے ناواقف ہوتا ہے جو ان سے تعلق رکھے وہ خدا سے تعلق رکھتا ہے اور جو ان سے الگ رہے وہ خدا سے الگ رہ جاتا ہے۔ میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ میری صلح اس سے ہے جس سے آپکی صلح ہو اور میری جنگ اس سے ہے جس سے آپکی جنگ ہو۔ میں آپکے ظاہر و باطن پر ایمان رکھتا ہوں، اس بارے میں خود کو آپکے سپرد کرتا ہوں۔ خدا لعنت کرے آل محمد (ع) کے دشمنوں پر جو جن وانس میں سے ہیں، میں خدا کے سامنے ان سے بری ہوں اور خدا محمد اور ان کی آل (ع) پر رحمت کرے۔[1]

اسی لئے اللہ نے ان کو نعیم فرمایا ہے:

﴿لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾.

اس روز تم سے نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔[2]

جب اللہ نے جناب آدم (ع) کو ان کے اسماء بتانے کا حکم فرمایا اور انہوں نے ان کا تعارف کرایا تو فرشتے اس نعمت کو سمجھ گئے۔ چنانچہ آدم (ع) نے اللہ کے واسطے سے اس کے اسماء بیان کیا تو فرشتوں حقائق اسماء کو آدم کے ذریعے پہچان لیا اور انہیں بتایا گیا کہ یہ صرف الفاظ و معانی نہیں، بلکہ حقائق ہیں۔ پھر فرشتے یہ ان اسماء کو سمجھ گئے تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ آدم (ع) کی خلقت ان کے لئے خدا کی ایک عظیم نعمت تھی، کیونکہ فرشتے کسی حد تک رحمت مطلقہ کو جانتے تھے، لیکن جب آدم (ع) کی تخلیق ہوئی تو ان کے

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ الخطیب: ج2،ص608،التہذیب،کامل الزیارۃ،الکافی۔
[2] ۔ التکاثر:8۔

سامنے رحمت مطلقہ کی نسبت تجلی کی صورت اور واضح ہو گئی، لہٰذا اب ان کے سامنے رحمت مطلقہ کی حقیقت اپنی معرفت کی عاجزی کے مطابق واضح ہوئی۔

زمین پر شرک، کفر اور توحید کے درمیان انسانیت کا کردار:

توحید کے اندر عدل یعنی کسی بھی چیز کو بغیر افراط و تفریط کے اپنی جگہ رکھنا نہایت ضروری ہے اور دونوں صورتیں یعنی افراط و تفریط باطل ہیں۔ کیونکہ افراط کی صورت میں انسان توحید کے حدود میں کمی کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ دائرہ توحید سے خارج ہوتا ہے، اس لئے کہ اللہ کی معرفت سے انکار خود اس سے انکار کرنا ہے اور اللہ کی معرفت ہی اسی سے ہوتی ہے جن ہستیوں کے ذریعے وہ اپنے مخلوق کو اپنی متوجہ کراتا ہے، لہٰذا وہ ہستیاں انبیاء اور اولیاء (ع) ہیں۔ افراط واقع میں کفر، شرک اور جو بغیر توضیح کے اعتقاد رکھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ کفر کا مطلب حقیقت چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کا ہے، لہٰذا افراط کرنے والے یہ لوگ حقیقت انبیاء اور اولیاء (ع) کو چھپاتے اور اس پر پردہ ڈالتے ہیں اور اس سے انکار کرتے ہیں، پس وہ کافر ہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ حقیقت ہے جس سے اللہ کی معرفت ہوتی ہے۔[1] پس یہ سارے حقیقت میں اللہ کے انکاری ہیں اور جوں جوں یہ سلسلہ آگے بڑھے کا ان کے کفر کے درجے میں اضافہ ہو جائے گا۔ سب سے کم مرتبہ حقیقت انبیاء اور اولیاء (ع) سے انکاری ہے، کیونکہ پھر انسان اس سے معرفت خدا کے مراتب اور مراتبِ کمال کو کھوتا ہے، اس لئے کہ وہ ان ہستیوں کی عظیم حقیقت سے انکار کر کے اللہ کی نسبت جہل و نادانی کے وادی میں گر جاتا ہے، کیونکہ ان ہستیوں کے واسطے سے ہی اللہ کی معرفت ہوتی ہے۔ جب انسان ان کی ولایت سے خارج ہوتا ہے تو وہ اللہ کی ولایت سے خارج ہوتا ہے اس کا مطلب ہے وہ اللہ کی ولایت کے انکاری ہے کیونکہ یہ معرفت خدا سے ہٹنے کا راستہ ہے، لہٰذا جب وہ اللہ تک پہنچانے والے راستے سے منہ موڑا ہے اور شیطان کے راستے کو اختیار کیا ہے تو صرف اللہ پر ایمان کا دعوی کرنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ مثال کے طور پر وہاں پر ایک کھیت ہے اور ایک طرف کچرے کا ڈھیر ہے۔ ایک نمبر کا راستہ کھیت کی طرف جائے گا جبکہ دو نمبر کا کچرے کے ڈھیر کی طرف جائے گا، پھر آپ نے دیکھا ایک شخص دو نمبر پر چل رہا ہے اور کہہ رہا ہے میں کھیت کی طرف جا رہا ہوں تو آپ کیا کہو گے؟ میرے خیال میں آپ کم از کم یہ تو کہو گے نا کہ یہ آدمی جھوٹا ہے اور یہ نہ صرف حقیقت کو چھپا رہا ہے، بلکہ اس سے انکار کر رہا ہے اور دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسی طرح افراط بھی شرک ہے، کیونکہ جو کوئی اللہ کی حجتوں انبیاء اور اوصیاء (ع) کے ساتھ دوسروں کو برابر سمجھتا ہے گویا وہ وجہ اللہ اور اس کے اسمائے حسنیٰ کو عام مخلوق کے برابر دیتا ہے۔ اس لئے یہ ہستیاں اللہ کی صورت اور مخلوق کے اندر اسمائے حسنیٰ ہیں، لہٰذا اس کے طرح برابر کرنے سے کم از کم انسان کمال اور معرفت خداوندی کے فقدان کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن ان ہستیوں

---

[1] كُلُّ مَنْ عَلَيْها فَانٍ۔وَيَبْقىٰ وَجه رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْإِكْرَامِ۔ الرحمن: 27-26۔

کے برابر میں دوسروں کو سمجھنے کا بڑگناہ یہ ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق جہل کا شکار ہو جاتا ہے،اس لئے ان ہستیوں کے بارے میں جہالت اللہ کے بارے میں جہل کے مترادف ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ دوسروں کو شامل کرنا ہر اعتبار سے شرک ہے جیسا کہ ان کی معرفت سے انکاری کفر کے زمرے میں آتا ہے۔[1]

مگر تفریط انسان کو شرک بناتا ہے کیونکہ وہ انبیاء اور اوصیاء(ع) کو الوہیت مطلق اور اللہ سے مستقل بے نیاز سمجھتا ہے۔ یہ کفر بھی ہے کیونکہ اس سے انسان حقیقت خداوندی کو چھپا رہا ہوتا ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ اللہ اپنے مخلوق کے برابر سمجھتا ہے جس کی کوئی مثل نہیں ہے اور اس کے سوا سب کے مخلوق ہیں:

﴿فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجاً يَذْرَأُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾۔

(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے،اسی نے خود تمہاری جنس سے تمہارے لیے ازواج بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے،اس طرح سے وہ تمہاری افزائش کرتا ہے،اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔[2]

کیونکہ انسانیت روئے زمین پر شرک، کفر کے ان چار مراتب میں گھومتی رہتی ہے، کیونکہ اللہ کے مخلص بندوں انبیاء واوصیاء(ع) اور ان کے پیروکار اور ان کے علوم الٰہیہ سے فیض حاصل کرنے والوں کے علاوہ سارے بنی آدم ان چار مراتب میں اس وقت تک سرگرداں رہتے ہیں جب تک ایمان کے دس مراتب تک نہیں پہنچے۔ مسیر انسانیت پر چلنے والے ان افراد کی تعداد کم ہے کیونکہ ان کو اولیاء نے معرفت الٰہیہ نہیں دی ہیں کیونکہ انہیں منع کیے جانے کی وجہ سے انہوں نے انبیاء اور اوصیاء(ع) سے روایت نہیں کی ہیں۔[3] جہاں کوئی انسان یہاں تک کہ ان پر ایمان لانے والے بھی اس معرفت کے بوجھ کو برداشت نہیں کر پاتا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان صرف دو حروف پہنچے ہیں۔ آج لوگوں کے درمیان امام زمان(ع) پر ایمان رکھنے اور اپنے اہل وعیال کو اس وقت امام(ع) کے ساتھیوں میں شامل کرنے کے لئے ستائیس حروف ہیں۔ پس جو کوئی ان کے انکاری ہیں وہ امام(ع) کے انکاری ہیں۔ اب ہم مختلف ادیان ومذاہب میں سے ان خرافات کے چند مثال کو بیان کرتے ہیں جن کی وجہ سے لوگ اللہ کے حدود سے افراط وتفریط کرنے کی وجہ سے ب مکمل شرک وکفر مبتلا ہوتا ہے۔

حدودِ توحید میں افراط:

---

[1]۔ ایسا نہیں ہے کہ ہرکفر اور شرک انسان کو ایمان کے پھندے سے نکالتا ہو۔
[2]۔ الشوریٰ:11۔
[3]۔ضمیمہ1 پر ملاحظہ کریں۔

سب سے پہلے وہابی مذہب کی مثال لیتے ہیں جو اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اکرم (ص) کو صرف اللہ تعالیٰ سے الفاظ کو نقل کرنے والا سمجھتے ہیں، لیکن محمد (ص) کی روح اور اس کی حقیقت ان کی زندگی کے لئے اس دنیا میں کوئی فائدہ نہیں دیتی ہے ،اور آپ (ص) کے ملأ اعلیٰ کی طرف انتقال کے بعد تو ان کا یہ اعتقاد ہے کہ آپ (ص) کا کسی کو نقصان، نفع، شفاعت، تعلیم دینا وغیرہ سب کو واضح شرک اور اسلام سے خارج ہونا ہے، یہاں تک ان کی جہالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ احکام، ضروریات دین اور قرآن کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور جو کوئی لا إله إلا الله محمد رسول الله کہنے کے ساتھ یہ اعتقاد رکھے کہ رسول اللہ (ص) انتقال کے بعد اللہ کے حکم، طاقت و قوت سے اس دنیا میں کسی کو نفع، نقصان اور شفاعت دے سکتے ہیں تو انہیں قتل کرنا حلال جائز سمجھتے ہیں۔ جبکہ کوئی عیسائی یا یہودی ذمی جو بلاد مسلمین میں رہتا ہو اور وہ ذمی شرائط پر عمل پیرا ہو تو اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا خون بہانا دین اسلام میں حرام ہے اسی طرح ان کے دین میں بھی ایسا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس چیز سے غافل ہیں کہ نفع، نقصان اور شفاعت کرنا اس دنیا کے اندر عام طور سے اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ دنیا کی یہ زندگی انبیاء اور اوصیائے مرسلین (ع) کے ثابت ہے اور زندہ ہیں، کیونکہ یہ ہستیاں تمام مخلوق پر گواہ ہیں اور انہوں نے اپنی خود پسندی کو اللہ کے راہ میں قتل کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاء عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾۔

اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں قطعاً انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔[1]

اور جو یہ کہتے ہیں کہ وہ یہ ہستیاں اللہ کے ہاں زندہ نہیں، اور نہ ہی رزق پا رہے رہے ہیں، یعنی یہ انبیاء اور اوصیاء (ع) پر تہمت لگاتے ہیں، تو پھر وہ اس بات کا کیسے اقرار کرتے ہیں کہ جو کوئی ان کے جھنڈے تلے قتل ہو جائے اور وہ اللہ کے ہاں زندہ ہے، اور یہ ہستیاں پیشوایان اور صاحبان علم ہیں؟

چنانچہ انبیاء اور اوصیاء (ع) تو اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے پاس قدرت بھی ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے ملنے والی ان کی روح کی تاثیر اس دنیاوی جسم پر زیادہ موثر ہے، کیونکہ یہ خدائے عالم مھیمن کی جانب سے ہے لہٰذا اس دنیا کے اندر صرف اسی کا ہی حکم باقی رہے گا۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ * لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ * يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ * وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّن دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾۔

---

[1]- آل عمران:169۔

اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ پاک ہے (ایسی باتوں سے) بلکہ یہ تو اللہ کے محترم بندے ہیں۔ وہ تو اللہ (کے حکم) سے پہلے بات (بھی) نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو ان کے روبرو اور جو ان کے پس پردہ ہیں اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کی ہیبت سے ہراساں رہتے ہیں۔ اور ان میں سے جو کوئی یہ کہدے کہ اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیتے ہیں، چنانچہ ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔[1]

لہٰذا یہ ہستیاں زندہ ہیں اور اللہ کی قدرت سے جو طاقت ان کو عطا ہوئی ہے اللہ کے اذن اور حکم سے انجام دیتے ہیں، اسی اللہ نے ہمیں ان کو اپنے لئے وسیلہ بنانے کا حکم دیا ہے:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوراً﴾۔

جن (معبودوں) کو یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ قریب ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خائف بھی، کیونکہ آپ کے رب کا عذاب یقیناڈرنے کی چیز ہے۔[2]

بلکہ ہم ان سے طلب کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس گناہوں کی بخشش کے لئے ہماری شفاعت کریں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً﴾۔

اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے تھے تو اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے۔[3]

لیکن جو ان کی تاثیر اور قدرت کو ان کی اس دنیا کے اندر جسمانی وجود تک محدود سمجھتے ہیں تو وہ حقیقت امر سے جاہل ہیں اور وہ اللہ کے ہاں زندہ ہونے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں، جبکہ اللہ ان کو استعمال کرتا ہے کیونکہ یہ ہستیاں اللہ کے کارمند ہیں، یہ ان کے ذمے داری جو انجام دیتے ہیں، جیسا کہ جبرئیل امین اللہ کے ہاں زندہ ہے اور وہ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف سے تفویض کردہ ذمے داریوں کو انجام دیتا ہے۔ لہٰذا جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ محمد (ص) اپنے وفات وانتقال کے بعد اللہ کے حکم سے نفع

---

[1]۔ الانبیاء:29-26۔
[2]۔ الإسراء:57۔
[3]۔ النسآء:64۔

ونقصان کے مالک ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں پر شرک کا الزام لگانا درست نہیں ہے۔اس لئے کہ جبرئیل بھی اللہ کے ہاں زندہ ہے اور وہ تو روح ہے اور اس دنیا میں اللہ کے حکم نفع ونقصان کے مالک رہا اور رہے گا۔

پھر یہ لوگ توحید خالص سے واسطے کو نہیں مانتے ہیں، جبکہ خود ان کے عقائد کے اندر ایسے مختلف اقسام کے شرک اور کفر موجود ہیں جن کے بارے قرآن کریم نے صریح منع کیا ہے۔ چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور ان کے درمیان کے کوئی واسطہ یا شفاعت کرنے والا نہیں ہو، اور جو کوئی ان کے اور اللہ کے درمیان واسطہ قرار دے تو وہ مشرک اور کافر ہو گا۔ لیکن وہ اس بات سے غافل ہیں کہ یہ سب شیطان کے نظریات ہیں جس نے آدم (ع) کو اللہ کے سامنے شفیع قرار دینے سے انکار کیا تھا۔ اگرچہ شیطان اللہ کی عبادت کرتا تھا، بلکہ وہ کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں کے سردار کے طور پر مشہور تھا، لہٰذا اس نے اللہ کی عبادت سے انکار نہیں کیا تھا، لیکن اس نے آدم (ع) کو سجدہ کرنے اور اسے اپنا قبلہ قرار دینے سے انکار کیا تھا، لہٰذا شیطان نے آدم (ع) کو اللہ کے سامنے اپنا واسطہ اور شفیع بنانے سے انکار کیا۔ یہی جہالت آج یہ لوگ کر رہے ہیں، یہ تو بالکل وہی پرانی شیطانی موقف ہے، کیونکہ ان کے پاس دین اور توحید کے بارے میں کوئی سمجھ بوجھ نہیں ہے اور انہوں نے رسول اللہ (ص) کو برباد کیا ہے اور اس میں سے ذرہ برابر بھی نہیں سمجھا ہے۔ اے کاش! وہ کم از کم انبیاء اور مرسلین (ع) کے بارے میں مطالعہ کرتے، قرآن کریم کو تدبر کے ساتھ پڑھتے، پس وہ چند دنیاوی علوم کو پڑھ کر سارے علوم کا دعوی کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ کی خلقت سے ہی اللہ نے انہیں بالاتر رکھا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ (ص) خود فرماتے ہیں کہ وہ عالم ارواح کو عالم اجسام سے اس طرح جدا کرتے ہیں جیسا کہ اس سے کوئی تعلق ہی نہیں، لہٰذا انبیاء اور اوصیاء (ع) کی ارواح کے اندر نفع، نقصان اور شفاعت کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ اگر وہ اللہ کتاب میں غور کرتے تو انہیں جناب عیسیٰ (ع) کا اپنے اوپر اور اللہ کا جناب یحییٰ (ع) کرنا واضح ہو جاتا۔ جیسا کہ جناب عیسیٰ (ع) حالت یوں بیان ہوئی ہے:

﴿وَالسَّلامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيّاً﴾۔

اور سلام ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں وفات پاؤں گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔[1]

اور جناب یحییٰ (ع) کی حالت کو یوں بیان کیا:

﴿وَسَلامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيّاً﴾۔

اور سلام ہو ان پر جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن انہوں نے وفات پائی اور جس دن انہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔[2]

---

[1]- مریم:33۔
[2]- مریم:15۔

اگرچہ جناب عیسیٰ(ع) کا مقام جناب یحییٰ(ع) سے بلند ہے۔

پس وہ آیات قرآنی کے اندر غور کرتے تو جان جاتے کہ جناب عیسیٰ(ع) اس بلند مقام تک پہنچے کہ جو خود اپنی ذات اور دوسروں پر سلام اور ان کے امان دینے کے قابل ہوئے۔ لہٰذا وہ ایسے شفیع ہیں جو بلند مرتبے کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں میں مقبول شفاعت ہیں۔ لیکن جناب یحییٰ(ع) پر صرف اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے، پس جناب عیسیٰ(ع) ان کے جاہلوں کے نزدیک کوئی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ جبکہ اللہ نے انہیں اپنے اوپر سلام بھیجنے اور خود امان دینے کے قابل قرار دیا ہے، اس وجہ سے وہ اللہ کے حکم سے سلام اور امان دیتے ہیں کیونکہ در حقیقت وہی اللہ سلام اور امان دینے والا ہے۔ پس جناب عیسیٰ(ع) اللہ کی جانب سے تفویض کردہ سلام وامان عطا کرتا ہے، ورنہ وہ کسی دوسرے کو کس طرح امان قرار دے سکتا ہے۔ اس تفویض کی علت یہ ہے کہ جناب عیسیٰ(ع) اللہ کے ذریعے ہی اس کی تجلی ہیں، پس عیسیٰ(ع) اللہ کا نور ہیں:

وبطلعتك في ساعير وظهورك في جبل فاران.

تیری نورانیت کے ذریعے جناب عیسیٰ کی مناجات کی جگہ اور تیرے نور کے ظہور کے ذریعے کوہ فاران میں سوال کرتا ہوں۔[1]

وہابیوں کا توحید اور انبیاء اور اوصیاء(ع) کے وسیلے اور شفاعت سے نکار کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً * أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُهِيناً﴾۔

جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور رسولوں کے درمیان تفریق ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور وہ اس طرح کفر وایمان کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔[2]

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انبیاء اور اوصیاء(ع) کے مقام وکردار کے مسئلے کو چھوڑنا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ تو اس وقت سے ہوا ہے جب اللہ تعالیٰ نے جناب آدم(ع) کو خلق فرمایا تو سب سے پہلے انکاری اور ان کی اہمیت کو نہ ماننے والا ابلیس لعین تھا جس نے جناب آدم(ع) کو سجدہ کرنے اور انہیں اپنا قبلہ ماننے سے انکار کیا تھا۔ شیطان نے اللہ نے اللہ کا انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی

---

[1] دعائے سمات۔
[2] - النساء:151-150-

وہ اللہ کی عبادت سے انکاری تھا، لیکن اس نے آدم (ع) کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور ان کے فضل اور انہیں اللہ تک پہنچنے کے لئے قبلہ، شفیع اور واسطہ ماننے سے انکار کیا۔ اب یہاں پر کہا جاسکتا ہے کہ ابلیس وہابیوں کی توحید پر ان سے پہلے قائم تھا، یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اسی نے انہیں اس راہ میں ڈال دیا ہے، لہٰذا اولیاء (ع) کا انکار کرنے میں وہ اس کے بہترین محب اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح انداز میں بیان کیا ہے، لہٰذا کوئی بھی عاقل انسان قرآن میں تدبر کرتا ہے وہ شیطان اور وہابیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں پاتا ہے۔ بلکہ وہابیوں نے نہ صرف مقام انبیاء واوصیاء (ع)، ان کی شفاعت اور انہیں اللہ کا قبلہ ماننے سے انکار کیا جن کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلاً﴾۔

اور (یہ بات بھی) یاد کریں جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنات میں سے تھا، پس وہ اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہو گیا، تو کیا تم لوگ میرے سوا اسے اور اس کی نسل کو اپنا سرپرست بناؤ گے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ یہ ظالموں کے لیے برا بدل ہے۔[1]

بلکہ وہ اللہ کے حجتوں کے انکاری بننے میں ابلیس سے بھی آگے نکلے، لہٰذا انہوں نے اللہ کے حجتوں آل محمد (ع) کے مقدس آستانوں کو منہدم کیا جو مقام رحمت و برکت الٰہی ہیں، جس سے آل محمد (ع) کے ساتھ ان کے بغض و حسد نمایاں ہوتا ہے اور ابلیس کے ساتھ ان کی شباہت بھی عیاں ہو جاتا ہے۔ جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿قُلْ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾۔

کہدیجئے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے۔ الشوریٰ: 23۔

چنانچہ آل محمد (ع) کے آستانوں کو گرانے والوں سے زیادہ ان کے ساتھ بغض و حسد کرنے والے اور کون ہو سکتا ہے جن کی مودت کے لئے اللہ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ لہٰذا اولیاء اللہ کے انکار بننے میں ان کے ابلیس کی پیروی کرنے میں اللہ کا یہ قول کافی ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيناً﴾۔

اور (یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے کہا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟[1]

---

[1]۔ الکھف: 50۔

پس اُدھر ابلیس لعین اپنے اور اللہ کے درمیان جناب آدم (ع) کو شفیع، واسطہ اور قبلہ رکھنے پر راضی نہیں ہوا، اِدھر یہ گمراہ اور گمراہ کرنے والے نہ صرف آل محمد (ع) کو اللہ کے اولیاء اور شفیع، واسطے اور قبلہ ماننے سے انکاری ہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں مانتے ہیں کہ آل محمد (ع) کے مزاروں کی زیارت کرنے والوں پر اللہ کی رحمت و برکت بھی نازل ہوتی ہے جن سے مودت کرنے اللہ نے قرآن کریم میں مسلمانوں سے سوال کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقاً مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾.

اور بتحقیق ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا گمان درست پایا اور انہوں نے اس کی پیروی کی سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔[2]

ہر عاقل کو یہ تدبر کرنا چاہیے کہ کیا انبیاء اور اوصیاء (ع) کے اللہ کے خلفاء ہونے سے انکاری میں ابلیس کی پیروی کرنے میں وہابیوں سے زیادہ کوئی اور ہیں؟ چنانچہ وہ اللہ کے حجتوں سے بغض و دشمنی کرنے کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کرتے ہیں:

1: اللہ کے سامنے کسی مخلوق کی شفاعت پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔

2: کسی مخلوق کے واسطے سے اللہ کے اذن سے قضائے حاجات پر اعتقاد رکھنا شرک ہے۔

مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ اور معبود کے درمیان واسطے پر اعتقاد رکھنے کو شرک سمجھتے ہیں، وہ اس کے عقیدے کو نہیں مانتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر وہ ابلیس کا آدم (ع) کے بارے میں موقف پر غور کریں تو انہیں اپنے اس موقف اللہ سامنے انکارِ واسطہ اور قبلہ کے درمیان ذرہ برابر فرق نہیں پاتے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيناً﴾.

اور (یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے کہا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقاً مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾.

اور بتحقیق ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا گمان درست پایا اور انہوں نے اس کی پیروی کی سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔

---

[1]- الإسراء:61-

[2]- سبأ:20-

مزید توضیح کیٔ لئے یہ وہ بعض نکات ہیں جن سے طالبانِ حق سے شبہ رفع ہو جائے اور اس سے شاید وہ اس بات کی طرف متوجہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے مخلوق کے سجدہ کرنے کا حکم دے کر اپنے اور اس کے درمیان واسطہ قرار دیا، اور شاید وہ اس سجدے سے انکار نہیں کریں گے اور زمین پر اللہ کے خلیفہ کے کردار کو اعتراف کریں گے کہ وہ اللہ کے سامنے واسطہ اور سفارش کرنے والی وہ ذات ہے جو کبھی نہ مر سکتی ہے اور نہ ہی فنا ہو گی، لہٰذا جب تک ان ہستیوں کے حقائق باقی ہیں اس وقت تک ان کی شفاعت بھی باقی رہے گی، اب یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ واسطہ یعنی اللہ کے خلیفہ کے انکار کرنے میں ابلیس کی پیروی چھوڑ کریں گے۔

چنانچہ میں مندرجہ موارد میں اللہ پر توکل کرتا ہوں:

1: ڈاکٹر کے پاس جانا اور دوائی استعمال کرنا اللہ کے ساتھ شرک نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ اگر اللہ نہ چاہے تو یہ دونوں انسان کے لئے کوئی نفع نہیں گے، بس جس طرح ڈاکٹر اور دوائی کے اندر کے انسان کے لئے نفع کا امکان موجود ہے اسی طرح روح کی نسبت بھی یہی ہے، لیکن ڈاکٹر اس مرتبہ انبیاء کے ارواح ہیں جبکہ دوائی وہ کمال ہے جو وہ اپنے چاہنے والوں کو دیتے ہیں، لہٰذا ان کی طرف توجہ کرنا کوئی شرک نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ صرف اللہ کی اجازت سے ہی انسان کو نفع دیتے ہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے جیسا وہ جہل وانکار کی وجہ سے ان سے منہ موڑتے ہیں۔ یہ ہستیاں دراصل ارواح کی شفاء کے اسباب ہیں جو ایسا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیگر مخلوق کے لئے اپنا خلیفہ بناتے ہوئے عطا کیا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائیں، اور یہ مقام و مرتبہ کوئی بھی ان سے نہیں چھین سکتا، مگر یہ ابلیس نے سب سے پہلے آدم (ع) کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

2: اور اگر اللہ نہ چاہے تو یہ ہستیاں بھی کسی کوئی نفع نہیں دے سکتے، جیسا کہ اللہ نہ چاہے تو ڈاکٹر یا دوائی بھی نفع بخش نہیں، اسی ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کی طرف دعاؤں کے ذریعے متوجہ ہوں۔ جس ڈاکٹر چاہتا ہے کہ مریض کو فائدہ ہو۔ لہٰذا یہ ہستیاں صرف اور صرف اللہ ہی کی اجازت سے نفع اور شفاعت کر سکتی ہیں۔

3: جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر صرف ارواح کے طبیب انبیاء اور اوصیاء (ع) کی طرف متوجہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہی ہستیاں اللہ کے بغیر نفع دیتی ہیں تو پھر وہ مشرک بنے گا، اسے یہ ہستیاں ذرہ برابر نفع نہیں دے پائیں گی:

﴿يَوْمَئِذٍ لا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلاً﴾۔

اس روز شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔[1]

[1]۔ طہ:109۔

﴿وَلا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾۔

اور اللہ کے نزدیک کسی کے لیے شفاعت فائدہ مند نہیں سوائے اس کے جس کے حق میں اللہ نے اجازت دی ہو، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے پریشانی دور ہو گی تو وہ کہیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہیں گے: حق فرمایا ہے اور وہی برتر، بزرگ ہے۔[1]

3: جو کوئی شرک سے بچنے کے لئے ان سے منہ موڑ دے اور یہ دعوی کرے کہ وہ بلا وسطہ اللہ سے رابطہ کر سکتا ہے، تو پھر یہ موقف بالکل ابلیس کی ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ وہ ان کے اس مقام کے انکاری ہو جائے گا جسے اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے اور وہ حکمِ خدا کے انکاری ہو جائے گا جو اللہ کی رحمت اور عبادت سے ابلیس لعین کی طرف دور ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام صادق(ع) فرماتے ہیں:

فأول من قاس إبليس واستكبر، والاستكبار هو أول معصية عصي الله بها، قال: فقال إبليس :يا رب اعفني من السجود لآدم وأنا أعبدك عبادة لم يعبدكها ملك مقرب ولا نبي مرسل، فقال الله: لا حاجة لي إلى عبادتك، إنما أريد أن تعبد من حيث أريد لا من حيث تريد، فأبى أن يسجد فقال الله تبارك وتعالى: اخرج منها فإنك رجيم وإن عليك لعنتي إلى يوم الدين.

سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور اکڑ گیا ہے، اور استکبار وہ پہلی معصیت ہے جس کے ذریعے شیطان نے اللہ کی معصیت کی۔ شیطان نے کہا: پروردگارا! مجھے آدم کو سجدہ کرنے سے معاف کر دو، کیونکہ میں نے تیری ایسی عبادت کی ہے جو کسی مقرب فرشتے اور نہ کسی نبی مرسل نے نہیں کی ہے۔ اللہ نے فرمایا: مجھے تیری عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں تو ایسی عبادت کرو جو میں چاہتا ہوں نہ کہ جو تو چاہو۔ پھر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم یہاں سے نکل جاؤ، اور تجھ پر تا قیامت میری لعنت ہو گی۔[2]

5: یقیناً جو کچھ بہت ساری کتابوں اور قرآن کریم میں بیان ہوا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انبیاء اور اوصیاء(ع) معبود اور عابد کے درمیان ایک حتمی اور لازمی واسطہ ہے جس میں بندوں کا کوئی اختیار نہیں ہے، کیونکہ ان اولیاء(ع) کا مقام و مرتبہ بندوں سے بلند ہے، لہٰذا بندوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان سے گزر کر اللہ تک پہنچیں۔

---

[1]۔ سبأ:23۔

[2] بحار الانوار: ج11، ص141، ج6، ص247۔

کل کے خوارج اور آج کے وہابی:

خوارج کا علی ابن ابی طالب (ع) کے خلاف بلکہ اسلام سے خروج کرنے کی بنیادی وجہ ان کا یہ مشہور قول تھا:

لا حكم إلا لله۔

حکم صرف اللہ کا چلے گا۔

ان کا یہ نعرہ ایسا واضح فریب دینے والا ہے جس سے وہ عرب جاہل دھوکہ کھاتے ہیں جن کو حدیث کی کوئی ہی فہم نہیں تھی:

﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْراً وَنِفَاقاً وَأَجْدَرُ أَلّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾۔

یہ بادیہ نشین بد کفر و نفاق میں انتہائی سخت ہیں اور اس قابل ہی نہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے ان کی حدود کو سمجھ سکیں اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔[1]

چنانچہ خوراج کا یہ نعرہ "حکم صرف اللہ کا ہے" درست ہے کہ حکم تو صرف کا ہی ہے۔ یہ لوگ ظاہرہ عبادت میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور زیادہ تر مساجد اور محافل میں نماز پڑھتے تھے، لیکن ان کے عقائد کے لئے یہ جاننا کافی ہے کہ انہوں امام علی (ع) کے خلاف جنگ نہروان برپا کیا اور اس جنگ بہت سارے لوگ تو قتل ہوئے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے دین اسلام کو نہیں سمجھا۔ ہم یہاں پیغمبر اکرم (ص) کی دو حدیثیں بیان کرتے ہیں جو پہلے خوارج اور زمانہ آخر کے وہابی کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

پہلی حدیث:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قال:بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقسم قسماً، إذ أتاه ذوالخويصرة وهو رجل من بني تميم، فقال:يا رسول الله اعدل، فقال: ويلك ومن يعدل إذا لم اعدل ؟ قد خبت وخسرت إن لم أكن أعدل. فقال عمر:يا رسول الله ائذن لي فيه فأضرب عنقه، فقال: دعه فإن له أصحاباً يحقرأحدكم صلاته مع صلاتهم، وصيامه مع صيامهم،يقرؤون القرآن،لا يجاوزتراقيهم،يمرقونمن الدين كما يمرق السهم من الرمية، ينظر إلى نصله فلا يوجد فيه شيء، ثم ينظر إلى رصافه فلا يوجد فيه شيء، ثم ينظر إلى نضيه وهو قدحه فلا يوجد فيه شيء، ثم ينظر إلى قذذه فلا يوجد فيه شيء،قد سبق الفرث والدم آيتهم رجل أسود إحدى عضديه مثل ثدي المرأة أو مثل البضعة تدردر،ويخرجون على حين فرقة من الناس. قال أبو سعيد: فأشهد أني سمعت هذا الحديث من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأشهد أن علي بن أبي طالب قاتلهم وأنا معه. فأمر

[1]۔التوبۃ: 97۔

بذلك الرجل فالتمس فأتي به حتى نظرت إليه على نعت النبي صلى الله عليه وسلم الذي نعته۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ (ص) کی خدمت میں موجود تھے اور آپ (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے اتنے میں بنی تمیم کا ایک شخص ذوالخویصرہ نامی آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! انصاف سے کام لیجئے۔ یہ سن کر آنحضرت (ص) نے فرمایا: افسوس! اگر میں ہی انصاف نہ کروں تو دنیا میں پھر کون انصاف کرے گا۔ اگر میں ظالم ہو جاؤں تب تو میری بھی تباہی اور بربادی ہو جائے۔ حضرت عمر نے کہا: حضور! اس کے بارے میں مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں۔ آنحضرت (ص) نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کے جوڑ کے کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ تم اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل ناچیز سمجھو گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے زوردار تیر جانور سے پار ہو جاتا ہے۔ اس تیر کے پھل کو اگر دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز نظر نہ آئے گی پھر اس کے پٹھے کو اگر دیکھا جائے تو چھڑ میں اس کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر جو لگا یا جاتا ہے تو وہاں بھی کچھ نہ ملے گا۔ اس کے نفی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ نشان نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کے پر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ حالانکہ گندگی اور خون سے وہ تیر گزرا ہے۔ ان کی علامت ایک کالا شخص ہو گا۔ اس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح (اٹھا ہوا) ہو گا یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گا اور حرکت کر رہا ہو گا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے بہترین گروہ سے بغاوت کریں گے، ابو سعید خدری نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ (ص) سے سنی تھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب (ع) نے ان سے جنگ کی تھی (یعنی خوارج سے) اس وقت میں بھی حضرت علی (ع) کے ساتھ تھا۔ اور انہوں نے اس شخص کو تلاش کرایا (جسے آنحضرت (ص) نے اس گروہ کی علامت کے طور پر بتلایا تھا) آخر وہ لایا گیا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس کا پورا حلیہ بالکل آنحضرت (ص) کے بیان کئے ہوئے اوصاف کے مطابق تھا۔[1]

آخری زمانے کے خوارج (وہابی) کے بارے میں دوسری حدیث:

عن سويد بن غفلة، قال:قال علي: إذا حدثتكم عن رسول الله فلإن أخرّ من السماء أحب إلي من أن أكذب عليه، وإذا حدثتكم فيما بيني وبينكم فإن الحرب خدعة، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يأتي في آخر الزمان قوم حدثاء الأسنان، سفهاء الأحلام، يقولون من خير قول البرية يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية، لا تجاوز إيمانهم حناجرهم، فأينما لقيتموهم فاقتلوهم، فإن قتلهم أجر لمن قتلهم يوم القيامة۔

سوید بن غفلہ نے بیان کیا کہ حضرت علی (ع) نے کہا، جب تم سے کوئی بات رسول اللہ (ص) کے حوالہ سے میں بیان کروں تو یہ سمجھو کہ میرے لیے آسمان سے گر جانا اس سے بہتر ہے کہ میں آنحضرت (ص) پر کوئی جھوٹ باندھوں البتہ جب میں اپنی

[1]۔صحیح البخاری:البخاری، ج4، ص179۔

طرف سے کوئی بات تم سے کہوں تو لڑائی تو تدبیر اور فریب ہی کا نام ہے۔ میں نے رسول اللہ (ص) سے سنا ہے کہ آپ (ص) فرماتے تھے کہ آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو چھوٹے چھوٹے دانتوں والے، کم عقل اور بیوقوف ہوں گے۔ باتیں وہ کہیں گے جو دنیا کی بہترین بات ہوگی۔ لیکن اسلام سے اس طرح صاف نکل چکے ہوں گے جیسے تیر جانور کے پار نکل جاتا ہے۔ ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، تم انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو، کیونکہ ان کے قتل سے قاتل کو قیامت کے دن ثواب ملے گا۔[1]

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خوارج کے مرکزی خیال اور ان کے مقصد "لا حكم إلا لله" کی تحلیل کریں کہ یہ کس طرح وہابی توحید کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ لوگ آخری زمانے کے خوارج ہیں۔ چنانچہ جب امیر المومنین (ع) نے خوارج کا یہ نعرہ سنا تو فرمایا: كلمة حق يراد بها باطل، نعم إنه لا حكم إلا لله، ولكن هؤلاء يقولون لا إمرة إلا لله، وإنه لا بد للناس من أمير بر أو فاجر يعمل في إمرته المؤمن، ويستمتع فيها الكافر، ويبلغ الله فيها الأجل، ويجمع به الفيء، ويقاتل به العدو، وتأمن به السبل، ويؤخذ به للضعيف من القوي حتى يستريح به بر ويستراح من فاجر .وفي رواية أخرى أنه (ع) لما سمع تحكيمهم، قال: (حكم الله أنتظر فيكم (وقال) أمّا الإمرة البرة فيعمل فيها التقي، وأما الإمرة الفاجرة فيتمتع فيها الشقي إلى أن تنقطع مدته وتدركه منيته۔

یہ ایک کلمہ حق ہے جس سے باطل معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بیشک حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حکومت اور امارت بھی صرف اللہ کے لئے ہے حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ نظام انسانیت کے لئے ایک حاکم کا ہونا بہر حال ضروری ہے چاہے نیک کردار ہو یا فاسق کہ حکومت کے زیر سایہ ہی مومن کو کام کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور کافر بھی مزے اڑا سکتا ہے اور اللہ ہر چیز کو اس کی آخری حد تک پہنچا دیتا ہے اور مال غنیمت و خراج وغیرہ جمع کیا جاتا ہے اور دشمنوں سے جنگ کی جاتی ہے اور راستوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور طاقتور سے کمزور کا حق لیا جاتا ہے تاکہ نیک کردار انسان کو راحت ملے اور بد کردار انسان سے راحت ملے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کو تحکیم کی اطلاع ملی تو فرمایا: "میں تمہارے بارے میں حکم خدا کا انتظار کر رہا ہوں" پھر فرمایا: حکومت نیک ہوتی ہے تو متقی کو کام کرنے کا موقع ملتا ہے اور حاکم فاسق و فاجر ہوتا ہے تو بدبختوں کو مزہ اڑانے کا موقع ملتا ہے یہاں تک کہ اس کی مدت تمام ہو جائے اور موت اسے اپنی گرفت میں لے لے۔[2]

اس نعرہ "لا حكم إلا لله" کا مطلب دراصل اللہ کی حاکمیت ہے، یعنی اس کے فرض کو بلند کرنا، یعنی اللہ کی حاکمیت کے علاوہ کسی کو قبول نہیں کرنا، اور قانون الٰہی کے مطابق کے مطابق اللہ کی جانب سے معین حاکم کی اتباع کرنا، لہٰذا جو کوئی اس شعار کو بلند کرے گا اور اللہ کی جانب سے منصوب حاکم کے حامی ہوگا تو یہ دراصل اس شعار "لا حكم إلا لله" کا مطلب ہے، پھر تو یہ

---

[1] صحيح البخاری: البخاری، ج4، ص179۔
[2] نہج البلاغۃ: ج1، ص91۔

عین توحید کا پیغام ہے۔ لیکن خوارج اللہ کی اس حاکمیت کو نقض کر کے پیش کیا ہے اور انہوں نے یہ اللہ کا خلیفہ، وصی اور اللہ کی جانب سے منصوب علی (ع) کے خلاف استعمال کیا، لہٰذا یہ ظاہری کلام میں اللہ کے انکاری نہیں ہیں، صرف علی (ع) کے مخالف ہیں، لیکن اگر قدرے غور کیا جائے تو ان کے اس شعار کے اندر بالکل واضح انداز میں ابلیس کا موقف نظر آتا ہے جس نے بھی اگرچہ اللہ کے لئے سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ تو اس کی کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں کا سربراہ تھا، لیکن اس نے صرف اللہ کے خلیفہ آدم (ع) کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

امام علی (ع) کے جواب ان کے اس مقصد کے اندر موجود نقض کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ انسانی معاشرے کے اندر نظام زندگی چلانے کے لئے کسی قانون اور اس قانون کو چلانے والا کوئی حاکم ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جب قانون الٰہی اور اللہ کی جانب سے منصوب متقی حاکم کو نہیں مانا جائے گا تو بلاشبہ اس کی جگہ جعلی قانون اور طاغوت حاکم آجائے گا، کیونکہ امر واقع ان دونوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اسی امام (ع) نے فرمایا:

وإنه لا بد للناس من أمير بر أو فاجر۔

اور کہ نظام انسانیت کے لئے کسی ایک حاکم کا ہونا بہر حال ضروری ہے چاہے وہ نیک کردار ہو یا فاسق۔

اب ہم ان تینوں نظریات کو پیش کرتے ہیں:

ابلیس:

جس نے آدم (ع) کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ یعنی جناب آدم (ع) کو اللہ کا خلیفہ ماننے سے انکار کیا اور انہیں اپنے اللہ کے درمیان واسطہ قبول کرنے سے انکار کیا۔

خوارج:

جنہوں نے اللہ کی جانب سے منصوب حاکم کو ماننے سے انکار کیا جہاں انہوں نے "لا حكم إلا لله" کا نعرہ بلند کیا، وہ صرف اللہ کی امارت کو مانتے ہیں، انہوں نے اللہ کسی انسان کو اللہ خلیفہ اور اپنے اللہ کے درمیان کسی واسطہ ماننے سے انکار کیا، اور اسی توحید اور شرک نہ کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔

وہابی:

یہ لوگ بھی کسی انسان کو اللہ خلیفہ اور اپنے اللہ کے درمیان واسطہ ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اسی توحید اور شرک نہ کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔

اب ان تینوں نظریات کے درمیان کے کیا فرق ہے؟

اگرچہ قدرے دقّت کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خوارج اور ابلیس کے درمیان مندرجہ بالا توضیح کے بعد کوئی فرق نظر نہیں آتا، لیکن میرے خیال سے وہابی کے موقف بھی وہی ابلیس کا ہی موقف ہے، لہٰذا اگر ہم وضاحت کرنا بھی چاہیں تو ان تینوں کے نظریات کے درمیان خاطر خواہ فرق نہیں ہے۔

حدودِ توحید میں تفریط:

اب ہم نصاری کی مثال پیش کرتے ہیں اس کے وہابیوں کی طرف آتے ہیں۔

نصاری جو اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں، انہوں نے اللہ کے نبی جناب عیسیٰ (ع) جو اللہ کا ایک بندہ ہیں کے لئے الوہیت اور غنی مطلق قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے پاس موجود اناجیل میں چند کلمات ہیں جیسا کہ جناب عیسیٰ (ع) کا یہ قول کہ " میرا باپ اور بیٹا" کو پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس قول کے اندر میں انہوں نے تاؤیل کر ڈالی ہیں، کیونکہ اس سے مراد باپ اور بیٹے کی صفات ہیں نہ ان کی ذات، یعنی رحمت، مدارت اور تربیت وغیرہ مراد ہے۔ جہاں تک عطا کرنے کا تعلق ہے تو ایسی قربانی جو عموماً باپ اپنے بیٹے کے لئے دیتا ہے اور یہ دراصل خدا کی صفات میں سے ہے اور خداوند عالم کی ذات میں پدرانہ صفت اپنی بے نیازی کے ساتھ موجود ہے اور اسی طرح پسرانہ صفت دراصل اللہ ہی کی صفت ہے جس کی وجہ سے بیٹا باپ کی اطاعت کرتا ہے اور یہ سلسلہ انبیاء اور اوصیاء کی جانب اللہ کی نسبت بھی ہے۔ خداوند عالم اپنے بندے سے یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے پاس سے سب کچھ عطا کرے، اسی لئے وہ اپنے کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

أنا حي لا أموت وقد جعلتك حياً لا تموت، أنا أقول للشيء كن فيكون وقد جعلتك تقول للشيء كن فيكون۔

میں زندہ ہوں، مجھے موت نہیں ہے اور میں تجھے بھی زندہ رکھا سو نہیں مروگے، جب میں کسی چیز کے لئے حکم دیتا ہوں کہ ہو جاؤ! تو وہ ہو جاتا ہے، اور میں تجھے ایسا بنایا ہے کہ کسی کو کہو کہ ہو جاؤ تو وہ جائے گی۔[1]

یہ دراصل مخلوق میں صفت الوہیت ہے، یعنی انسان اپنی محتاجی کے ساتھ الوہیت کے کچھ صفات کے حامل ہوتا ہے۔ کیونکہ "یہ انسان زندہ ہے نہیں مرتا اور وہ چیز کے لئے حکم دے کہ ہو جاؤ تو وہ ہو جائے" یہ الوہیت کی صفات ہیں، لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے محتاج بھی قرار دیا ہے، لیکن اللہ کی ذات کو کبھی فناء نہیں، وہ ہمیشہ رہے گا، اسے کبھی بھی موت نہیں ہو گی، وہ کسی چیز کو کہے ہو جاؤ تو وہ بغیر کسی محتاج یا ضرورت کے ہو جائے گی۔ یہ دراصل وہ واضح فرق ہے جو مخلوق کا صفاتِ الوہیت سے متصف ہونا۔ یا وجہ اللہ یا ید اللہ یا جناب عیسیٰ (ع) کی مناجات کی اللہ کی نورانیت یا کوہ فاران میں اللہ کا ظہور۔[2] جس کی مثال اس کے خاص اولیاء محمد (ص) اور عیسیٰ (ع) ہیں جو حقیقی الوہیت مطلق محصور اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں۔

---

[1] الجواهر السنية: الحر العاملی: ص363، بحار الانوار: ج90، ص376۔

[2] اللہ فرماتا ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ: بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ: وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ القیامۃ: 23-22۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ: بتحقیق جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ یقینا اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ بطلعتک فی ساعیر وظهورک فی جبل فاران: ساعیر میں نورانیت اور فاران میں تیرے ظہور کے واسطے۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾۔

وہ لوگ یقیناکافر ہو گئے جو کہتے ہیں: مسیح بن مریم ہی خدا ہیں جبکہ خود مسیح کہا کرتے تھے: اے بنی اسرائیل تم اللہ ہی کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، بتحقیق اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔[1]

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾۔

بتحقیق وہ لوگ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں: اللہ تین میں کا تیسرا ہے جبکہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہیں آتے تو ان میں سے کفر کرنے والوں پر دردناک عذاب ضرور واقع ہو گا۔[2]

﴿أَفَلا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾۔

آخر یہ لوگ اللہ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور مغفرت کیوں نہیں مانگتے؟ اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔[3]

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآياتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾۔

مسیح بن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ (راستباز خاتون) تھیں، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، دیکھو ہم کس طرح ان کے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو یہ لوگ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔[4]

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾۔

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں (کے نظام) درہم برہم ہو جاتے، پس پاک ہے اللہ، رب عرش ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔[5]

---

[1] المائدۃ:72۔
[2] المائدۃ:73۔
[3] المائدۃ:74۔
[4] المائدۃ:75۔
[5] الأنبیاء:22۔

اللہ سبحانہ ایک ہی ہے، باقی سب اس کے مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں کے جواب میں فرمایا جنہوں نے کہا کہ اللہ کا ایک بیٹا ہے جو اس سے جدا ہوا ہے یا اس سے پیدا ہوا ہے یا اس سے نکلا ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ایسا لاہوت مطلق ہے جو لاہوت مطلق سے نکلا ہے یا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان مخلوق ممکن ہے ترقی کر کے لاہوت مطلق تک پہنچ جائے۔ یعنی یہ اس انسان کی حقیقت لاہوت مطلق ہو گی کیونکہ وہ لاہوت مطلق کا حصہ ہے۔ اس طرح سے ان کی سوچ کے مطابق وہ لاہوت مطلق ہو گا جو ناسوت اور جسم میں نازل ہوا ہے یا لوگوں کے درمیان ان میں سے ایک بنا ہے اور یہ انسان اللہ کا بیٹا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ غیر عامل علماء کی جانب سے بنایا گیا یہ عقیدہ باطل ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی رحمت کے ذریعے ان سے اس عقیدے کے بارے میں خطاب فرمایا اور انہیں ان کے عقیدے کے اندر موجود نقص واضح طریقے سے بیان فرمایا:

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾۔

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کا بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی شریک زندگی نہیں ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔[1]

﴿أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ﴾۔

کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی شریک حیات ہی نہیں ہے۔

یہ وہ واضح نقص ہے جس کے بارے میں جس کے اللہ نے ان کو بتایا ہے لہٰذا اس کو رد کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے ایک بیٹا ہے اور یہ بیٹا لاہوت مطلق ہے یعنی وہ کامل مطلق اور ایسا غنی مطلق ہے جو دوسروں کا محتاج نہیں ہے۔ پھر اگر وہ کہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے یہ بیٹا پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں لڑکا باپ کے مطابق مکمل طور سے ہو گا۔ اس سے غض نظر کہ حقیقت بسیط مطلق قابل تعدد نہیں ہے۔ تو پھر کس معنی اور کس حکمت سے یہ صدور ممکن ہے اور اختلاف اور تغیر کے باوجود یہ کیسے ممکن ہو گا؟ پھر کہنا درست ہو گا کہ باپ حکیم نہیں ہے تاکہ اس سے صادر ہو یا وہ کوئی بیٹا پیدا کرے تو اس سے اللہ کو کیا فائدہ ہو گا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اختلاف، تمایز یا اختلاف کے باوجود جیسا کہ آج کل کے عیسائی کہتے ہیں کہ تین ذاتوں (خدا، خداوند مسیح، جبریل) مختلف ہیں۔ اس صورت میں تو ایک دوسری لاہوت کا وجود لازمی ہے یعنی بیوی، تاکہ ان دونوں سے بیٹا پیدا ہو جو ان دونوں سے مختلف ہو۔ تو کیا یہ کہا جائے کہ دوسری لاہوت یعنی بیوی کا وجود لازمی

[1] الانعام:101-

ہے۔[1] پس یہ بات جان لیناضروری ہے کہ بیٹاہونے کی صورت میں ایک دوسری لاہوت یعنی بیوی کاہونالازم آتاہے، ورنہ بیٹاکا ہوناباطل ہوجائے گااس لئے کہ اس کی وجود کے لئے ابتداء سے ہی دوسری وجود لاہوت یعنی بیوی کاہونالازمی امر ہوگااور اللہ کے ساتھ ابتداء سے ہی کسی اور وجود کاہوناممکن ہے، کیونکہ لاہوت مطلق ایک بسیط حقیقت ہے جس کے اندر تعدد ممکن نہیں ہے:

﴿أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ﴾.

کیونکر ہوسکتاہے جبکہ اس کی کوئی شریک حیات ہی نہیں ہے۔

جیساکہ اللہ تعالیٰ کارشادہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذاً لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾۔

اللہ نے کسی کو بیٹانہیں بنایااور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگرایساہوتاتوہر معبود اپنی مخلوقات کولے کر جداہوجاتااور ایک دوسرے پر چڑھائی کردیتا، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔[2]

یعنی اگر تم لوگ اس طرح سے اپنے وہم کو تین ذاتوں یا تین اصول کے وجود پر مرتب کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو باپ اور دوسری لاہوت مطلق یعنی اس کی بیوی کے ذریعے بیٹے کے قائل ہو، پھران دونوں سے تیسری لاہوت مطلق یعنی تیسری ذات روح القدس پیداہواہے۔ پھراس صورت میں تواللہ سبحانہ کے ساتھ ابتداسے ہی دوسری لاہوت کی بات ہوگی، توکیاان دونوں کے درمیان فرق ہے یاپھر یہ دونوں ایک ہے؟ اگران دونوں کوایک ماننے کی صورت میں وہی سابقہ نقص لازم آئے گا کیونکہ ان دونوں سے نکلنے والادونوں میں سے ہرایک کے ساتھ مطابق ہوگا۔ جوان کے درمیان فرق کے قائل ہیں توایک دوسری الوہیت مطلق نکل جائے گی جواپنی نقص ہوگا، پھر فرق صرف کمال مطلق میں ہوتاہے:

﴿وَلَعَلا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾۔

اورایک دوسرے پر چڑھائی کردیتا، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

اب جہاں تک علمائے غیر عامل کی بات ہے توانہوں خود فطرت کے خلاف بات کی ہیں اور الٹے پاؤں پھر گئے ہیں جواللہ کے لئے بیٹاہونے قائل ہیں اور اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں:

---

[1] یہ ایک فطری اور عقلی امر ہے کہ حقیقت بسیط سے کوئی دوسری چیز کا نکلنا ممکن نہیں ہے اور نہ اس کے لئے اقسام،اجزاء اصول اور تین مختلف ذاتوں کا ہونا ممکن ہے۔اس لئے کہ اس طرح حقیقت مرکب میں ہوتا ہے اور دلالت ترکیب محتاج ہوتاہے جب اللہ غنی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر حقیقت بسیط مطلق ہونے کوئی مختلف چیزجداہونے کی صورت میں ایک حقیقت بسیط مطلق درکار ہوگی ،جوکہ محال ہے،کیونکہ حقیقت بسیط مطلق واحد ہی ہوتا ہے،جس کے اندر تعدد نہیں ہوتا۔

[2]۔ المومنون:91۔

﴿أَلا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ * وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾۔

آگاہ رہو! یہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ کر کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد پیدا کی اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔[1]

اگر وہ اللہ کی فطرت کی طرف لوٹ جاتے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرتے تو وہ اپنے آپ کو اس آشکار ہلاکت سے بچا لیتے اور ایسی نادانی باتیں نہ کرتے، کیونکہ انسان نادانی میں جھوٹ ہی بولے گا:

﴿إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾۔

یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ فرماتا ہے:

﴿وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَداً * مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِباً﴾۔

اور انہیں تنبیہ کرے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے۔ اس بات کا علم نہ انہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو، یہ بڑی (جسارت کی) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، یہ تو محض جھوٹ بولتے ہیں۔[2]

اور اللہ تعالی نے یہاں بھی ابتداء سے لاہوت مطلق کے اندر تعدد ہونے کی نفی کی ہے۔ پھر ان کے عقیدے کا کیا حال ہوگا:

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَداً سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لا تَعْلَمُونَ﴾۔

وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے، تمہارے پاس اس بات پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے، کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں؟[3]

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَداً سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾۔

وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے وہ بے نیاز ہے۔

جو کوئی لاہوت مطلق میں تعدد کے قائل ہے اس میں نقص ہے چاہے بیٹا مانے یا کوئی صورت کو قبول کرے جو راہ راست سے ہٹا دے۔ کیونکہ اللہ نے حکمت اور بیوقوفی کے درمیان فرق کرنے صلاحیت انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے:

---

[1]۔الصافات:152-151-

[2]۔الکھف:5-4-

[3]۔یونس:68-

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾۔

پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی۔[1]

پس جو کوئی اس میزان کو استعمال کرے گا وہ کہے گا کہ بغیر کسی فرق کے ایک سے زیادہ لاہوت ہونے کو قبول بیوقوفی ہے کیونکہ اس کے اندر کوئی حکمت ہی نہیں ہے۔اس کے علاوہ فرق والی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نقص ہے جبکہ اللہ اسے سے بے نیاز ہے:

﴿سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾۔

اللہ کی ذات بے نیاز ہے۔

کیونکہ لاہوت میں فرق کا ہونا ہی کمال ہے لہٰذا دوسروں میں نقص اور محتاجی ہے، پس یہ کہنا کہ اللہ کے علاوہ لاہوت مطلق ہے باطل ہو جاتی ہے۔

لیکن جہاں تک انسان کے ارتقاء کا سوال ہے تو اللہ نے اسے خلق کیا ہے اور اس کے اندر ایسی فطرت رکھی ہے جو اسے ارتقاء کی طرف جا سکتی ہے تاکہ وہ اسمائے اللہ اور اس کی صورت اور تجلی تک پہنچ جائے اس اللہ مخلوق میں اپنا ظہور دکھادے لیکن انسان جتنی بھی ترقی کرے لیکن وہ ہر گز لاہوت مطلق نہیں بن سکتا اور نہ ہی غنی مطلق ہو سکتا ہے، بلکہ وہ ہمیشہ اللہ ہی کا محتاج رہے گا۔جیسا کہ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾۔

اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے، اللہ جسے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے۔[2]

لہٰذا یہ تیل اپنی طرف سے روشنی نہیں دیتا ہے کہ وہ لاہوت مطلق ہو جائے کیونکہ اللہ کے علاوہ سارے اس کے مخلوق ہیں اور وہ اللہ کے محتاج ہیں:

﴿مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾۔

اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ (باتوں سے) پاک ہے، جب وہ کسی امر کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس سے فرماتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔[3]

---

[1]۔الشمس:8۔
[2]۔النور:35۔
[3]۔مریم:35۔

اور اور سننے والوں کے لئے قرآن کریم میں مذکورہ اس نقص کے اندر نشانی موجود ہے کہ مانے کہ اللہ کے علاوہ باقی سارے لاہوت مطلق نہیں ہیں۔

مگر یہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اللہ کی وحدانیت کے ساتھ تین مختلف ذاتوں کا اللہ کے ساتھ جوڑنا کہ جن کے عقیدے کے مطابق اللہ کے ساتھ باپ اور بیٹے کے رشتہ قائم کرنا کسی بھی صورت میں نا قابل قبول ہے جو کوئی بیوقوف ہی کر سکتا ہے۔[1]

ورنہ واحد تعدد اور فرق میں اپنے اجزاء کے ساتھ احدیت میں کیسے جمع ہو سکتا ہے جبکہ انہیں اجزاء بھی نہ کہا جائے۔ لہٰذا مذکورہ بالا باتوں کے اندر قدرے غور کیا جائے تو باطل ہو جاتی ہیں اگرچہ اپنی تئیں کیوں نہ سمجھتے ہو۔ اس لئے کہ اللہ ایسا نور ہے جہاں کوئی اندھیرا ہی نہیں جبکہ سارے کائنات کے نور کے اندر اندھیرا شامل ہے یہ ایسی موجودات ہیں جو اللہ کے نور سے ہی ظاہر ہوئی ہیں ۔اس لئے یہ کہا جا سکتا کہ اللہ مخلوق میں حلول رکھتا ہے یا اس کائنات کے اندر وہ مخلوق میں ظہور رکھتا ہے۔ جیسا کہ ان کا دعوی ہے کہ جناب عیسیٰ (ع) کے بارے میں کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ وہ باقی نہیں رہے اور فناء ہو جائے جبکہ ایک ہی نور باقی رہے گا جس میں اندھیرا نہیں ہے۔ یعنی کوئی بھی مخلوق باقی نہیں رہے گا بلکہ صرف اور صرف اللہ کی ذات کے لئے بقاء ہے جو ایسا نور ہے جس میں کوئی ظلمت کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لئے ہم بار بار کہا کہ محمد (ص) لاہوت اور انسانیت کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اس میں کوئی یہ شک نہ کرے کہ اللہ بغیر ظلمت والا نور ہے وہ کائنات کے مخلوق کے اندر حلول کر جائے۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ نور کے ظہور کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے اندر جو اللہ کا نور ہے وہ فناء ہو جائے لیکن جو باقی رہے گا وہ اللہ کا ہی نور ہے جس کے اندر کسی قسم کی ظلمت کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

توریت اور انجیل کے مطابق " لاہوت مطلق انسان کے اندر حلول کرتا ہے" کی حقیقت۔

کلام:

بابائے آرتھوڈکس شانزدہ سوم اپنی کتاب لاہوت مسیح کہتا ہے:

فصل اول: اس کا لاہوت تیسری ذات کے مرکز میں ہے لوجس یعنی کلام۔

پہلے یوحنا میں آیا ہے کہ "ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا"

[1] اس لئے کہ وہ ہمیشہ کہتے ہیں کہ ثالوث عقل کے ذریعے درک نہیں کیا جاسکتا ،لیکن اس ایمان رکھنا واجب ہے۔

لاہوت کے بارے میں یہ بات مکمل ہے۔

جواب:

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ جناب عیسیٰ(ع) عبد ہے، وہ لاہوت مطلق نہیں ہے، مزید اس حوالے سے انجیل مضبوط آیت آئے گی۔[1]

اس قسم کے بیان وغیرہ کی یہ تفسیر کرنا درست نہیں ہے کہ جناب عیسیٰ(ع) لاہوت مطلق ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ جناب عیسیٰ(ع) یا یسوع(ع) ایسا نور نہیں بن سکتا جس میں ظلمت نہ ہو، بلکہ اس کے نور کے اندر ظلمت کی گنجائش موجود ہے، پھر اس صورت میں وہ بھی ایک مخلوق ہی ہے جو لاہوت مطلق اللہ کی طرف محتاج ہے۔

کلام کی تفسیر:

''ابتداء میں کلام تھا'' ۔چونکہ لاہوت مطلق کے لئے تو کوئی ابتداء ہی نہیں، ابتداء تو مخلوق کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ یسوع یعنی جناب عیسیٰ(ع) ایک مخلوق ہے۔ہاں! یہاں پر مخلوق سے مراد مخلوق اول یا عقل اول ہو سکتا ہے تو اس حوالے سے بحث ممکن ہے کہ کیا جناب عیسیٰ(ع) ہی پہلا کلام ہے؟ یا پھر وہ اللہ کے دوسرے کلام میں سے ایک کلام ہے؟ اس کے بعد حدیث کا دوسرا حصہ:

''کلام خدا کے ساتھ تھا''۔چونکہ لاہوت مطلق ایک غیر مرکب حقیقت ہے کیونکہ اس کے بارے ترکیب کا خیال کرنا باطل ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ ''کلام خدا کے ساتھ تھا'' کہ کلام ہی لاہوت مطلق ہے یعنی لاہوت مطلق کا مرکب ہونا لازم آتا ہے۔ یہ عقیدہ[2] کہ کلام ہی خدا ہے یعنی اللہ کلام ہے اور اسی طرح کلام اللہ ہے، اور مرکب بھی نہیں ہے، ایسی بات ہے جس کے اندر کوئی حکمت نہیں، جو بیوقوفی کی بات ہے، کیونکہ یہ کہنا درست نہیں کہ چیز خود چیز ہے۔

---

[1] مگر اس دن اور اس وقت ان دونوں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا سوائے باپ کے۔ مرقس:13۔

[2] درحقیقت ان کا یہ عقیدہ نہیں ہے چونکہ وہ فرق کو مانتے ہیں، لہٰذا عقیدہ لاہوت کو ثابت کرنے کے پیچھے ان کے باتوں کے درمیان حد درجہ اختلاف ہونے کی وجہ سے خود پریشانی میں ہیں۔

'' اور کلام خدا تھا''۔ یہاں پر شانزدہ کو بھی وہی شبہ ہوا ہے جو اس کے لوگوں کو ہوا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب کلام تو مخلوق ہے اور یہ لاہوت مطلق نہیں ہو سکتا، کیونکہ لاہوت مطلق صرف اور صرف اللہ کی ذات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر اللہ در مخلوق سے مراد اللہ کی صورت ہے جیسا کہ توریت یا عہد قدیم 26 میں آیا ہے:

''اللہ فرماتا ہے کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شباہت جیسی بنائیں گے''۔[1]

''پس اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر خلق کیا۔ اللہ کی صورت پر اس کے مخلوق ہے''۔[2]

عمانوائیل یا خدا ہمارے ساتھ ہے۔

7: اس لئے اب دیکھ خداوند دریائے فرات کے سخت شدید سیلاب کو یعنی شاہ اسور اور اس کی ساری شوکت کو ان پر چڑھائے گا اور وہ اپنے سب نالوں پر اور اپنے سب کناروں سے بہہ نکلے گا۔

8: اور وہ یہودا میں بڑھتا چلا جائے گا اور اس کی طغیانی بڑھتی چلی جائے گی۔ وہ گردن تک پہنچے گا اور اس کے پروں کے پھیلاؤ سے تیرے ملک کی ساری وسعت اے عمانوائیل! چھپ جائے گی

9: اے لوگو! دھوم مچاؤ پر تم ٹکڑے ٹکڑے کیے جاؤ گے اور اے دور دراز ملک کے ملکوں کے باشندو سنو! کمر باندھو! پر تمارے پرزے پرزے ہوں گے۔

10: تم منصوبہ باندھو! پر وہ باطل ہو گا۔ تم کچھ کہو اور اسے قیام نہ ہو گا کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔[3]

جی ہاں! خدا مومن امت کے ساتھ ہر زمانے میں اللہ کے خلیفہ کے پیروکار کے ساتھ ہوتا ہے۔

22: یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو گیا۔

23: دیکھو ایک کنواری لڑکی حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گا اور وہ اس کا عمانوائیل رکھیں گے۔[4]

---

[1] توریت: پیدائش1۔
[2] توریت: پیدائش 1۔
[3]: عہدنامہ قدیم، ایسعیاہ8، عہدنامہ قدیم وجدید:ج1،
[4]: انجیل متی:کتاب1۔ عہدنامہ قدیم وجدید۔

اللہ کا خلیفہ اس کی زمین پر اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔اس لئے خدا کا ہاتھ، خدا کا چہرہ ہونے وجہ سے وہ مخلوق کے اندر خدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ لاہوت مطلق نہیں ہوتا، بلکہ ایک محتاج مخلوق ہوتا ہے اور ایسا نور بھی نہیں ہوتا جس میں ظلمت نہ ہو، بلکہ اس نور کے اندر ظلمت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ عہد جدید کے تمام اعمال ورسائل کے اندر میں علمائے غیر عامل کو کوئی انسان ثابت نہیں ہوا ہے جو لاہوت مطلق ہو۔ لیکن وہ صرف اپنے تئیں تاویلات کر کے اپنے مطلب کے مراد لیتے ہیں، اگرچہ خود انہی رسائل اور اعمال کے ان کے باتوں کے خلاف مضبوط دلائل موجود ہیں کہ جناب عیسیٰ(ع) یا یسوع(ع) ایک بندہ اور مخلوق ہیں۔ بلکہ عہد قدیم پر ایمان رکھنے والے اور دیگر سابقہ انبیاء کے اقوال کو ماننے والوں میں سے کسی نے جناب عیسیٰ(ع) یا یسوع(ع) لاہوت مطلق نہیں کہا ہے۔ بلکہ یہ بات تو سینکڑوں سالوں بعد اچانک 325ء میں ظہور ہوئی ہے۔[1]

اسی وقت سارے اس کے مخالف ہو گئے تھے اور اس کے نیکیا میٹنگ سے آج تک عیسائیوں کے درمیان کوئی ایک فرد بھی اس منحرف عقیدے کو قبول نہیں کرتا ہے۔

---

[1]۔شاہ قسطنطین اول نے اجلاس بلایا جہاں 20مئی 325 کو اجلاس منعقد ہوا جس میں شاہ قسطنطین نے ایک آریوس اور اس کے پیروکارون درمیان جبکہ دوسری جناب اسکندریہ چرچ اور کسندروس اول (بابااسکندریہ)کے درمیان یسوع کے بارے میں پیش آنے والی اختلافات کہ وہ رب کی خلقت ہے یا بشر کی خلقت ہے۔آریوس یسوع کی الوہیت کاانکاری تھا کیونکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک ایسا بھی وقت تھا جہاں یسوع کا وجود نہیں تھا،جبکہ وہ یہ اعتبار کرتاتھا کہ یسوع اللہ کے تمام مخلوقاتکے درمیان بزرگ بلند شان کا مالک ہے۔ اسی طرح روح القدس بھی اللہ کا مخلوق ہے۔ جبکہ اس طرف باباکسندروس اول اس بات کا اعتقاد رکھتا تھا کہ مسیح کی طفرت ہی اللہ کی فطرت ہے۔چنانچہ شاہ قسطنطین اول کی حمایت کے نتیجے میں بابائے اسکندریہ کسندروس کی رائے غالب آگئی اور آریوس کے دو اور راہبوں کو فیصلے پردستخط کرنے پر مجبورکیا،بعدازآں انہیں الیرا(حالیہ بلقان) کی طرف ملک بدرکیا گیا اور آریوس کی کتابیں جلائی گئی اور اس کے مذہب کو بدعت قرار دیا گیا،اس کے بعد سے اس کے ماننے والے مسیحی دشمن مشہور ہوگئے۔اس کے نتیجے میں الوہیت مسیح مطلق الوہیت کے طور پر قانون بن گیا اور چرچ اور حکومت کے درمیان تعلق قائم ہوگیا اور دینی حکومت کا وجود سامنے آیا۔اس کے تین صدیاں گزرنے کے بعد چرچ کے افکار میں ہرطرف سے دینی رجحان وجود میں آگیا جس میں سابقہ قسطنطینی رومانی دینی افکار درآئیں اور چرچ رومانی سلطنت کا مرجع بن گیا۔ یہ بات تقریبا چرچ کی تاریخ کے مطابق ہے،لہٰذا میرا نہیں خیال کوئی انصاف پسند محقق کسندروس اور قسطنطنین اور وثنی عقیدہ کے بارے غافل رہے۔اس کے بعد سے نصف علمائے مسیح آریوس کی تائید کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ خوف کا استعارہ بن چکا ہے۔لہٰذا جوکوئی قسطنطنین کے بارے نہیں جانتا وہ تاریخ کا مطالعہ کرے جس نے یورپ کے اندر تحریف شدہ مسیحی مذہب کوپھیلایا جنہوں نے بہت سارے لوگوں کو قتل وخون میں نہلادیا۔جبکہ آج کل کے علمائے مسیح اس خونخوار قسطنطنین کی تاریخ نظریں چراتے ہیں اور انہیں ایک آزاد فکر بناکر پیش کرتے ہیں۔اگرچہ یہ لوگ آریوس کی مخالفت کرتے ہیں جو مسیح کو ایک مخلوق سمجھتے ہیں۔یونانی متن کا ترجمہ: ہم ایک معبود پر ایمان رکھتے ہیں جوہرچیز پر قادر ہے، جو تمام مری اورغیر مری اشیاء کے خالق ہے،ہم ایک رب یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ کا بیٹا ہے جس کاایک باپ ہے یعنی جوہر باپ ایک معبود ہے،ایک نور ہے،معبودِ حق ہے، غیرمخلوق سے پیداہواہے،وہ جوہرمیں باپ کے برابر ہے جس کی وجہ سے ہم سارے بشرہیں،وہ ہمارے لئے نازل ہوا اور مجسم ہوا، ہمارے لئے خوش اورغم زدہ ہوتے ہیں، وہ تیسرے دن قائم ہوا جس کی وجہ سے سارے اشیاء زمین اورآسمان میں وجود میں آگئے،وہ آسمانوں پر چڑھے گا،روح القدس کی وجہ سے زندگی اورموت اس کے ہاتھوں میں ہیں۔مگر جویہ کہتے ہیں: کہ ایک ایسا بھی وقت تھا جہاں نیست تھا یہ بھی کہاجاتا ہے کہ وہ مولود تھا جب کچھ نہیں تھا۔وہ آگیا جہاں وہ موجود نہیں تھا یا وہ اللہ کے فرزند کے قائل ہیں کہ وہ ایک شخص یاکسی شخص کا جوہر،مخلوق،متحول یا متغیر تھا،،لیکن چرچ اس کے حرمت کے قائل ہے۔چنانچہ آریوس اوراس کی جماعت کے علاوہ باقی اکثریت نےاس ایمان پر دستخط کیا ہے۔جبکہ مصرکے بابائے آرتھوڈکس اپنی کتاب طبیعت مسیح میں کہتا ہے" آریوس لاہوت مسیح کامنکر تھا اور انہیں باپ سے کم جوہرایک مخلوق سمجھتا تھا جس کی جڑیں ابھی تک موجود ہیں یہاں تک کہ آریوس اوراس کے ماننے والے چرچ مقدس کی جانب سے عتاب وعقاب کا شکار رہے"۔ آرتھوڈکس کےزمانے میں مسیحی مذہب خاص طورسے مغرب میں بڑے پیمانے پر پھیل گیا تھا جو چرچ کے بہت ساری بدعتوں کو نہیں مانتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کلمہ ہی اللہ ہے اس کے علاوہ بدعت ہے۔ وہ اس بات کااقرار کرتے ہیں کہ لاہوت مسیح بدعت ہے لہٰذا بہت سارے لوگ آریوس اوراس کی جماعت کی حمایت کرتے ہوئے جناب عیسیٰ(ع) کو صرف ایک مخلوق سمجھتے ہیں جس کا تذکرہ علمائے مسیح کی کتابوں میں آیا ہے۔مطران بیشوی کی مسیحی مجامع میں آیا ہے کہ اس جلاس کے انعقاد کا مقصد دراصل آریوس کی بدعت کی وجہ سے تھا کیونکہ اسی کی وجہ سے استعمار تقسیم ہواتھا۔ چنانچہ325 میں منعقدہ اجلاس کے مطابق 16گواہ آریوس کے حق میں جبکہ 22 بابا کسندروس کے حق میں تھے۔

خدا جسم میں ظہور ہوتا ہے۔

یہ وہ پیغام ہے جس کے بارے میں بہت سارے غیر عامل علماء اس گمراہی کا شکار ہوئے ہیں کہ لاہوت مطلق میں جسم میں حلول کرتا ہے۔

1: پولس کی طرف سے جو ہمارے منجی خدا اور ہمارے امید گاہ مسیح یسوع کے حکم سے مسیح یسوع کا رسول ہے۔

2: تیمتھیس کے نام جو ایمان کے لحاظ سے میرا سچا فرزند ہے۔ فضل رحم اور اطمینان خدا باپ اور ہمارے خداوند مسیح یسوع کی طرف سے تجھے حاصل ہوتا ہے۔[1]

اس میں کلام نہیں کہ دینداری کا بھید بڑا ہے یعنی وہ کو جسم میں ظاہر ہوا اور روح میں راستباز ٹھہرا اور فرشتون کو دکھائی دیا اور غیر قوموں میں اس کی منادی ہوئی اور دنیا میں اس پر ایمان لائے اور جلال میں اوپر اٹھایا گیا۔[2]

سب سے اس قسم کا پہلا خط جناب عیسیٰ (ع) کو صرف ربوبیت کے عنوان سے دیا گیا ہے کہ یہ صفت کسی بھی نبی یا رسول کے اندر ہو سکتی ہے، اس حوالے سے وہ سب لوگوں کے پالنے والے ہو سکتے ہیں۔ جس طرح سے باپ اپنے کنبے کا پالنے ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ممکن ہے۔ پھر بھی یہ پیغام صرف اور خدا کے حکم سے ہی ہوتا ہے اور جناب عیسیٰ (ع) تو اللہ کے حکم مطابق اسی کام پر مامور ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو نافذ کرے۔ اس صورت میں یہ ثابت ہو گیا ہے جناب عیسیٰ (ع) کسی اور کا محتاج ہو گیا اور اپنے اندر نقص کا حامل ہو گیا، ورنہ پھر ان کا مامور ہونا کوئی معنی ندارد، اور انہیں کامل مطلق تصور کیا جائے تو پھر اس حکمت کے خلاف ہو جاتا ہے کہ ایک کامل مطلق کسی اور کامل مطلق محتاج ہوتا ہو۔ جہاں تک اس خط کے اندر متن کا تعلق ہے کہ ''اللہ کا جسم میں ظاہر ہونا''، یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ کا ظہور اور تجلی دیگر تمام کائنات اور مخلوق میں ہوتا ہے۔ لیکن اس قول کی خاص بات یہ ہے کہ جناب عیسیٰ (ع) ''مناجات میں اللہ کا نور ہے''، یعنی وہ خدا کا ہاتھ، خدا کا چہرہ، خدا کی صورت ہے۔ لیکن وہ ایک مخلوق عبد ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت اور صورت کے درمیان بڑا فرق ہے۔ پس اللہ کائنات کے مخلوق کے تجلی اور ظہور فرماتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں حلول فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ لاہوت مطلق ہو جائے یا پھر ہو سکتا ہے کچھ اللہ کے نور کی عظمت کی وجہ سے لاہوت مطلق ہو، لیکن وہ پھر بھی مخلوق ہی رہتا ہے اور اس کا نور اللہ کے نور کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے، اس طرح کچھ انسان دیگر مخلوق کی نسبت بلند مرتبے پر فائز بھی ہو جائے:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ﴾۔

---

[1] پولس کا تیمنتھینس کے نام پہلا خط3۔ عہدنامہ قدیم وجدید۔
[2]: پولس کا تیمنتھینس کے نام پہلا خط16 عہدنامہ قدیم وجدید۔

اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے۔[1]

کبھی وہ خود اپنے آپ کو روشنی دیتا ہے۔اس طرح جناب ابراہیم (ع) کو ابتداء اشتباہ ہو گیا یہاں تک اللہ نے انہیں حقیقت سے آگاہ فرمایا۔[2]

لیکن وہ ہمیشہ اپنے آپ کو روشن نہیں فرماتا۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

لم تسعني سمائي ولا أرضي ووسعني قلب عبدي المؤمن۔

میرے آسمان وزمین مجھ سے بڑے نہیں ہیں، لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں۔[3]

یعنی اللہ کا چہرہ اور اللہ کا ہاتھ کے بارے میں قرآن میں وارد ہوا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾۔

بتحقیق جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ یقینا اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔[4]

﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾۔

اور صرف آپ کے صاحب عزت وجلال رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔[5]

یہ ساری چیزیں توریت اور انجیل مقدس کی عبارتوں میں واضح بیان ہوئی ہیں۔

---

[1] النور:35۔
[2] تفصیل کے لئے کتاب متشابہات ملاحظہ فرمائیں۔
[3] بحار الانوار: ج55، ص39۔
[4] الفتح:10۔
[5] الرحمن:27۔

بیٹا۔

توریت اور انجیل میں آیا ہے کہ میر باپ تمہارا باپ ہے جو خدا کے بیٹوں کے باپ کا بیٹا ہے۔

4: اسی طرح رب الافواج فرماتا ہے اگرچہ وہ تعمیر کریں، پر میں ڈھاؤں گا اور لوگ ان کا یہ نام رکھیں گے شرارت کا ملک۔ وہ لوگ جن پر ہمیشہ خداوند لا قہر ہے۔

5: اور تمہاری آنکھیں گی اوگے کہ خداوند کی تمجید و تعظیم اسرائیل کی حدود سے آگے تک ہو۔

6: رب الافواج تم کو فرماتا ہے: اے میرے نام کی تحقیر کرنے والے کاہنو! بیٹا اپنے باپ کی اور نوکر اپنے آقا کی تعظیم کرتا ہے۔ پس اگر میں باپ ہوں تو میری عزت کہاں ہے؟ اور اگر آقا ہوں تو میرا خوف کہاں ہے؟[1]

21: اسی گھڑی وہ روح القدس سے خوشی میں بھر گیا اور کہنے لگا: اے باپا آسمان اور زمین کے خداوند! میں تیری حمد کرتا ہون کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔ ہاں اے باپ! کیونکہ ایسا ہی تجھے پسند آیا۔

22: میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی نہیں جانتا کہ بیٹا کون ہے سوا باپ کے اور کوئی نہیں جانتا کہ باپ کون ہے سوائے بیٹے کے اور اس شخص کے جس بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہیے۔

23: اور شاگردوں کی طرف مُتوجِہ ہو کر خاص اُن ہی سے کہا مُبارک ہیں وہ آنکھیں جو یہ باتیں دیکھتی ہیں جِنہیں تُم دیکھتے ہو۔

24: کیُونکہ میں تُم سے کہتا ہُوں کہ بہت سے نبیوں اور بادشاہوں نے چاہا کہ جو باتیں تُم دیکھتے ہو دیکھیں مگر نہ دیکھیں اور جو باتیں تُم سُنتے ہو سُنیں مگر نہ سُنیں۔[2]

1: اے خداوند کے بیٹو! خُداوند ہی کی تمجید و تعظیم کرو۔

2: خُداوند کی ایسی تمجید کرو جو اُس کے نام کے شایاں ہے۔ پاک آرایش کے ساتھ خُداوند کو سجدہ کرو۔[3]

1: وہ اِس بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب بَیٹھ گیا تو اُس کے شاگرد اُس کے پاس آئے۔
2: اور وہ اپنی زبان کھو لکر اُن کو یُوں تعلیم دینے لگا۔
3: مُبارک ہیں وہ جو دِل کے غریب ہیں کیُونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔

---

[1]۔ ملاکی1، عہدنامہ قدیم۔
[2]لوقا10، عہدنامہ جدید۔
[3]۔زبور29، عہدنامہ قدیم۔

4: مُبارک ہیں وہ جو غمگیں ہیں کیُونکہ وہ تسلّی پائیں گے۔

5: مُبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیُونکہ وہ زمین کے وارِث ہوں گے۔

6: مُبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھُوکے اور پیاسے ہیں کیُونکہ وہ آسُودہ ہوں گے۔

7: مُبارک ہیں وہ جو رحمدِل ہیں کیُونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا۔

8: مُبارک ہیں وہ جو پاک دِل ہیں کیُونکہ وہ خُدا کو دیکھیں گے۔

9: مُبارک ہیں وہ جو صُلح کراتے ہیں کیُونکہ وہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے۔

10: مُبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیُونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔

11: جب میرے سبب سے لوگ تُم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بُری باتیں تُمہاری نِسبت ناحق کہیں گے تو تُم مُبارک ہو گے۔

12: خُوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیُونکہ آسمان پر تُمہارا اجر بڑا ہے اِس لئے کے لوگوں نے اُن نبیوں کو بھی جو تُم سے پہلے تھے اِسی طرح ستایا تھا۔[1]

یہ وہ کلمات ہیں جو توریت اور انجیل میں آئی ہیں جن کے بارے میں ناداں اور غیر عامل علماء اشتباہ میں پڑ گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ کسی انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیٹا یا کسی انسان کو الوہیت مطلق ماننے پر تُلے ہوئے ہیں، جبکہ کسی بھی صورت میں نہ کسی انسان کے اندر الوہیت مطلق نہیں ہو سکتی ہے اور نہ اللہ کے لئے کوئی بیٹا ہونا درست ہے۔[2]

لہٰذا اگر انسان کھولے دل کے ساتھ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے چاہتا ہے تو اسے یہ نظر آئے گا کہ جناب عیسیٰ(ع) خود انہی کلمات کے ذریعے اللہ کی حمد وثناء کرتا ہے۔ اگر وہ انصاف کے ساتھ دیکھے تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ یہ کلمات ان تمام ہستیوں پر بھی منطبق ہوتے ہیں جو انبیاء، مرسلین اور اوصیاء(ع) اور تمام مخلوق پر اللہ کی حجتیں اور زمین پر اللہ کے خلفاء ہیں اور ہر خلیفہ اپنے زمانے میں اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے اور اس کے سوا کوئی اور اللہ کے بارے میں نہیں جانتا ہے اور وہ یہ بھی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ کی حجت اور خلیفہ کے حقیقی معرفت اسے ہی حاصل ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

وليس أحد يعرف من هو الابن إلا الآب ولا من هو الآب إلا الابن ومن أراد الابن أن يعلن له۔

بیٹے کو باپ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے، نہ ہی باپ کو بیٹے کے علاوہ کوئی جانتا ہے لہٰذا وہی اپنے باپ کو پہچانوائے گا۔ اسی بات کو پیغمبر اکرم(ص) ایک حدیث میں علی ابن ابی طالب(ع) سے وصیت میں فرماتے ہیں:

---

[1] انجیل، متی 5، عہدنامہ جدید۔

[2] کیونکہ کچھ جماعت اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کہتے ہیں، تو پھر کیا وہ حقیقت میں خدا کے بیٹے ہیں کہ انجیل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب عیسیٰ(ع) اللہ کا بیٹا ہے۔

يا علي ما عرف الله إلا أنا وأنت، وما عرفني إلا الله وأنت، وما عرفك إلا الله وأنا۔

اے علی! اللہ کو صرف میرے اور تیرے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے، اور مجھے اللہ اور تیرے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے، اور نہ ہی تجھے اللہ اور میرے علاوہ کوئی جانتا ہے۔[1]

اور یہ حقیقت بھی انسان کو جاننا چاہیے کہ سارے مخلوق اللہ تعالی کے عیال ہوتے ہیں، لہٰذا وہ ذات ان پر اس طرح شفقت فرماتی ہے جس ایک باپ اپنی اولاد پر کرتا ہے، بلکہ اللہ اپنے مخلوق پر اس بھی زیادہ رحم کرتا ہے جس طرح ایک ماں اپنے اکلوتے بیٹے پر کرتی ہے۔ لہٰذا ایک فطری امر ہے کہ اللہ کے مخلص بندے انبیاء، اوصیاء اور اولیاء (ع) تو اللہ تعالی کے محبوب ترین مخلوق ہیں، پس ان کی نسبت اللہ ان کے باپ سے زیادہ حق رکھتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی اسی طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح ایک نیک بیٹا اپنے کی کرتا ہے، وہ اس کی معصیت نہیں کرتے ہیں تو صورت یہ سارے اللہ کے بیٹے ہو گئے، لیکن یہ سب لاہوت مطلق نہیں ہیں، بلکہ اس کے محترم اور شکر گزار بندے ہیں۔ جیسا کہ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ﴾۔

اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ پاک ہے (ایسی باتوں سے) بلکہ یہ تو اللہ کے بندے محترم بندے ہیں۔[2]

﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَداً لاصْطَفَى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَانَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾۔

اگر اللہ کسی اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا، وہ پاکیزہ ہے، اور وہ اللہ یکتا، غالب ہے۔[3]

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ قرآن نے ان کے بارے میں واضح طور سے بیان کیا ہے:

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ﴾۔

اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے۔[4]

یعنی یہ سب ہستیاں اللہ کے مخلوق ہیں، یعنی اللہ کی تجلی، اللہ کی صورت ہے۔ جیسا کہ ان کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

أن الله خلق آدم على صورته۔

یہ کہ اللہ نے جناب آدم (ع) کو اپنی صورت پر خلق فرمایا۔[5]

---

[1] مختصر بصائر الدرجات: ص125۔
[2] الانبیاء: 26۔
[3] الزمر: 4۔
[4] النور: 35۔
[5] اصول کافی: ج1، ص134۔ کتاب توحید: ص103۔

اسی طرح انجیل میں بھی آیا ہے:

26: پھر خدا نے کہا: ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں گے۔[1]

اگرچہ یہ سب ہستیاں ہر گز نہیں ہیں، مگر ان کی طرف دیکھنا اللہ کی طرف دیکھنا ہے اور انہیں دیکھنا اللہ کو دیکھنے کی مانند ہے۔ جیسا کہ انجیل میں بھی آیا ہے:

8: مُبارک ہیں وہ جو پاک دِل ہیں کیُونکہ وہ خُدا کو دیکھیں گے۔
9: مُبارک ہیں وہ جو صُلح کراتے ہیں کیُونکہ وہ خُدا کے بیٹے کہلائیں گے۔[2]

اور قرآن میں بھی یہی بات ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ * إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾۔

بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے۔ وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔[3]

اور ابو صلت نے امام رضا (ع) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ص) فرماتے ہیں:

من زارني في حياتي أو بعد موتى فقد زار الله تعالى ودرجه النبي (ص) في الجنة أرفع الدرجات، فمن زاره في درجته في الجنة من منـزله فقد زار الله تبارك وتعالى.

جو کوئی میری زندگی میں یا میری موت کے بعد میری زیارت کرے گا تو گویا اس نے اللہ کی زیارت کی، اور جنت میں نبی (ص) کا درجہ سب سے بلند ہو گا، لہٰذ جو کوئی جنت میں آپ (ص) کے حجرے میں میں زیارت کرے گا، گویا وہ اللہ کی زیارت کرے گا۔

پھر میں نے پوچھا: فرزند رسول اللہ (ص)! اس خبر کا کیا مطلب ہے؟:

إن ثواب لا اله إلا الله النظر إلى وجه الله تعالى ؟

یقیناً لا الہ الا اللہ کا ثواب اللہ کے چہرے کی طرف دیکھنے کے برابر ہے۔

امام (ع) نے فرمایا:

---

[1]۔ انجیل، پیدائش 1، عہدنامہ قدیم۔
[2]۔ انجیل، متی 5، عہدنامہ جدید۔
[3]۔ القیامۃ: 23-22۔

يا أبا الصلت من وصف الله تعالى بوجه كالوجوه فقد كفر ولكن وجه الله تعالى أنبياؤه ورسله وحججه صلوات الله عليهم، هم الذين بهم يتوجه إلى الله عز وجل وإلى دينه ومعرفته۔

اے اباصلت! جو کوئی اللہ تعالی کے لئے عام چہروں کی طرح تصور کرے گا وہ کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا چہرا س انبیاء، رسل اور حجتیں (ع) ہوتے ہیں جن کے ذریعے اللہ، اس کے دین اور معرفت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ * يَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾۔

روئے زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف آپ کے صاحب عزت و جلال رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾۔

ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔[1]

آگے پھر ارشاد ہوا:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾۔

کہدیجئے: اگر رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔[2]

﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾:

کہدیجئے: اگر رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔

یعنی یہ محمد (ص) اللہ کے سب سے نزدیک ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب سے آپ (ص) کو خلق کیا، آپ (ص) ہی اللہ تعالیٰ کا پہلا بندہ ہیں، لہٰذا اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو محمد (ص) کیون نہ ہوتا، کیونکہ ان کے بقول اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے سب سے پہلے بیٹا یا کلام صادر ہوا ہے۔ لہٰذا محمد (ص) کہتا ہے کہ میں اللہ سے سب سے زیادہ قریب مخلوق ہوں، وہ یہ نہیں کہتا ہے کہ میں ایسا بیٹا ہوں جو اللہ سے صادر ہوا ہے۔ وہ اپنے آپ کو لاہوت مطلق نہیں کہلواتا ہے، بلکہ وہ کہتا ہے: میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور اللہ کے بندے کا بیٹا ہوں۔

---

[1]۔عیون اخبار الرضا: ج2، ص106۔
[2]۔الزخرف: 81۔

چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ﴾۔

اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ پاک ہے (ایسی باتوں سے) بلکہ یہ تو اللہ کے بندے محترم بندے ہیں۔[1]

لہٰذا جو کوئی حقیقت کی تلاش کے خواہاں ہے وہ دقت اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً * لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً * تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً * أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَداً * وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَداً﴾۔

اور وہ کہتے ہیں: رحمن نے کسی کو فرزند بنالیا ہے۔ بتحقیق تم بہت سخت بیہودہ بات (زبان پر) لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمن کے لیے فرزند (کی موجودگی) کا الزام لگایا ہے۔ اور رحمن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔[2]

---

[1]۔الانبیاء:26۔

[2]۔مریم:92-88۔

توریت اور انجیل کی عبارتیں جن میں اللہ ایک اور غیر مرکب ہے:

یہ وہ عبارتیں ہیں جن میں واضح طور پر اللہ کی وحدانیت موجود ہے، لہٰذا غیر عامل کو ان میں عبارتوں میں تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اپنے من پسند تفسیر کر کے اللہ کے مخلوق کو اللہ کے درجے تک لا سکتے ہیں۔

1: توریت کی عبارتیں (عہد قدیم)

39: پس آج کے دن تُو جان لے اور اِس بات کو اپنے دل میں جما لے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔[1]

4: سُن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔[2]

39: میں ہی وہ ہوں اور میرے ساتھ کوئی دیوتا نہیں۔[3]

6: میں ہی اوّل اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔[4]

24: میں خداوند سب کا خالق ہوں میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے والا اور زمین کو بچھانے والا ہوں کون میرا شریک ہے؟۔[5]

10: کیا میں ہی ایک خدا نہیں ہوں اور میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے؟ ایک وفادار اور مخلص خدا ہوں، میرے سوا کوئی نہیں ہے۔[6]

1: ایک خُداوند نہیں ہے جس نے ہم سبکو پیدا کیا؟۔[7]

2: خُداوند تیرا خُدا جو تُجھے ملکِ مصر سے غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہُوں۔

3: میرے حضور تُو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔[8]

---

[1]۔استثناء 4، 39۔
[2]۔استثناء 6، 4۔
[3]۔استثناء 32، 39۔
[4]۔ایسعیاء 44، 6۔
[5]۔ایسعیاء 44، 24۔
[6]۔ملاکی 2، 10۔
[7]، ایسعیاء 45، 1۔
[8]۔خروج 20، 2، 3۔

2:انجیل عہد جدید کی چند عبارتیں۔

23: حق کے بارے میں میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے، کیونکہ خدا ایک ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔[1]

44:اور وہ عزّت جو خُدائے واحِد کی طرف سے ہوتی ہے جس کو تم طلب نہیں کرتے ہو۔[2]

وہ خطوط جو انجیل کے ساتھ ہیں:

30: کیونکہ ایک ہی خدا ہے۔[3]

4:اور یہ کہ نہیں ہے کوئی اور خدا مگر وہ ایک ہے۔[4]

3: لیکن خدا ایک ہے۔[5]

7: کیونکہ ایک خدا ہے۔[6]

19:تُو اِس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ خُدا ایک ہی ہے۔ خَیر، اچھّا کرتا ہے۔[7]

انجیل کا واضح بیان: جناب عیسیٰ(ع) قیامت کے بارے میں نہیں جانتے تھے۔

جناب عیسیٰ(ع) خود فرماتے ہیں کہ وہ قیامت کے بارے میں نہیں جانتے تھے جس میں قیامت صغریٰ ہوگا:

32: لیکن اُس دِن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرِشتے نہ بیٹا مگر باپ۔[8]

اور نادانی ایک نقص ہے جبکہ لاہوت مطلق کامل مطلق ہے جس کے اندر کسی قسم کے نقص یا نادانی کی ہر گز گنجائش نہیں، کیونکہ وہ بغیر تاریکی والا نور ہے۔ جبکہ نادانی مخلوق میں اسی ہوتی ہے کیونکہ اس کے اندر تاریکی ہوتی ہے۔ لہٰذا جناب عیسیٰ(ع) نور ہے

---

[1] مرقس12، 23-
[2] یوحنا5، 44-
[3] رومیون3، 30-
[4] کرنتھیون8، 4-
[5] گلتیوں:3، 20-
[6] تھیمتھیس3، 5-
[7] یعقوب2، 19-
[8] مرقس13، 32-

مگر اس میں تاریکی بھی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ لاہوت مطلق نہیں بن سکتا، بلکہ ایک نور اور تاریکی پر مشتمل ایک مخلوق ہے اور بغیر تاریکی والا نور صرف خدا کی ذات ہے۔ اس واضح بیان کے اندر یقیناً صاحبان عقل کے لئے ایک نصیحت ہے۔ اسی انجیل مقدس کے مرقس میں جناب عیسیٰ (ع) کا کلام موجود ہے:

32: لیکن اُس دِن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ۔

33: خبردار! جاگتے اور دُعا کرتے رہو کیونکہ تُم نہیں جانتے کہ وہ وقت کب آئے گا۔

34: اُس آدمی کا سا حال ہے جو پردیس گیا اور اُس نے گھر سے رُخصت ہوتے وقت اپنے نوکروں کو اِختیار دِیا یعنی ہر ایک کو اُس کا کام بتادِیا اور دربان کو حکم دِیا کہ جاگتا رہے۔

35: پَس جاگتے رہو کیونکہ تُم نہیں جانتے کہ گھر کا مالک کب آئے گا۔ شام کو یا آدھی رات کو یا مُرغ کے بانگ دیتے وقت یا صُبح کو۔

36: اَیسا نہ ہو کہ اچانک آکر وہ تُم کو سوتے پائے۔

37: اور جو کچھ میں تُم سے کہتا ہُوں وُہی سب سے کہتا ہُوں کہ جاگتے رہو۔

وہابی بھی توحید کے حدود میں تفریط کرتے ہیں۔

وہابی بھی عیسائیوں کی طرح شرک کرتے ہیں جو توحید کے حدود میں اپنے عقیدے کے اندر اللہ کو محدود اور قابل جزء مانتے ہیں اور اللہ کو مخلوق کی طرح قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ عیسائی جناب عیسیٰ (ع) کو اتنا بلند مرتبہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہابی بھی ان کے اسی منہج کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق کی طرح صفات قرار دیتے ہوئے عالم خلق کے اندر محدود کرتے ہیں۔ پس حقیقت یہ ہوئی کہ عیسائی ایک انسان کو اللہ مانتے ہیں جبکہ وہابی اللہ کے اندر انسان کی صفات ڈال کر انسان قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ تو انسانی معاشرے کا وہی قدیم بُت پرستی والا طریقہ ہے۔[1] پس وہابی اللہ تعالی کے لئے

---

[1] پھر جب وہ لوگ پتھر سے بت نہیں سکے جبکہ وہ لاہوت مطلق کے قائل ہیں لہٰذا نہوں نے عیسائیوں کی طرح انسان کو بت بنائے، پھر جب یہ بھی نہیں کرسکے تو خدائے سبحانہ کو ہی بت بناڈلے جیسے وہابی اور یہودی بناڈلے اگرچہ ان کے درمیان اتنے سارے انبیاء واوصیاء بھیجے گئے ہیں، بعدازآں علمائے ضلال نے منہج الٰہی میں تحریف کی اور خود انہیں ابتدا میں میں تقلید، بدعت یا وراثت کے ذریعے اس طرح بت بنا دیے کہ ان کے عقائد کو خراب کیا اور حرام خداکو حلال اور حلال خدا کو حرام کردیاگیا کہ خدا کے علاوہ انہی کی عبادت ہونے لگی۔جبکہ شیعہ ائمہ اطہار کی وجہ سے بعض علمائے غیر عامل دین کو واضح بت پرستی کی طرف نہ لے جاسکے، لیکن ائمہ اطہار(ع) کے بعد وہ تحریف کی ایک اور صورت اختیار کرنے لگے کہ انہوں نے افسوس کے ساتھ تقلید کی بدعت کے ذریعے علمائے ضلال کی طرح بشری بت پرستی کرنے لگے اور لوگوں کو بغیر غور وفکر کے جانوروں کی طرح ہانکنے لگے اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرکےخود شریعت اور فتوی بنانے لگے اور اللہ کی کتاب کی موجودگی میں بت پرستی کے عقائد بنانے لگے۔جبکہ ائمہ اطہار(ع) سے غیرمعصوم کی تقلید کرنےسے منع فرمایا ہے جس ان کے پہلے انبیاء واوصیاء(ع) نے کیا تھا اور فرمایا ہے ہے کہ غیر معصوم کی تقلید بت پرستی کی منہج ہے جسے ان کے پہلے علمائے یہودگھڑ گئے تھے ائمہ اطہار(ع) نے اپنے پیروکاروں کو اس یہودی تحریف شدہ منہج کو اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔جیسے امام جعفرصادق(ع) فرماتے ہیں:إیاکم والتقلید فإنه

جسم کے قائل ہیں یا کم از کم ان کے عقیدے کے مطابق لاہوت سے جسم لازم آتا ہے، کیونکہ اللہ کے لئے ہاتھ، انگلیاں، پنڈلی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے وغیرہ۔[1] جیسا کہ ان کے امام ابن تیمیہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

وَقَدْ دَخَلَ أَيْضًا فِيمَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الْإِيمَانِ بِهِ وَبِكُتُبِهِ وَبِمَلَائِكَتِهِ وَبِرُسُلِهِ الْإِيمَانُ بِأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِيَانًا بِأَبْصَارِ هِمْ كَمَا يَرَوْنَ الشَّمْسَ صَحْوًا لَيْسَ بِهَا سَحَابٌ، وَكَمَا يَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا يُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ يَرَوْنَهُ سُبْحَانَهُ وَهُمْ فِي عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَرَوْنَهُ بَعْدَ دُخُولِ الْجَنَّةِ۔

''جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ اس کی کتابوں، فرشتوں، رسولوں پر ایمان رکھنا ہے اسی طرح مومنین یہ بھی ایمان رکھیں کہ وہ اللہ کو قیامت کے دن اپنے آنکھوں سے بغیر بادل کے سورج کی مانند دیکھیں گے اور اسی طرح دیکھیں گے جیسا وہ چودہویں کا چاند بغیر کسی رکاوٹ کے دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کو قیامت کے دن دیکھیں گے اس کے بعد پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی دیکھیں گے۔[2] ابن تیمہ کے مطابق وہ اللہ تعالی کو اپنے آنکھوں سے مشاہدہ کر اب آنکھوں سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی جہت ہو گی کیونکہ ان کے ایک بڑا عالم ابن جبرین کے مطابق اللہ کو ایک جہت میں دیکھا جائے گا۔[3] پس یہ لوگ آسمانی کتابوں کے چند متشابہ کلمات کے غلط تفسیر کر کے اپنے عقیدے کے اندر گمراہی کا شکار ہوئے ہیں۔ چونکہ ابن تیمیہ اور اس کی طرح دیگر لوگ نہ قرآن مجید کو سمجھتے ہیں اور نہ انبیاء(ع) کے کلام کی فہم رکھتے ہیں کیونکہ پیغمبر اکرم(ص) اور دوسرے انبیاء(ع) رموز کے ذریعے اور کئی مرتبہ حقائق ملکوتیہ کے مطابق کلام کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے ساتھ خواب میں وحی کے ذریعے کلام کرتا ہے۔[4] جبکہ اللہ تعالی کی ذات کسی چیز کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کلام بشر کے کلام کی مانند ہے کہ اس کے مطابق تفسیر کیا جائے جیسا کہ یہ جاہل لوگ دعوی کرتے ہیں۔ امام علی(ع) فرماتے ہیں:

من قلد في دينه هلك، إن الله تعالى يقول اتَّخَذُوا أَحْبارَهُمْ وَرُهْبانَهُمْ أَرْباباً مِنْ دُونِ اللَّهِ فلا و الله ما صلوا لهم ولا صاموا ولكنهم أحلوا لهم حراماً وحرموا عليهم حلالاً، فقلدوهم في ذلك فعبدوهم وهم لا يشعرون۔ خبردارتم تقلید سے نہ کرو کیونکہ جوکوئی اپنے دین میں تقلید کرے گا وہ ہلاک ہوجائے گا،اس لئے اللہ فرماتا ہے یہودی اللہ کوچھوڑ کراپنے عالموں اور راہبوں کی عبادت کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی قسم! انہوں نماز،روزہ چھوڑ کر حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلا قرار دیا ہے،پھرلوگ بغیر کسی شعور کے ان کی تقلید شروع کی۔تصحیح الاعتقاد:للشیخ المفید ص73.

[1] ۔ضمیمہ نمبر3ملاحظہ میں وہابی علماء البانی،بن باز،ابن جبیر اور ابن عثیمین وغیرہ کے چند فتاوی بیان کئے ہیں جہاں پر وہابی ائمہ کے مکتوبات واضح ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالی کادائیاں،بایاں ہاتھ اور اانگلیاں اورجسم اوراللہ آسمان پر ہونے کے قائل ہیں لہٰذا انہوں نے اللہ کو مخلوق کے حدود میں قیدکیا ہے جبکہ اللہ خود ارشاد فرماتا ہے:لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً * تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً۔بتحقیق تم بہت سخت بیہودہ بات کرتے ہو۔قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اورزمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر جائیں۔مریم : 89 – 90.

[2] ۔کتاب عقیدة الواسطیة: ابن تیمیة،باب وجوب الایمان برؤیة المؤمین لربهم یوم القیامة ومواضیع الرؤیة۔

[3] ۔ابن جبیر ابن قدامہ کی کتاب لمعة الاعتقاد کے حاشیے میں لکھتا ہے:وأما الرؤية في الآخرة فأثبتها أهل السنة رؤية صريحة، أن المؤمنين في الجنة يرون الله - تعالى - ويزورونه، ويكلمهم ويكلمونه۔عرفنا بذلك مذهب أهل السنة، وهل نقول: إنهم يرونه في جهة ؟ لا شك أنهم يرونه من فوقهم، وأنهم يرونه رؤية حقيقية، ورؤية مقابلة كما يشاءون، وأن الأدلة واضحة، ومن أصحها حديث جرير لقوله:كما ترون القمر ليلة البدرأكما ترون هذا القمر۔ جیسے قیامت سے متعقل روایت میں آیا ہے جہاں اہل سنت سے اللہ کی رؤیت ثابت کی ہیں کہ ایمان والے جنت میں اللہ کو دیکھں گے،اس کی زیارت کریں گے،اس سے بات کریں گے یہ ہے اہل سنت کا مذہب۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو کس جہت میں دیکھیں گے؟تو یقینا وہ اوپر کی جہت میں ہی دیکھیں گے،اورجیسے چاہیں دیکھیں گے،اس حوالے سے ان کے دلائل واضح ہیں اور ان میں جریزکے مطابق کہ؛ تم اللہ کو چودہوں چاند کی مانند یا اس چاند کی طرح دیکھوگے۔مزید تفصیلات کے ضمیمہ نمبر3ملاحظہ کریں۔

[4] ۔اللہ فرماتا ہے:وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ يَا أَيُّهَا الْمَلأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن

إياك أن تفسر القرآن برأيك حتى تفقهه عن العلماء.فإنه رب تنزيل يشبه كلام البشر وهو كلام الله، وتأويله لا يشبه كلام البشر، كما ليس شيء من خلقه يشبهه، كذلك لا يشبه فعله تبارك وتعالى شيئا من أفعال البشر، ولا يشبه شيء من كلامه كلام البشر، فكلام الله تبارك وتعالى صفته وكلام البشر أفعالهم، فلا تشبه كلام الله بكلام البشر فتهلك وتضل.

خبردار! تم قرآن کواپنی رائی کے مطابق تفسیر کرو، یہاں تک کہ تم اسے علماء سے سمجھو۔[1] کیونکہ اللہ کلامِ بشر کی مشابہ نازل کرتا ہے جبکہ وہ کلامِ خدا ہی ہوتا ہے اور اس کی تاویل کلامِ بشر کی مشابہ نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کی مشابہ نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل ذرہ برابر بشر کے افعال کے مشابہ نہیں ہوتا۔اس کے کلام میں سے ذرہ برابر کلامِ بشر کے مشابہ نہیں، کیونکہ کلامِ خدا اس کی صفت ہے جبکہ کلامِ بشر اس کے افعال ہیں لہٰذا کلامِ خدا کلامِ بشر کے ساتھ مشابہ نہیں، ورنہ تم ہلاک اور گمراہ ہو جاتا۔[2] چنانچہ وہابی اپنے خطاء کی وجہ سے خدا کے لئے جسم کے قائل ہیں کیونکہ وہ قرآن وروایات کو اسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح غیر عامل علماء سمجھتے ہیں جو فرامینِ اہل بیت(ع) کے ساتھ تعارض ہوتے ہیں قرآن کریم نے جن کی اور ان سے ہدایت لینے کا حکم دیا ہے:

﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْناً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾۔

میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے اور جو کوئی نیکی کمائے ہم اس کے لیے اس نیکی میں اچھا اضافہ کرتے ہیں، اللہ یقینا بڑا بخشنے والا، قدر دان ہے۔[3]

مودت سے مراد محبت اور اطاعت ہے۔ لہٰذا اہل بیت(ع) سے مخالفت رکھنے والوں نے ان سے کچھ نہیں لیا۔اس طرح یہ سارے منحرف ہوئے کیونکہ انہیں غیر عامل علماء نے گمراہ کی اور انہیں جسمِ خدا کے قائل بنادیا اور قرآن کریم کی چند کی اپنی طرف سے تشریح کرتے ہوئے کہنے لگے اللہ کی پنڈلی، چہرہ، ہاتھ اور دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں وغیرہ۔ جیسا کہ ان آیات میں ملاحظہ کریں:

كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ۔اور ایک دن بادشاہ نے کہا: میں خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھارہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک(خوشے)،اے دربار والو! اگر تم خوابوں کی تعبیر کرسکتے ہوتو میرے اس خواب کی تعبیر سے مجھے آگاہ کرو۔ یوسف:43۔جناب یوسف(ع) نے موٹی،دبلی گائیں اور خوشے اور سبز الفاظ بیان کیے جو اللہ کے ہی کلمات ہیں اور اسی کے اولیاء ہی ایسے الفاظ استعمال کرنے اہل ہیں کیونکہ وہی ان الفاظ کے مراد جانتے ہیں،کیونکہ اللہ کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہوتا۔جیسے اللہ نے ایک خطرناک امر کہ یوسف کو یعقوب(ع) کے وصی کی تعیین کے وقت فرمایا:إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ۔جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا! میں نے(خواب میں) گیارہ ستاروں کو دیکھا ہے اور سورج اور چاند کو مین نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں:یوسف: 4۔کیا اس کے بعد بھی ابن تیمیہ وغیرہ کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ اللہ کے کلمات کے مراد سمجھنے کا دعوی کریں؟

[1] بہت ساری روایات کے مطابق علماء سے مرادمحمد وآل محمد(ع) اورانبیاء واوصیاء(ع) ہیں۔

[2] توحید: شیخ صدوق،ص246،البرہان:ج1،ص46۔

[3] الشوری:23۔

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾۔

جس دن پنڈلی کھل جائے گی۔[1]

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ * إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾۔

بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے۔ وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔[2]

ان باطل عقائد کی بطلان واضح ہے اور ان کے اثبات کے لئے زیادہ کوشش کرنا عبث ہوگا۔[3] کیونکہ ان آیات سے مراد وہ پاکیزہ اور شاداب چہرے ہیں جو اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہیں اور محمد (ص) ہیں۔ اسی طرح یہ دراصل حقیقتِ محمد وآل محمد (ع) ہے، چونکہ ظالم سجدے اور رکوع نہیں کر سکتے کیونکہ وہ شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں جس پر سجدہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے لعنت کی ہے:

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلا يَسْتَطِيعُونَ﴾۔

جس دن پنڈلی کھل جائے گی اور انہیں سجدے کے لئے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔[4]

﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾۔

اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ اوپر ہے۔[5]

اس سے مراد اللہ کا بندہ محمد (ص) ہے کیونکہ وہ مخلوق کے اندر اللہ ہیں اور وہی اللہ کی بیعت کرنے والا ہے جس کے ہاتھ دوسرے سارے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

---

[1] القلم:42۔

[2] القیامۃ:23-22۔

[3] جہاں تک اللہ کو محدود کرنے کی بات ہے اسی طرح اللہ کے لئے ہاتھ،پنڈلی،آنے جانے سے اللہ کے لئےنقص اوراحتیاج ثابت ہوتے ہیں،جبکہ واس کی ذات بے نیاز اورکامل ہے چنانچہ ہاتھ اورپنڈلی مخلوق کے لئے ہوتے ہیں،اور جہاں تک بادل سے مخلوق آنے کی بات ہے اس سے مراد محمد(ص) اور قائم(ع) ہیں،جبکہ وہابیوں کے مطابق اگر اللہ کے ہرکلمہ سے لاہوت مطلق اور رب مطلق مرادلیاجائے تو پھر قرآن کے اندر بہت سارے مقامات پر موجود کلمہ رب کوکیا سمجھتے ہیں؟جہاں یوسف(ع) نے شارب الخمر کارب کہا ہے:وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ:اوران دونوں میں سے جس کی رہائی کاخیال کیا تھا،(یوسف نے)اس سے کہا:اپنے مالک سے میراذکر کرنا مگر شیطان نے اسے بھلادیا کہ وہ اپنے مالک سے یوسف کا ذکر کرے، یوں یوسف کئی سال زندان میں پڑے رہے۔ یوسف:42۔اوریوسف اپنے پالنے والےعزیز مصر کے لئے بھی یہی تعبیر استعمال کیا ہے: وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ:اوریوسف جس عورت کے گھر میں تھے اس نے انہیں اپنے ارادے سے منحرف کرکے اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور سارے دروازے بندکرکے کہنے لگی: پناہ بخدا! یقینا میرے رب نے مجھے اچھا مقام دیا ہے، بے،شک اللہ ظالمون کو کبھی فلاح نہیں دیتا:یوسف:23۔ اورجس نے انہیں اس دنیا میں بہترین مقام دیا وہ عزیزمصر تھا:وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَى أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَداً وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الأَحَادِيثِ وَاللّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ:اورمصر کے جس آدمی نے انہیں خریدااس نے اپنی بیوی سے کہا؛ اس کا مقام معزز رکھنا،ممکن ہے کہ یہ ہمارے لئے فائدہ مند ہویا ہم اسے بیٹا بنالین اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں تکمنت دی اوراس لئے بھی کہ ہم انہین خوابون کی تعبیر کی تعلیم دیں اوراللہ اپنے امر میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے: یوسف : 21.

[4] القلم:42۔

[5] الفتح:10۔

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائباں میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[1]

پس جو بادل کے سائباں میں آئے گا وہ محمد (ص) ہیں جو عالم رجعت میں اپنے اہل بیت اور بعض انبیاء (ع) کے ساتھ آئیں گے۔ یہ بات مشہور ہے کہ محمد (ص) ہی وہ سائباں ہیں اور توریت اور انجیل میں رسول و قائم آل محمد امام زمان (ع) کی صفت اسی طرح بیان ہوئی ہے۔[2] لیکن جو فقہاء اور وہابی غیر عامل علماء یا جو اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں کے مطابق اللہ سبحانہ و تعالی کے ہاتھ اور انگلیاں ہونا۔[3] اس کے جمال و کمال یا جلال کے لئے مناسب ہے۔ اس کے علاوہ وہ خدا کے آنے جانے وغیرہ کے بھی قائل ہیں۔ ان عقائد کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی ناسمجھی میں اللہ کے ہاتھ، آنکھ اور پنڈلی اور آنے سے ظاہر مطلب لیتے ہیں۔ ان کے مراد مادی جسمانی ہو یا پھر روحانی، یہ باطل، کفر اور شرک ہے۔[4] ان کا اس طرح کفر و شکر کرنا صرف خدا کے لئے بغیر کیفیت یا کسی اور سبب کے ہاتھ، آنکھ اور پنڈلی ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ خدا کے لئے ہاتھ، آنکھ اور پنڈلی ہے، کیونکہ اس سے مرکب لازم آتا ہے، اور مرکب کا تعدد ہے، جبکہ خدائے تعالی تعدد سے پاک و منزہ ہے۔ جیسا کہ خود ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾۔

کہدیجئے! اللہ ایک ہے۔

یعنی یہ کہ اس کی ذات یکتا ہے اور وہ کسی سے اجزاء سے مرکب نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی ہاتھ اور پنڈلی ہو، کیونکہ عدد کا لازمہ ترکیب ہے۔ اس لئے کہ یہ بات واضح ہے کہ لاہوت مطلق کے قائل یقینا گمراہی میں ہیں۔

---

[1]۔البقرۃ:210۔

[2]۔اس حوالے سے ضمیمہ نمبر4ملاحظہ فرمائیں۔

[3]۔ابن جبیر کہتا ہے:ہاتھ میں انگلیاں ہیں،لیکن اس کے باوجود یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ مخلوق کی انگلیوں کے پوروں کی طویل وغیرہ ہیں،بلکہ اس میں صرف ہاتھ اور اس میں انگلیوں کا اثبات ہے۔ یہ سے دایاں اور بایاں ہاتھ ثابت نہیں،بلکہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ میں انگلیاں ہیں۔اس کی مزید تفصیلات ضمیمہ نمبر3پر ملاحظہ کریں۔

[4]۔ان کے قول سے مراد سے اللہ انسان کی طرح دوآنکھوں سے دیکھتا ہے،کا تصور درست نہیں ہے کیونکہ اس سے اللہ کے جسم ہونا لازم آتا ہے۔اس حوالے سے وہابی علماء کے چند اقوال کی مزید تفصیلات ضمیمہ نمبر3پر ملاحظہ کریں۔

توحید

اسم اللہ کے اندر جو صفات ہیں ان سے توحید حقیقی کا ختم نہیں ہوتی، کیونکہ لا إله إلا الله کا کلمہ نہایت توحید نہیں ہے، بلکہ یہ تو توحید کی ابتداء اور انتہاء اور حقیقت توحید دراصل (ھو) ہے، کیونکہ ھا ثابت کی اثبات جبکہ واو غائب کی غیبت پر دلالت کرتا ہے اور اللہ ہر شرک سے پاک ہے۔ اسی لئے سورہ توحید (قل ھو) اور باقی شرح و تفصیل اور توضیح ہیں۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ اللہ یا شہرِ کمالات الٰہیہ دراصل (ھو) کی وکنہ و حقیقت کی تجلی ہے۔ اسی سے اللہ نے اپنے مخلوق کے لئے اپنی صفت بیان کی ہے کہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ انسان سے دراصل یہی توحید مطلوب ہے، حقیقت وکنہ کے مرتبہ والی توحید مطلوب ہے۔ کیونکہ اسی کے اندر ہی تمام صفات واخلاص اور حقیقت عبادت و سجود ہیں۔ اس عبادت واخلاص اور توجہ کے علاوہ سب شرک سے آلودہ ہے۔ پس الوہیت صرف خدائے سبحانہ کے لئے سزاوار ہے، اسی کی طرف تمام مخلوق جھکتے ہیں۔ لہٰذا سارے مخلوق محتاج اور ناقص ہیں۔ پس انہیں حصولِ کمال اور نقائص کو دور کرنے کے لئے اسی کی طرف ہی رجوع کریں اور اسی کی عبادت کریں تاکہ اسی کے کمالِ مطلق کے واسطے سے کمال حاصل کریں۔ لہٰذا الوہیت کی معرفت کو محصور کرنا نہ صرف نادانی، کوتاہی اور بڑا خسارہ ہیں، بلکہ انسان کا ہداف ہی کنہ و حقیقت کی معرفت ہو، اور اس معرفت کو ہم مخلوق کی معرفت کی نسبت محدود نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی معرفت کی معرفت عاجز ہے۔

مخلوق میں مخلوق کے لئے الوہیت کی تجلی۔

الوہیت ربوبیت کی طرح ہے [1] کیونکہ جب رب سے مربی مراد ہے تو معبود سے مراد وہی ہے جس کی طرف نقص دور کرنے اور کمال حاصل کرنے کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح رب اولاد کی نسبت باپ پر صدق آتا ہے جیسا کہ خاندان کا رب۔ کیونکہ وہ اپنی اولاد کو فیض پہنچا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح معبود کی صفت بھی باپ پر صدق آتی ہے کیونکہ اولاد ان کے محتاج ہوتے ہوتی ہیں۔ لہٰذا الاہوت کی صورت اللہ کے ان خاص انبیاء اور سولوں پر صدق آسکتی ہے جو مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کی صورت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾۔

---

[1]۔یہ دونوں سے بے نیازی اور محتاجی،کامل اورناقص کے درمیان تعلق بتاتی ہیں جہاں وہ محتاج کے احتیاج اور ناقص کوکمال عطا کرتا ہے،لیکن فرق یہ ہے کہ ربوبیت اعلی سے ادنی کی طرف یعنی بے نیازی اورکمال سے محتاجی اورناقص کی طرف ہے۔ رب سے مربی پالنے والا اور مربیٰ یعنی جس کو پالاجائے مراد ہے۔لیکن الوہیت اس کے برعکس ہے یعنی ادنی سے عالی کی طرف ہے یعنی فقیر اور ناقاص کامل اور بے نیاز کی طرف رجوع کرتا ہے،لہٰذا ربوبیت بے غنی کی نیازی اورکامل کی کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ الوہیت فقیر اورناقص کے احتیاج اورنقص کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اسی لئے اللہ اپنے بندوں کی جانب اپنی حقیقت الوہیت کو ظاہرکرتا ہے تاکہ وہ اس کی بے نیازی اورکمال کوپہچانیں اور اپنے نقص کو پوراکرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کریں۔

پس جب میں اسے درست بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔[1]

سجدہ در صل خدائے سبحانہ کے لئے ہی ہوتا ہے اور یہ حقیقت کی تجلی اور ظہور پر عابد کے ایک واجب عمل ہے، کیونکہ سجدہ ہی معرفت کا حتمی نتیجہ ہے جیسا کہ رسول اکرم (ص) نے معراج پر انجام دیا۔ امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:

فلما رفع رأسه تجلت له العظمة فخر ساجداً من تلقاء نفسه لا لأمر أمر به۔

پھر جب آپ (ص) نے سر اٹھایا تو آپ (ص) کی عظمت ظاہر ہوئی تو آپ (ص) نے بغیر کسی حکم کے فخر سے اپنے آپ کو سجدے میں گرادیا۔[2]

اور کسی مخلوق کا ایسے مخلوق کو سجدہ کرنا جو خدائے سبحانہ کی تجلی ہو، وہی ہے جو خود اسی کے لئے سجدہ کرنا ہے کیونکہ حقیقت صرف لاہوت کی ہوتی ہے۔ جب مسجود کو سجدہ تجلی لاہوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس آیت کے مطابق لاہوت جناب آدم (ع) کے اندر ظہور کر رہی تھی اسی اللہ نے فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور آیت کے اندر یہ واضح ہے کہ جب اللہ نے اپنی روح پھونک دی تو لاہوت آدم (ع) میں ظاہر ہوئی: ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾۔

اور میں اس میں اپنی روح پھونک دی۔

لہٰذا اللہ کی روح دراصل لاہوت کی صورت ہے اسی لئے اس نے آدم کو اپنی صورت پر خلق فرمایا۔ اس وجہ سے آدم (ع) کے سجدہ کرنا ایک فطری امر ہے کیونکہ اس میں اللہ کی روح ہے۔ کیونکہ حقیقت سجدے لاہوت کے لئے ہی ہوتی ہے جو آدم کے اندر ظاہر ہے، پھر اس لئے بھی سجدہ لاہوت حقیقی کے لئے بنتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے اپنی صورت کی مثال کے ذریعے مخلوق کے لئے اسے اپنا خلیفہ قرار دیا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً﴾.

اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا: یقیناً میں زمین میں ایک خلیفہ قرار دینے والا ہوں۔

لہٰذا مخلوق کے اندر لاہوت مطلق کے لئے پہلی تجلی، اللہ واضح صورت، اس کا حقیقی خلیفہ، پہلا مخلوق، پہلی عقل اور پہلا کلمہ محمد (ص) ہیں۔

پس اس آیت کا مطلب یہ ہوا:

---

[1] ص:72۔

[2] اصول کافی: ج3، ص482۔ اس روایت کو ضمیمہ نمبر 4 میں ملاحظہ کریں۔

﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾

اور میں اس میں اپنی روح پھونک دی۔یعنی جب میں آدم(ع) میں محمد(ص) کا نور پھونک دوں گا۔[1] تو اے فرشتو! تم لوگ آدم کے سجدہ کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ کیونکہ یہاں پر اللہ نے محمد(ص) کو﴿رُوحِي﴾فرمایا ہے یعنی اپنی الوہیت اور حیات کا ظہور ہے۔[2] پس محمد(ص) مخلوق کے اندر اللہ کی صورت ہے لہٰذا وہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف دیکھے۔ کیونکہ مخلوق کی خلقت کا سبب ہی اللہ کی معرفت کا حصول ہے:﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾۔

اور میں نے جن وانس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔[3]

یعنی تاکہ وہ سب معرفت حاصل کریں۔ پس ہمارے اوپر یہ لازم ہے کہ ہم معرفت حقیقی کا راستے محمد(ص) اور باقی تمام انبیاء واوصیاء(ع) کو پہچانیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس راستے کی تجلی اور ظہور ہے اور ہو کوئی اپنے حساب سے اللہ کی معرفت کراتا ہے۔[4] لہٰذا سجدے حقیقت میں آدم(ع) کے لئے نہیں تھا بلکہ محمد(ص) کے لئے تھا۔اسی آدم(ع) کے اندر محمد(ص) کی تجلی کی شرط رکھی گئی:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾۔

پس جب میں اسے درست بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔ یہ سجدے دراصل لاہوت حقیقی خدائے سبحانہ کے لئے ہی تھا کیونکہ وہ صورت لاہوت کی ایک صورت تھی جو اس مخلوق میں تجلی کی ہوئی تھی۔[5] پس محمد(ص)، علی(ع) اور دیگر ائمہ اطہار(ع) اور جناب عیسیٰ(ع) سب کے سب خدائے سبحانہ کے محتاج ہیں اور ان کے اندر لاہوت کی صفات ہیں یعنی دیگر مخلوق ان کی طرف حاجات کی برآوری، نقص کی دوری اور حصولِ کمال کے لئے رجوع کرتے ہیں تو یہ ہستیاں اللہ کی طاقت اور اجازت سے ان کی حاجات پوری کرتی ہیں، نقص دور کرتی ہیں اور کمال عطا کرتی ہیں کیونکہ ان کے پاس اللہ کی ہی طاقت ہوتی ہے۔ اسی وہ کسی ساکن چیز کو ہلاتے تو اللہ کی ہی طاقت سے کرتے ہیں۔ پس واضح ہوا کہ ان کے اندر لاہوت کی صفات کا ہونا خدائے سبحانہ کی الوہیت مطلق میں سے نہیں ہے۔ ہاں! یہ اللہ کی صورت، اسمائے حسنیٰ اور وہ

---

[1] شاید کسی بھی غور کرنے والے سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بہت سارے انبیاء واصیاء(ع) جناب آدم(ع) سے افضل واعلیٰ رتبے پر ہیں، کیونکہ جس صورت پر اللہ نے آدم(ع) کو خلق کیا ہے جو وہ پہلی صورت نہیں ہے جو محمد(ص) کی ہے، اورآدم(ع) میں پھونکی ہوئی روح محمد(ص) میں موجود پہلی روح سے جدا ہے،یہ صرف مخلوق میں اس کی تجلیات ہیں جہاں آدم(ع) اوراس کے درمیان ایسے مخلوق بھی ہیں جن کارتبہ آدم(ع) سے بلند ہے۔

[2] محمد(ص) ہی اللہ کا حقیقی خلیفہ ہیں،آپ(ص) کے واسطے سے ہی اللہ کی معرفت حاصل ہوگی،کیونکہ اسی لئے آدم(ع) کے اندر اسی حقیقت پھونک دی جس کے واسطے سے اللہ تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا حقیقت میں اللہ کی روح،اللہ کی صورت،اللہ کا خلیفہ محمد(ص) ہی ہیں، لیکن آدم(ع) کو اس لئے اللہ کی صورت کہا ہے کیونکہ وہ محمد(ص) کی صورت میں خلق کیا گیا ہے،کیونکہ آدم(ع) محمد(ص) اور عیسیٰ(ع) کی تجلی ہیں،جبکہ حقیقی روح اللہ محمد(ص) ہی ہیں۔مزید تفصیلات کے کتاب ختم نبوت ملاحظہ کریں۔

[3] الذاریات:56۔

[4] اللہ تعالی نے ہرانسان کو اس لئے خلق کیا ہے تاکہ وہ مخلوق میں اللہ تک پہنچ جائے جہاں ہر انسان خود ایک لاہوت کی صورت میں خلق کیاگیا ہے۔اسی کا مطلب ہے''اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیداکیا ہے'' لہٰذاہرانسان کے اندر اہلیت ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

[5] آدم(ع) کو سجدہ کرنے سے انکار دراصل اللہ اور اس کی معرفت کو کو سجدہ کرنے سے انکار ہے جو نادانی کی نشانی اوربیوقوفی اور حکمت ودانائی کے منافی ہیں،کیونکہ آدم(ع) اللہ کی معرفت کی نشانی ہیں۔

چہرہ ہیں جن سے مخلوق اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ اپنے اندر موجود لاہوتی صفت سے حقیقی الوہیت کی پہچان کراتے ہیں، کیونکہ یہ معبود نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے، عبادت صرف خدا کی ہی جاتی ہے۔ بلکہ سارے اللہ کے مخلوق بندے ہیں جو اللہ کے اذن سے دیگر مخلوق کے نقص دور کرتے ہیں اور انہیں کمال تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا الوہیت سے متصف ہونے صرف یہی مطلب ہے، وہ معبود نہیں ہیں اور نہ خدا کے حدود سے باہر ہیں، یہ خدا کے ہی مخلوق ہیں، خدا نہیں ہیں یعنی حقیقی الوہیت کے مرتبے پر نہیں ہیں، بلکہ مخلوق کے مرتبے پر ہیں، لیکن وہ مخلوق کے اندر الوہیت کی تجلی ہیں، اسی کا مطلب معبود در مخلوق، اللہ صورت، اللہ چہرہ اور اسمائے حسنیٰ ہے، کیونکہ یہ ہستیاں لاہوت حقیقی کو بتلاتی ہیں:

﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾۔

یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم (فاصلہ) رہ گیا۔[1]

یعنی یہ لاہوت کے گفتگو ہے۔ اس کے بعد اللہ نے مخلوق کی تعریف میں فرمایا:

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾۔

اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اسے نہ چھوئے۔[2]

یعنی یہ ایسا نور ہے جس میں ظلمت نہیں ہے اور بظاہر تو یہ خود اپنی طرف سے روشنی دیتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس کا نور اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، خود محمد (ص) کا نہیں ہے۔ اسی لئے جناب ابراہیم (ع) کو اشتباہ ہوا تھا۔[3] اسی طرح فرشتوں کو معراج میں محمد (ص) کے بارے میں اشتباہ ہوا۔[4] لہٰذا محمد (ص) اور آل محمد (ع) ایسے مرتبے پر فائز ہیں جہاں پہنچنا دیگر تمام مخلوق کا ہدف ہے اور یہ ہستیاں ہی انسان کے کمال کا انتہاء ہو سکتی ہیں، کیونکہ جس طرح دین محمد وآل محمد (ع) کے ذریعے ہی ختم ہوا ہے اور اسی طرح دنیا بھی محمد وآل محمد (ع) کے ذریعے ختم ہو گی۔

---

[1] النجم:9۔

[2] النور:35۔

[3] فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَباً قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لا أُحِبُّ الآفِلِينَ * فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لأكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ * فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ۔ چنانچہ جب ابراہیم پر رات کی تارکی چھائی تو ایک ستارہ دیکھا، کہنے لگے: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہنے لگے: میں غروب ہوجانے والوں کو پسند نہیں کرتا، پھر چمکتا چاند دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے اور چاند چھپ گیا تو بولے: اگر میرا رب میری رہنمائی نہ فرماتا تو بھی ضرور گمراہوں میں سے ہوجاتا۔ پھر جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو بولے: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے: اے میری قوم! جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ الأنعام:76- 78.

[4] امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں: إن الله العزيز الجبار عرج بنبيه (ص) إلى سمائه سبعاً، أما أولهن فبارك عليه، والثانية علمه فيها فرضه ثم عرج إلى السماء الدنيا فنفرت الملائكة إلى أطراف السماء، ثم خرت سجداً فقالت: سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح ما أشبه هذا النور بنور ربنا، فقال جبرئيل (ع): الله أكبر الله أكبر, فسكتت الملائكة وفتحت أبواب السماء واجتمعت الملائكة، ثم جاءت فسلمت على النبي (ص)۔ یقینا خدائے غالب وجبار نے اپنے نبی (ص) کو اپنے ساتویں آسمان پر لے گئے، جن میں سے پہلے آسمان پر پہنچے تو آپ (ص) کو مبارک کہا گیا اور دوسرے آسمان میں آپ (ص) کو فرائض کی تعلیم دی، پھر جب دنیا کے آسمان پر پہنچے تو سارے فرشتے جمع ہوگئے اور سجدے میں جاکر کہنے لگے: سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح، یہ تو ہمارے رب کے نور کی مانند ہے، اتنے میں جبرئیل نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر سارے فرشتے کاموش ہوئے اور آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور سارے فرشتے جمع ہوگئے، پھر آکر نبی اکرم (ص) پر درود وسلام کہنے لگے: الكافي: ج3 ص482۔ مزید تفصیلات کے ضمیمہ نمبر5 پر ملاحظہ کریں۔

خاتمہ۔

توحید ہی صراط مستقیم ہے اور یہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا کہ اس سے انحراف اور دوری کا نتیجہ انسان کو شرک اور کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی باریک بینی کے ساتھ معرفت ضروری ہے تاکہ انسان کا آخرت بہتر ہو اور اسے ایسی جنت نصیب ہو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین ہیں جسے اہل معرفت، عامل اور اہل تقوی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنا نصیب ضایع کیے بغیر دقت کے ساتھ شب و روز حقیقت و توحید کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔

جان لو! سلامتِ دین کے ساتھ چٹائی پر سونا اور جو کی روٹی کھانا بہت ہے۔ کیونکہ یہ خدا کا ہمارے اوپر عظیم نعمت ہے کہ اس نے ہمیں عافیت و رحمت کے ساتھ ہدایت جیسی نعمت عطا فرمائی۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم پر اور اپنے کارکنان پر احسان فرمایا۔ ہم خدا کے ہر اس نعمت کے شکر گزار ہیں جو اس نے مجھ پر میرے والدین، تمام مومنین و مومنات اور اپنے ہر مخلوق پر قیامت جاری و ساری رکھا ہوا ہے۔

بارلٰہا! تو اپنے حبیب، اپنے صفی، اپنے حقیقی خلیفہ پر درود و سلام نازل فرما۔ بارالٰہا! محمد وآل محمد (ع) پر اپنا خاص کرم فرما۔ بارلٰہا! اگر تو مجھے لوگوں کی نظر میں رفعت عطا فرمائے تو اپنی ذات میں پست رکھ، مجھے بڑائی میں مبتلا نہ فرما تاکہ گھاٹے میں رہوں اور مجھے شک، شرک سے محفوظ فرما، میرے ساتھ وہی فرما جو تو چاہے، مجھے تیرے لئے خالص فرما، مجھے تیرے لطف کے واسطے اپنی ذات اور ہر اس چیز سے محفوظ فرما جس میں ڈرتا ہوں

یارب یاأرحم الراحمین۔

مشارق و مغارب میں بسنے والے تمام مومنین و مومنات پر میرا اسلام اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔

احمد الحسن

18 رمضان 1425 ھ،ق۔

ضمیمہ:1

اللہ:

اس اسم لوگوں کے نزدیک ذات الٰہی کے مشہور ہے۔ لیکن جب اسے الوہیت مطلق مراد لیا جائے تو یہ اسی پر ہی اطلاق ہوتا ہے۔ پھر اگر الوہیت مطلق مراد نہ لینے کی صورت میں کیا یہ اسم ذات الٰہی کے علاوہ پر اطلاق ہوتا ہے؟ اس کو جاننے سے پہلے ہمیں ایک بات سمجھنی پڑے گی کہ کیا اسم اللہ جامد ہے یا مشتق؟ کیونکہ اس سوال کا جواب اسی میں مضمر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ (ص) فرماتے ہیں:

إنا معاشر الأنبياء أمرنا أن نكلم الناس على قدر عقولهم.

یقیناہم انبیاء کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے عقلوں کے مطابق بات کریں۔

اسی طرح امام جعفر صادق (ع) سے مروی ہے:

ما كلّم رسول الله (ص) العباد بكنه عقله قط

رسول اللہ (ص) نے لوگوں کے ساتھ کبھی بھی اپنی کنہ و عقل کے ساتھ بات نہیں کی ہیں۔

پھر پیغمبر اکرم (ص) اس روایت کو نقل فرمائیں:

إنا معاشر الأنبياء أمرنا أن نكلم الناس على قدر عقولهم.

یقیناہم انبیاء کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے عقلوں کے مطابق بات کریں۔[1]

اس حوالے سے پہلی رائے کے مطابق اسم اللہ علم جامد ہے جسے سید خوئی نے اختیار کیا ہے اس کی تائید میں کئی دلائل پیش کی ہیں جن کی بطلان کو بیان کریں گے۔ جیسا کہ سید خوئی اپنی کتاب البیان میں بیان کرتے ہیں:

ومن توهم أنه اسم جنس فقد أخطأ ودليلنا على ذلك أمور: الأول: التبادر، فإن لفظ الجلالة ينصرف بلا قرينة إلى الذات المقدسة ولا يشك في ذلك أحد. وبأصالة عدم النقل يثبت أنه كذلك في اللغة وقد حققت حجيتها في علم الأصول.

جو کوئی یہ خیال کرے کہ لفظ اللہ اسم جنس ہے تو یقیناوہ غلطی پر ہے کیونکہ جب لفظ اللہ بولا جاتا ہے تو بغیر کسی دوسرے قرینہ اور علامت شک کے ذات الٰہی ذہن میں آتا ہے جس میں کوئی شخص شک نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص یہ احتمال دے کہ ممکن ہے

[1]۔اصول کافی: ج1، ص23۔

کہ اصل نعمت میں لفظ اللہ اسم جنس ہو اور بعد میں اس لفظ کو ذات الٰہی سے مختص کر دیا گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ قائد کلیہ یہ ہے کہ شک کی صورت میں اس احتمال کو کالعدم فرض کیا جاتا ہے چنانچہ میں نے علما صول میں اس قائدے کو ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بغیت کسی دلیل و قرینہ کے ذات الٰہی کا ذہن میں آنا اسم علم جامد درجہ رکھتا ہے کیونکہ اسم رحمن بھی بغیر قرینہ کے ذات مقدس کی طرف تبادر ہوتا ہے لیکن اس حوالے سے کوئی اسم علم جامد کا قائل نہیں ہے اور اگر کوئی اس بات کو مانے کیونکہ یہ مشتق ہے جبکہ اس تبادر ہونے کا سبب استعمال ہے۔ لیکن جہاں تک سید خوئی کا قول ہے کہ: ''اصالت عدم نقل، لغت اور علم اصول کی حجیت سے ثابت ہوتا ہے'' ایک ناقص بات ہے کیونکہ جب کوئی قواعد لغت کو نقل کرے گا تو عدم نقل عدم وجود پر دلالت نہیں کرے گا، بلکہ کلام عرب سے منقول ہونا ایسا ہے جیسا کہ سمندر سے ایک قطرہ اٹھانا ہے لہٰذا اس نقل میں غلطی کا امکان ہونے کی وجہ سے اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک عقیدتی لفظ پر بھی حجت تام ثابت نہ ہو سکتا، بلکہ شرعی نصوص سے تعارض ہونے کی وجہ سے اس کوئی اہمیت ہی نہیں ہوتا۔ مجھے نہیں معلوم سید خوئی نے مذکورہ ایسے قاعدے پر اعتماد گمان اور وہم کیوں کیا ہے جو نہ صرف خود استقرائے ناقص پر مبنی ہے بلکہ ناقص عقل سے بنا ہے لہٰذا یہ استقراء بھی ناقص ہے اور نصِ معصومین (ع) کے ساتھ بھی تعارض ہے کیونکہ ایک سے زیادہ نص میں اس کے مشتق ہونے نشاندہی ملتی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں:

الله معناه: المعبود الذي يأله فيه الخلق ويؤله إليه، والله هو المستور عن درك الأبصار، المحجوب عن الأوهام والخطرات.

اللہ کے معنی وہ معبود ہے جس کی طرف مخلوق محتاج ہو اس کی عبادت کی جائے اور اللہ آنکھوں سے درک نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہم و خیال میں سما سکتا ہے۔[1]

اسی طرح امام باقر (ع) فرماتے ہیں:

الله معناه: المعبود الذي أله الخلق عن درك ماهيته، والإحاطة بكيفيته، وتقول العرب: أله الرجل إذا تحير في الشيء فلم يحط به علماً، وولـه إذا فزع إلى شيء مما يحذره و يخافه فالإله هو المستور عن حواس الخلق.

اللہ کے معنی وہ معبود جس کی حقیقت اور کیفیت کا احاطے کو درک کرنے کے لئے مخلوق اس کی طرف رجوع کرے۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں: جب انسان کسی چیز کے بارے پریشان ہو جائے اور اسے جاننے سے قاصر ہو جائے تو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی طرح جب وہ کسی چیز سے ڈر جائے تو خدا ہی طرف محتاج ہوتا ہے کیونکہ وہی اس حواس سے باہر ہوتا ہے۔[2] اس کے باوجود

---

[1] ۔توحید: ص89، البرھان: مج8، ج30، ص430۔
[2] ۔توحید: ص89، البرھان: مج8، ج30، ص430۔

ائمہ اطہار(ع) نے اپنے اصحاب کو جوہر کے بارے میں کوئی روایت کرنے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حفص بن نیسب فرعان سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق(ع) کے غلام معلی بن خنیس کے قتل کے دنوں میں آپ(ع) کے پاس گیا تو فرمایا:

يا حفص حدثت المعلى بأشياء فأذاعها فابتلي بالحديد إني قلت له إن لنا حديثاً من حفظه علينا حفظه الله وحفظ عليه دينه ودنياه، ومن أذاعه علينا سلبه الله دينه ودنياه، يا معلى إنه من كتم الصعب من حديثنا جعله الله نوراً بين عينيه ورزقه العز في الناس، ومن أذاع الصعب من حديثنا لم يمت حتى يعضه السلاح أو يموت متحيراً۔

اے حفص! میں معلی سے بہت ساری چیزیں بتائی ہیں جنہیں اس نے ضائع کیا پھر اسے لوہے کے ذریعے قتل کیا گیا، میں نے اس سے کہا تھا کہ ہماری ایک حدیث ہے جو کوئی اسے یاد رکھے خدا اس کے دین و دنیا محفوظ رکھے اور جو کوئی اسے ضائع کرے گا خدا اس کے دین و دنیا کو سلب کرے گا۔ اے معلی! جو کوئی ہماری مشکل حدیث کو پوشیدہ رکھے خدا اس کے دونوں آنکھوں میں ایک نور عطا فرمائے گا اور اسے لوگوں کے درمیان عزت عطا فرمائے گا اور جو کوئی ہماری مشکل کو ضائع کرے گا تو اس کی موت ہتھیار سے واقع ہو گی یا پریشانی میں مر جائے گا۔

اور اسی طرح سے ابی بصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق(ع) سے سنا ہے:

سر أسره الله إلى جبرئيل، وأسره جبرئيل إلى محمد، وأسره محمد إلى علي، وأسره علي إلى من شاء الله واحداً بعد واحد، وأنتم تتكلمون به في الطرق۔

ایک راز ہے جسے خدا نے جبرئیل کو بتایا، اسے جبرئیل نے محمد(ص) کو بتایا، اسے محمد(ص) نے علی(ع) کو بتایا، پھر علی(ع) نے اسے بتایا جو خدا کو ایک اور ایک ہی مانتا ہے جبکہ تم لوگ اسے مختلف طریقوں سے بتاتے ہو۔

ایک اور مقام پر امام جعفر صادق(ع) نے فرمایا:

من أذاع علينا حديثنا هو بمنزلة من جحدنا حقنا۔

جو کوئی ہماری حدیث کو ضائع کرے گا وہ ایسا ہے گویا وہ ہمارے حق کے منکر ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر امام جعفر صادق(ع) فرماتے ہیں:

إني لأحدث الرجل الحديث فينطلق فيحدث به عني كما سمعه فأستحل به لعنه و البراءة منه۔

میں کسی انسان کو کوئی بھی حدیث سناؤں تو وہ جیسی مجھ سے سنا ہے وہی بتائے ورنہ اس پر لعنت ہو گی اور ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔[1]

پھر اسم اللہ کے مشتق ہونے کے لئے یہ روایات کیوں کافی نہیں ہیں جبکہ سید خوئی انہیں جانتے تھے، پھر یہ کہ وہ ان وہم و گمان اور غیر عقلی باتوں کو مانتے بھی نہیں ہیں۔اب کیا وہ یا جو ان کے رائے کے قائل ہیں اس بات کو مانتے ہیں کہ جو آل محمد (ص) کے خاص شیعہ اور ان کے اصحاب ائمہ (ع) کی مخالفت کرتے ہوئے جو کچھ انہوں نے سنا، یہاں تک ائمہ (ع) کے منع کی ہوئی باتوں کو بھی نقل کیا ہے؟ جبکہ وہ اللہ کی اطاعت میں اخلاص کے ساتھ عمل کرتے تھے اور ائمہ (ع) کے بیان کیے ہوئے حدود کے پابند تھے۔ پھر یہ جو قاعدہ سید خوئی نے بنایا ہے اور ''اصالت عدم نقل اسے کرتا ہے'' کہہ کر اسے مسلمہ یقینات کی طرح بیان کیا ہے۔ جبکہ یہ قاعدہ عقلی اور ظنی ہے جسے خود سید قائل ہیں ورنہ کچھ شیعہ اور سنی فقہاء اسے نہیں مانتے ہیں۔ یہ ظنی ہونے کے اعتبار سے عقائد میں قابل قبول نہیں ہے کیونکہ گمان عقائد کے اندر حق کے اثبات کے لئے ناکافی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنّاً إِنَّ الظَّنَّ لا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾۔

ان میں سے اکثر محض ظن کی پیروی کرتے ہیں جب کہ ظن انسان کو حق کی ضرورت سے ذرہ برابر بے نیاز نہیں کرتا، اللہ ان کے اعمال سے خوب آگاہی رکھتا ہے۔[2]

کیونکہ عقائد میں یقین ضروری ہے۔ لہذا لگتا ہے سید خوئی خود اپنی کتاب البیان میں اپنی بات کو بھول گئے ہیں جہاں وہ صحیح سند خبر واحد کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر واحد علم و عمل کا کوئی فائدہ نہیں دیتی۔[3] اب کون سی بات زیادہ بہتر ہے کہ ایسا ظن جو قول معصوم سے منسوب ہو یا وہ ظن جو ناقص نبی آدم کے قول سے منسوب ہو؟ پھر جب سید خوئی خود عقائد میں ایسے ظن پر اعتماد نہیں کرتے ہیں جو قول معصوم سے مستند ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ ایسے ظن پر بھی اعتماد نہ کرے جو کسی ظنی عقلی دلیل پر مستند ہو، اس طرح ظن کو رد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اگرچہ سید خود اس بحث کے نتیجے پر اعتبار نہیں کرتے جو اعتقادات کے توحید سے متعلق قانون بن جائے۔ پھر انہوں نے ظن کے قبول کے بارے میں کہا ہے تو اس صورت میں وہ ظن زیادہ بہتر ہے جو قول پر مستند ہو جیسا کہ امام باقر (ع) کی حدیث گزر گئی۔ اس کے مقابلے میں وہ ظن قابل قبول نہیں ہو گا جو عام انسان کے ناقص اقوال پر مستند ہے۔ جیسا کہ سید خوئی کہتے ہیں:

---

[1] توحید: ص89، البرھان: جلد8، ج30، ص130۔
[2] یونس:36۔
[3] البیان فی تفسیر القرآن: ص221، ص313۔

إن لفظ الجلالة لما له من معنى لا يستعمل وصفاً، فلا يقال العالم اله، الخالق الله. على أن يراد بذلك توصيف العالم والخالق بصفة كونه الله وهذه آية كون لفظ الجلالة جامداً. وإذا كان جامداً كان علماً لا محالة، فان الذاهب إلى إنه اسم جنس فسّره بالمعنى الاشتقاقي۔

لفظ اللہ اپنے معنی میں صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ العالم اللہ، الخالق اللہ بایں معنی کہ لفظ اللہ کے ذریعے عالم اور خالق کی صفت بیان کی جائے یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ لفظ اللہ اسم مشتق نہیں ہے اور جب اسم جامد ہو گا تو لا محالہ یہ علم ہو گا۔ کیونکہ جن حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے وہ مشتق والے معنی کی صورت میں اس کی تفسیر کرتے ہیں۔[1]

ہمارے مطابق وصف کا مطلب توضیح، بیان اور تعریف ہوتا ہے جبکہ سید خوئی نے یہاں پر مغالطہ کیا ہے کیونکہ یہ بات درست ہے کہ اللہ کے ذریعے عالم یا خالق کی صفت بیان نہیں ہو گی، لیکن یہ لفظ (ھو) کی صفت تو بیان کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ﴾۔

کہہ دو وہ اللہ۔

کیونکہ عالم اور خالق دراصل ذات الٰہی یا اللہ کی توضیح و تعریف ہے اور ذات الٰہی یا اللہ (ھو) یا اسم اعظم یا کنہ و حقیقت کی توضیح و تعریف ہے جہاں کنہ و حقیقت ذات الٰہیہ یا اللہ سے مظہر ہے جس کی معرفت حاصل کرنے مخلوق رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾۔

کہدو وہ اللہ یکتا ہے۔[2]

﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَداً لاصْطَفَى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَانَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾۔

اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا، وہ پاکیزہ ہے اور وہ اللہ یکتا، غالب ہے۔[3]

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴾۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غیب و شہود کا جاننے والا ہے، وہی رحمن و رحیم ہے۔[4]

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾۔

---

[1]۔البیان:ص450۔
[2]۔اخلاص:1۔
[3]۔الزمر:4۔
[4]۔الحشر:22۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بادشاہ ہے، نہایت پاکیزہ سلامتی دینے والا، امان دینے والا، نگہبان، بڑا غالب آنے والا، بڑی طاقت والا، کبریائی کا مالک، پاک ہے، اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔[1]

﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾۔

وہی اللہ ہی خلاق، موجد اور صور تگر ہے جس کے لئے حسین ترین نام ہیں، کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔[2]

یعنی جو حقیقت وکنہ کی معرفت کا ارداہ کرے تو اسے اس کی تجلی اور ذات مقدس یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور یہ واضح ہو گیا کہ لفظ اللہ مذکورہ بالا تمام آیتوں کے اندر صفت کے طور پر آیا ہے اور یہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہے کہ اللہ کے سارے اسماء اس کی صفت کے طور پر آئے ہیں جبکہ لفظ اللہ اس کی ذات کے لئے ہے۔

سید خوئی کہتے ہیں:

إن لفظ الجلالة لو لم يكن علماً لما كانت كلمة (لا إله إلا الله) كلمة توحيد، فإنها لا تدل على التوحيد بنفسها حين إذ كما لايدل عليه قول لا اله إلا الرزاق، أو الخالق، أو غيرهما من الألفاظ التي تطلق على الله سبحانه، ولذلك لا يقبل إسلام من قال بإحدى هذه الكلمات.

اگر لفظ اللہ علم نہ ہوتا اور اسم جنس ہوتا تو کلمہ لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہ ہوتی جس طرح لا الہ الا الخالق، لا الہ الا الرزاق وغیرہ سے توحید ثابت نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی لا الہ الا الرزاق یا لا الہ الا الخالق کہے تو وہ مسلمان نہیں کہلائے گا۔[3]
ہمارے مطابق اس قول؛" اگر لفظ اللہ علم نہ ہوتا اور اسم جنس ہوتا تو کلمہ لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہ ہوتی"۔ یہاں سید خوئی نے سارے امور الٹ پلٹ کر دیا ہے کیونکہ سارے معانی کلمہ الہ ہے جو کہ مستثنی منہ ہے جس سے اللہ سبحانہ وتعالی کے علاوہ دوسروں کا بھی احتمال موجود ہے۔

یہ وہ معانی ہیں:

1: الخفاء:

حقیقتِ محمد (ص) دوسرے مخلوق سے مخفی ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

---

[1]۔الحشر:23۔
[2]۔الحشر:24۔
[3]۔البیان:ص450۔

2: التحير:

حقیقتِ محمد (ص) کے بارے عقلیں پریشان ہیں۔

3: الغيبة:

وہ آنکھوں سے غائب ہیں اور تمام ارواح آنکھوں سے غائب ہیں۔

4: التعبد:

غیر کی طرف جھکنا اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا، اور فرشتے بھی انبیاء اور مرسلین کے حکم کے تابع ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا﴾۔

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا ۔[1]

5: مکان میں قائم ہونا:

یعنی حقیقت محمدیہ کی تجلی ہر جگہ ہے کیونکہ سارے مخلوق آپ (ص) کے نور سے خلق ہوئے ہیں۔

6: ارتفاع:

یعنی محمد (ص) بھی مخلوق کی نسبت بلند ہے۔

7: محتاج یا معبود:

یعنی محمد (ص) کی طرف سارے اولیاء کے دل رجوع کرتے ہیں۔

8: حاجات کی برآوری کے لئے رجوع کرنا:

یعنی محمد (ص) کی جانب بھی حاجات کی برآوری کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّاباً رَحِيماً﴾۔

[1]۔البقرة:34۔

اور جب یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے تھے تو اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے۔[1]

9:السکون:

یعنی محمد (ص) کی طرف سارے نفوس سکون پاتی ہیں۔اللہ فرماتا ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾۔

یقیناآپ کی دعاان کے لیے موجب تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔[2]

اس لئے کہ حق یہ ہے کہ کلمہ توحید لا إله إلا الإله تمام الٰہی کلمات میں سے کامل ہے جس کے اندر کوئی شک اور نقص نہیں ہے، یہ ایسا نور ہے جس میں کوئی ظلمت نہیں ہے اور یہی اللہ کی ذات ہے پس الف لام کلمات الٰہیہ کی استغراق کے لئے آیا ہے یعنی کلمہ توحید کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان نہیں مگر انسان کے، یعنی انسان کامل کے یعنی الف لام تعریف سے استغراق مراد ہے جس سے تمام انسانیت شامل ہے۔

اس بناپر کلمہ توحید لا إله إلا الله اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ مطلق الوہیت صرف اور صرف اللہ کی ذات میں محصور ہے۔اس ضمن میں یہ بھی ہوتی ہے کہ انصاف الوہیت کی ایک ایسی صفت ہے جو اللہ ہی کی ہے تاہم اس کے کچھ ایسے مخلوق بھی ہیں جن کی طرف دوسرے مخلوق اپنی حاجات کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اللہ کے اذن سے ان کی حاجات پوری کرتے ہیں اور اللہ کے اذن سے خلق اور شفاعت کرتے ہیں۔جیسا کہ اللہ خود ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَرَسُولاً إِلَى بَنِي إِسْرائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾۔

اور (وہ) بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول کی حیثیت سے (کہے گا:) میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، (وہ یہ کہ) میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست اور مردے کو زندہ کرتا ہوں

---

[1]۔النسآ:64۔
[2]۔التوبۃ:103۔

اور میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کر کے رکھتے ہو، اگر تم صاحبان ایمان ہو تو اس میں تمہارے لیے نشانی ہے۔[1]

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرائيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾۔

جب عیسیٰ بن مریم سے اللہ نے فرمایا: یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو عطا کی ہے جب میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری تائید کی، تم گہوارے میں اور بڑے ہو کر لوگوں سے باتیں کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب، حکمت، توریت اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے صحت یاب کرتے تھے اور تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل کو اس وقت تم سے روک رکھا جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو ان میں سے کفر اختیار کرنے والوں نے کہا: یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔[2]

خدا کا ارشاد ہوا ہے:

﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾۔

پس بابرکت وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے۔[3]

یعنی اللہ کے علاوہ دیگر خالق ہیں لیکن وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت و قوت سے خلق کرتے ہیں اور سب سے بہترین خالق ہے کیونکہ وہ بے نیاز ہے جبکہ دوسرے اس کی طرف محتاج ہیں۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾۔

---

[1] آل عمران:49۔
[2] المآئدۃ:110۔
[3] المومنون:14۔

اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو ان کے روبرو اور جو ان کے پس پردہ ہیں اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کی ہیبت سے ہراساں رہتے ہیں۔[1]

اس حوالے بہت ساری آیات ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا قول کہ اسم اللہ جامد ہے تو کلمہ (لا إله إلا الله) توحید کا کلمہ نہیں ہوگا ، کیونکہ جب آپ سے کہا جائے کہ اس کی طرف حاجات کے بارے میں رجوع کرنے سے گھبرا جائے جبکہ وہ ایسا معبود ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے تو آپ کی اس بات میں توازن نہیں ہوگی، اس لئے کہ بہت سارے ایسے ہیں جن کی طرف حاجات کی برآوری کے لئے رجوع کیے جاتے ہیں لیکن وہ کامل مطلق اور بے نیاز کلمہ نہیں بن سکتا، اس لئے کامل و مطلق صرف اللہ کی ذات ہی ہے۔ اس موقع پر ہم سید خوئی کے اس قول کو بھی رد کرتے ہیں:

إن لفظ الجلالة لو كان علماً جامداً لما كانت كلمة لا إله إلا الله كلمة التوحيد فإنها لا تدل على التوحيد بنفسها حينئذ۔

اگر لفظ اللہ اسم علم جامد ہوتا تو کلمہ لا إله إلا الله سے توحید ثابت نہیں ہوتا کیونکہ پھر یہ خود توحید پر دلالت نہیں کرتا۔

امام رضا(ع) فرماتے ہیں:

حدثنا أبي العبد الصالح موسى بن جعفر، قال: حدثني أبي الصادق جعفر بن محمد، قال: حدثني أبي أبو جعفر بن علي باقر علوم الأنبياء، قال: حدثني أبي علي بن الحسين سيد العابدين، حدثني أبي سيد شباب أهل الجنة الحسين، قال: حدثني أبي علي بن أبي طالب (ع)، قال: سمعت النبي (ص) يقول: سمعت جبرائيل يقول: قال الله جل جلاله: إنى أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدوني، من جاء منكم بشهادة أن لا إله إلا الله بالإخلاص دخل في حصني، ومن دخل في حصني أمن من عذابي۔

ہمیں اپنے والد عبد صالح موسی بن جعفر (ع) نے فرمایا: مجھے میرے والد گرامی جعفر صادق بن محمد (ع) نے فرمایا: مجھے میرے والد جعفر بن علی علوم انبیاء کے باقر نے فرمایا: مجھے میرے والد علی بن حسین سید العابدین (ع) نے فرمایا: مجھے میرے والد سید شباب اہل جنت حسین (ع) نے فرمایا: مجھے میرے والد علی بن ابی طالب (ع) نے فرمایا: میں رسول اللہ (ص) سے سنا ہے۔ آپ (ص) فرماتے ہیں: میں جبرئیل سے سنا ہے۔ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یقیناً میں ہی خدا ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو، تم میں سے جو کوئی کلمہ شہادت لا إله إلا الله اخلاص کے ساتھ پڑھے گا وہ میرے قلعے میں داخل ہوگا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے امان پائے گا۔[2]

---

[1]۔الانبیاء:28۔

[2]۔عیون اخبار الرضا:143۔

امام رضاآگے مزید فرماتے ہیں:

سمعت أبي موسى بن جعفر يقول: سمعت أبي جعفر بن محمد يقول: سمعت أبي محمد بن علي يقول: سمعت أبي علي بن الحسين يقول: سمعت أبي الحسين بن علي يقول: سمعت أبي أمير المؤمنين علي بن أبي طالب (ع) يقول: سمعت النبي (ص) يقول: سمعت الله عز وجل يقول: لا إله إلا الله حصني فمن دخل حصني أمن من عذابي، قال: فلما مرت الراحلة نادانا: بشروطها وأنا من شروطها.

میں نے اپنے والد موسی بن جعفر (ع) سے انہوں نے اپنے والد جعفر بن محمد (ع) سے انہوں نے اپنے والد محمد بن علی (ع) سے انہوں نے اپنے والد علی بن حسین (ع) سے انہوں نے اپنے والد علی ابن ابی طالب (ع) سے انہوں نے رسول اللہ (ص) سے انہوں نے جبرئیل سے انہوں نے اللہ سے فرماتا ہے: لا إله إلا الله میرا قلعہ ہے جو کوئی میرے قلعے میں داخل ہو گا وہ میرے عذاب سے امان میں رہے گا۔ پھر جب قافلہ چلنے لگا تو امام (ع) نے فرمایا: اس کے کچھ شرائط ہیں اور میں ان میں سے ایک ہوں۔[1]

یعنی امام (ع) نے عمل کی تاکید فرمائی جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے:

من تقرب إلي بالفرائض كان يدي و عيني.

جو کوئی فرائض کو انجام دے تو وہ میرا ہاتھ اور میری آنکھ ہو گا۔

ایک مقام پر حدیث قدسی میں آیا ہے:

عبدي أطعني تكن مثلي تقل للشيء كن فيكون.

میرے بندے میری اطاعت کرو تو میرے جیسا ہو جاؤ گے تو کسی چیز کے لئے کہو گے ہو جاؤ تو وہ ہو جائے گی۔

اس طرح وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جس سے اللہ خود خطاب کرے گا:

أنا حي لا أموت وقد جعلتك حياً لا تموت أنا أقول للشيء كن فيكون وقد جعلتك تقول للشيء كن فيكون.

[1].عيون اخبار الرضا:145.

میں زندہ ہوں مجھے موت نہیں، اور میں نے تجھے زندہ قرار دیا ہے کہ تجھے موت نہ ہو، کیونکہ میں کسی چیز کے لئے کہوں کہ ہو جاؤ تو وہ جاتی ہے لہٰذا میں تجھے قرار دیتا ہوں کہ تو کسی چیز کے لئے کہو کہ ہو جاؤ تو وہ ہو جائے گی۔

لہٰذا بندے سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اللہ کے ولی کی صورت اور زمین پر اس کا خلیفہ بن جائے، کیونکہ ایک مرتبہ کی کمی یا مقام کا نقص خدا کے عذاب میں سے ہے اگرچہ وہ اہل جنت میں سے کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کا اپنے مافوق سے نسبت ایک عذاب ہے اور ایک قابل حصول کمال کی کمی ہے۔ پس انسان کو عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کا ایسا بندہ ہو جسے وہ چاہے، اس کا ہاتھ اور اس کی آنکھ بن جائے اور کسی چیز سے کہے ہو جاؤ تو وہ ہو جائے اور ایسا زندہ ہو جائے کہ اسے موت واقع نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ﴾۔

اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔[1]

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

﴿لا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾۔

وہاں وہ پہلی موت کے سوا کسی اور موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔[2]

یہ اس وقت ثابت ہو گا جب انسان لا إله إلا الله پر عمل پیرا ہو جائے گا اور یہ قول اللہ کے ولی اور زمین پر اس کے خلیفہ کی متابعت اس کے ہر حرکات و سکنات ہوں گے۔ جیسا کہ امام رضا(ع) فرماتے ہیں:

بشرطها وشروطها وأنا من شروطها۔

اس شرط و شروط کے مطابق اور میں اس کے شروط میں سے ہوں۔

اب ثابت ہوا کہ کہ لا إله إلا الله کا دراصل اسمائے حسنیٰ کا تحصیل ہے یعنی یہ انسان پر ظاہر ہو جائیں، یعنی وہ خود اسمائے حسنیٰ بن جائے یعنی وہ مخلوق کے اندر معبود بن جائے، تبھی وہ اسمائے حسنیٰ کا مصداق بن جائے گا اور جنت، جنت حق، اسماء اللہ

---

[1]۔الرمز:68۔
[2]۔الدخان:56۔

کی جنت، اسم اللہ کی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ (ص) اور ان سے پہلے انبیاء (ع) نے کیا خوب لا إله إلا الله فرمایا تھا۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسم اللہ علم جامد نہیں جیسا کہ سید خوئی اور ان کے پیروکاروں کا خیال ہے، بلکہ لا إله إلا الرازق اور لا إله إلا الخالق بھی کلمات توحید بن سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خالق اور رازق مطلق ہے جو کسی غیر کا محتاج نہیں ہے لیکن لا إله إلا الله اس کی کامل ترین اور بہترین شکل ہے، اس لئے کہ وہ ہر جہات سے توحید ہے جیسا کہ رسول اللہ (ص) فرماتے ہیں:

خير ما قلت والنبيون من قبلي لا إله إلا الله.

میرے اور سابقہ انبیاء کے بہترین کلمہ لا إله إلا الله ہے۔

سید خوئی لکھتے ہیں:
إن حكمة الوضع تقتضي وضع لفظ للذات المقدسة ،كما تقتضي الوضع بازاء سائر المفاهيم. وليس في لغة العرب لفظ موضوع لها غير لفظ الجلالة ، فيتعين أن يكون هو اللفظ الموضوع لها.
إن قلت: إن وضع لمعنى يتوقف على تصور كل منهما، وذات الله سبحانه يستحيل تصورها، لإستحالة إحاطة الممكن بالواجب، فيمتنع وضع لفظ لها.
ولو قلنا بأنّ الواضع هو الله - ولا يستحيل عليه أن يضع اسماً لذاته لأنه محيط بها - لما كانت لهذا الوضع فائدة؛ لإستحالة أن يستعمله المخلوق في معناه، فإن الإستعمال أيضاً يتوقف على تصور المعنى كالوضع على إن هذا القول باطل في نفسه.
قلت: وضع اللفظ بازاء المعنى يتوقف على تصوره في الجملة، ولو بالإشارة إليه. وهذا أمر ممكن في الواجب وغيره. والمستحيل هو تصور الواجب بكنهه وحقيقته. وهذا لايعتبر في الوضع ولا في الاستعمال. ولو اعتبر ذلك امتنع الوضع والاستعمال في الموجودات الممكنة التي لا يمكن الإحاطة بكنهها: كالروح والملك والجن . ومما لايرتاب فيه أحد انه يصح استعمال اسم الإشارة أو الضمير ويقصد به الذات المقدسة، فكذلك يمكن قصدها من اللفظ الموضوع لها. وبما ان الذات المقدسة مستجمعة لجميع صفات الكمال، ولم يلحظ فيها - في مرحلة الوضع - جهة من كمالاتها دون جهة صح أن يقال: لفظ الجلالة موضوع للذات المستجمعة صفات الكمال.

حکمت وضع کا تقاضا ہے کہ جس طرح دوسرے مفاہیم کیلئے کسی نہ کسی لفظ کو وضع کیا گیا ہے اسی طرح ذات واجب الوجود کیلئے بھی کوئی نہ کوئی لفظ وضع کیا جانا چاہئے اور لغت عرب میں لفظ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ نہیں جس کو واجب الوجود سے مختص کیا گیا ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اللہ ہی ہے جس کو واجب الوجود کیلئے مختص کیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کسی بھی لفظ کو کسی معنی کیلئے وضع کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ واضع (وضع کرنے والا) لفظ کا بھی تصور کرے اور اس معنی کا بھی تصور کرے

جس کیلئے لفظ کو وضع کرنا چاہتا ہے اور غیر خدا کیلئے خدا کا تصور کسی طرح بھی ممکن نہیں اس طرح ذات واجب الوجود کیلئے کسی لف کا وضع کیا جانا بھی محال ہوگا۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ لفظ اللہ کا واضع خود خدا ہے اور خدا کیلئے یہ محال نہیں کہ وہ اپنی ذات کیلئے کسی لفظ کو وضع کرے کیونکہ خدا اپنی ذات کا احاطہ کر سکتا ہے یہ بات اس لئے درست نہیں کہ اس وضع کا کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح وضع معنی کے تصور پر موقوف ہے اسی طرح لفظ کا کسی معنی میں استعمال کرنا بھی معنی کے تصور پر موقوف ہے جو ایک مخلوق کیلئے محال ہے جب معنی کا تصور محال ہوگا تو لفظ اس معنی میں استعمال بھی محال ہوگا اور جب استعمال محال ہوگا تو وضع بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ قول (لفظ اللہ کا واضع خدا ہو) بذات خود باطل ہے۔[1]

اس حوالے سے ہم چند نکات پیش کرتے ہیں:

1: یہ کہ سید خوئی تمثیل سے قیاس کیا ہے جو کہ نہ صرف باطل ہے بلکہ یہ مغالطہ کا ایک طریقہ ہے لہذا اللہ سبحانہ کا اس کے مخلوق کے ساتھ یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

2: الوہیت کے مفہوم کے لئے الہ کا لفظ وضع کیا ہے اور خارج میں اس مفہوم کا ذات مقدس ہے اور اگر الوہیت کے مفہوم کے لئے ذات مقدس مصداق نہ ہوتا تو کبھی بھی شرک واقع ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ جب انسان کو الوہیت کا مفہوم حاصل ہو جائے تو وہ خارج میں اس مصداق تلاش کرے گا پھر وہ یہاں پر غلطی کرتا ہے۔ چنانچہ مختلف لوگ اپنے اعتقاد کے مطابق پتھر، درخت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ان سے بت بنا کر پوجا کرنے لگ جاتے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہر مصداق کے لئے کوئی لفظ وضع ہونا چاہیے۔ لہٰذا سید خوئی نے یہاں پر مفہوم اور مصداق کے درمیان خلط ملط کیا ہے۔ لہذا اب سید خوئی کے کلام پر اعتراض نہیں کروں گا کیونکہ جب اصل کلام ہی وہم پر مبنی ہے تو آگے بحث کا فائدہ نہیں ہوگا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسم اللہ علم جامد نہیں ہے جیسا کہ سید خوئی کا خیال ہے۔ جیسا کہ روایت گزر چکی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اسی طرح قرآن کریم نے اسم اللہ ذات کے لئے استعمال کیا ہے اور إلٰه کہا ہے:

﴿وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾۔

کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔[2]

---

[1]۔البیان فی تفسیر القرآن:451۔
[2]۔المائدہ:73۔

یہ آیت لا إله إلا الله کی مانند ہے یعنی قرآن کریم نے کلمہ توحید کے إله واحد استعمال کیا ہے۔ اسی طرح قرآن نے اسم اللہ کے لئے إله کہا ہے: ﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾۔

وہی اللہ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔[1]

اور قرآنی آیت میں اسم اللہ إله کے معنی میں آیا ہے لہٰذا پھر سید خوئی کی تفسیر میں اپنے آپ کو تھکانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں پر روز روشن کو چھوڑ کر کسی اجنبی موضوع میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہر مکان وزمان پر محیط ہے اور وہ تمہارے راز اور آشکار کو جانتا ہے، لیکن اس آیت قرآنی میں اللہ إله کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یہ تو ہر عربی جاننے والے والا بغیر کسی تگ ودو کے سمجھتا ہے اور یہی معنی ہر صائب الرائی کے لئے واضح ہے، اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ اسم اللہ علم جامد نہیں ہے۔

اب اس سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں: اللہ: یہ اسم تو سارے لوگ جانتے ہیں کہ یہ ذات الٰہی کا اسم ہے، بلکہ الوہیت مطلق مراد لینے کی صورت میں یہ صرف اسی پر ہی اطلاق ہوتا ہے۔ اور اگر الوہیت مطلق مراد نہ لیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ غیر ذات الٰہی پر اطلاق ہو؟

اس کا جواب وہی ہوگا جو گزر چکا ہے یعنی جی ہاں یہ اطلاق ہو سکتا ہے لیکن دوسروں کے استعمال نہیں ہو سکتا جیسا کہ رحمن دوسروں پر اطلاق تو ہو سکتا ہے لیکن استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن رکاوٹ قیود ووصف کے ساتھ ختم بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اطلاق کے ساتھ قید لگادے مثلا (الله في الخلق) یہ کہہ دے یعنی اللہ کی صورت۔[2] جیسا کہ حدیث میں روح اللہ کے معنی میں وارد ہوا ہے۔[3] اور اسی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾۔

اللہ کا ہاتھ ان کے اوپر ہے۔[4]

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾.

---

[1] ۔الانعام:3۔

[2] ۔یہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا۔

[3] ۔اللہ نے فرمایا:فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ:پس جب میں اسے درست بنالوں اوراس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گرپڑنا۔ صٓ :72.

[4] ۔إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ.بتحقیق جولوگ آپ کی بیعت کررہے ہیں وہ یقینا اللہ کی بیعت کررہے ہیں اللہ کاہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ الفتح :10.

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائباں میں ان کے پاس آئے۔[1]

ضمیمہ:2۔

اسم اللہ علم یا مشتق ہونے میں مختلف اقوال۔

اسم اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ اسم مشتق ہے یا پھر ذات وضع ہونے والا علم ہے؟

بہت سارے افراد نے مشتق ہونے کے قائل ہیں لیکن ان کے درمیان اس کے اشتقاق اور اصل میں اختلاف ہے۔اس حوالے کچھ کہتے ہیں اس کا اصل فعال کے وزن پر ''إلاہ'' ہے پھر اس میں ہمزہ کے بدلے الف لام داخل ہوا ہے جیسے الناس اصل میں اناس ہے۔ جبکہ دیگر کچھ کے نزدیک اس کا اصل ''لاہ'' ہے اور تعظیم کے لئے اس پر الف لام داخل ہوا ہے جیسا کہ اس شعر میں بیان ہوا ہے:

لاه ابن عمك لا أفضلت في حسب ... عني ولا أنت دياني فتخزوني

تیرے چچازاد لاہ کے حسب کا میں برتری کا قائل نہیں۔اور تیرے جو تم مجھے رسوا کرو۔

اس طرف کچھ یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ کا معنی بسم الإله ہے پھر ہمزہ حذف ہوا اور پہلے لام کو دوسرے لام میں ادغام کرنے کے بعد ایک لام مشدد بن گیا جیسا کہ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿لَّكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي﴾۔

لیکن میرا رب تو اللہ ہی ہے۔[2]

اس کا معنی ہے: ''لكن أنا'' یعنی لیکن میں۔

ادھر کچھ کا یہ خیال ہے کہ یہ (وله) سے مشتق ہے جب حیران ہو جائے،الوله کا مطلب عقل کا چلا جانا، جیسا کہ کہا جاتا ہے:

---

[1]۔هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ وَقُضِيَ الأَمْرُ وَإِلَى اللّهِ تُرْجَعُ الأُمُورُ۔البقرة:210۔

[2]۔الكهف:38۔

رجل واله وامرأة والهة ووالہ، وماء مولہ: أرسل في الصحارى.

بے عقل آدمی اور بے عقل عورت اور جب پانی صحراء کی طرف چھوڑا جاتا ہے۔

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں عقلیں حیران ہو جاتی ہیں اور اس کی صفات کے حقائق میں کھو جاتی ہیں اور اس کی معرفت کے فکر میں گم ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر یہ ''إلاہ'' اور ''لاہ'' اصل ہے اور ہمزہ واو سے بدل کر آیا ہے جیسا کہ وشاح سے إشاح اور إسادۃ سے وسادۃ بنا ہے۔

جبکہ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کو ''الھا'' کہا جاتا ہے کیونکہ سارے مخلوق اس کی طرف اپنی حاجات لے رجوع کرتے ہیں اور سختیوں میں اس کی طرف گڑگڑاتے ہیں۔ کچھ دوسرے کہتے ہیں چونکہ مخلوق اس کی رجوع کرتے ہیں یعنی یألھون لام نصب اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ارتفاع سے مشتق ہے کیونکہ عرب کسی بلند اور مرتفع چیز کو'' لاھاً'' کہتے ہیں، اسی لئے سورج کے طلوع ہونے کو الشمس لاھت یعنی سورج طلوع ہوا کہتے ہیں۔ ایک گروہ کے ہاں اس کا مشتق یہ ہے:

أله الرجل إذا تعبد، وتألـه إذا تنسك۔

جب آدمی عبادت کرے اور مناسک کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ويذرك وإلاهتك﴾۔

اور تجھ سے اور تیرے معبودوں سے دست کش ہو جائیں۔[1]

یہاں پر إلاھتك کو ابن عباس وغیرہ نے'' عبادتك'' پڑھتے ہوئے کہا ہے اسم اللہ اسی سے مشتق ہے کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا معنائے مقصود عبادت ہی ہے۔ اسی طرح موحدین ''لا إله إلا الله'' کے معنی میں لا معبود غير الله کہتے ہیں اور کلمہ استثناء "إلا" کے بدلے میں ''غیر'' پڑھتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اصل میں ''الھاء'' جو کہ غائب کے لئے کنایہ ہے اس لئے انہوں نے اسے ان کے عقلوں کی فطرت میں اسے ثابت کیا ہے اسے غائب کے حرف کنایہ سے اشارہ کیا ہے، پھر اس کے لام الملک بڑھا دیا ہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہی سارے اشیاء کے خالق ہے پھر اسی سے ''لہ'' بن گیا پھر تعظیم و تفخیم کے لئے الف لام کا اضافہ کر دیا گیا۔

---

[1]۔الاعراف:127-

دوسرا قول: اس کے مطابق یہ اسم علم جامد غیر مشتق ہے یعنی اس میں ہر لفظ کا مشتق ہونا ضروری نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔ جبکہ بعض کے مطابق الف لام اس کا لازمہ ہے جسے حذف کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے کیونکہ یہ الف لام اس اسم کی نشانی ہے یہ الف لام تعریف کے لئے نہیں ہے ورنہ اس پر حرف نداء داخل نہیں ہوتا؛ یااللہ، کیونکہ حروف نداء الف لام تعریف کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ایسا کہا جاتا؛ یاالرحمن، یاالرحیم، لیکن یااللہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں پر الف لام اس اسم کی خاصیت ہے۔ ان چند اقوال کو بیان کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس موضوع بہت زیادہ اختلاف ہیں۔ مزید اقوال اور مثالوں کے لئے سیبویہ، خلیل، کسائی، فراء، غزالی، قرطبیؒ وغیرہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ضمیمہ: 3۔

وہابی کتابوں چند مثالیں پیش خدمت ہے جہاں ایسے کلمات بیان ہوئے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے جسم کے قائل ہیں۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ ابن قدمہ المقدسی کی کتاب لمعة الاعتقاد اور ابن جبرین کی تعلیقات اسی کتاب میں موجود ابن جبرین کے بعض فتاویٰ کے ساتھ ابن عثیمین کے چند فتاویٰ کو بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابن قدامہ اپنی کتاب لمعة الاعتقاد میں کہتا ہے:

فَصْلٌ رُؤْيَةُ الْمُؤْمِنِينَ لِرَبِّهِمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يَرَوْنَ رَبَّهُمْ بِأَبْصَارِهِمْ وَيَزُورُونَهُ، وَيُكَلِّمُهُمْ، وَيُكَلِّمُونَهُ۔

مومنین کا اپنے پروردگار کی رؤیت کے باب؛ اور مومنین اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اس کی زیارت کریں گے اور وہ ان سے کلام کرے گا یہ اس سے کلام کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾۔

بہت سے چہرے اس دن شاداب ہوں گے۔[1]

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ﴾۔

[1] القیامۃ: 22۔

ہر گز نہیں! اس دن لوگ یقیناً اپنے رب (کی رحمت) سے اوٹ میں ہوں گے۔[1]

فَلَمَّا حَجَبَ أُولَئِكَ فِي حَالِ السُّخْطِ، دَلَّ عَلَى أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَهُ فِي حَالِ الرِّضَى، وَإِلَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ۔

پھر جب یہ لوگ عذاب میں ہوں گے تو وہ مومنوں کی رہنمائی کرے گا پھر یہ اسے خوشحالی میں دیکھیں گے ورنہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ رسول اللہ (ص) فرماتے ہیں:

إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ۔

یقیناً تم لوگ اپنے پروردگار کو ایسا دیکھو گے جیسا تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اس کی رؤیت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔

حَدِيثٌ صَحِيحٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهَذَا تَشْبِيهٌ لِلرُّؤْيَةِ، لَا لِلْمَرْئِيِّ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا شَبِيهَ لَهُ ، وَلَا نَظِيرَ۔

یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے اور رؤیت کی ایک تشبیہ ہے نہ کہ مرئی کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی شبیہ اور نہ ہی کوئی مثل ہے۔[2]

اس پر ابن جبرین تعلیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

وأما الرؤية في الآخرة فأثبتها أهل السنة رؤية صريحة، أن المؤمنين في الجنة يرون الله "تعالى" ويزورونه، ويكلمهم ويكلمونه .

لیکن جہاں تک آخرت میں رؤیت کا تعلق ہے تو اہل سنت صریح رؤیت کے قائل ہیں کہ مومنین جنت میں اللہ کو دیکھیں گے اور اس کی زیارت کریں گے اور اس سے بات کریں گے۔

عرفنا بذلك مذهب أهل السنة، وهل نقول: إنهم يرونه في جهة ؟ لا شك أنهم يرونه من فوقهم، وأنهم يرونه رؤية حقيقية ورؤية مقابلة كما يشاءون، وأن الأدلة واضحة، ومن أصحها حديث جرير لقوله:

اب ہمیں مذہب اہل سنت معلوم ہو گیا اور کیا ہم یہ کہیں کہ یہ لوگ اسے ایک جہت میں دیکھیں گے ؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اسے اپنے اوپر دیکھیں گے اور وہ اسے حقیقی رؤیت میں دیکھیں گے اور جیسے چاہیں سامنے دیکھیں گے، اور اس حوالے سے

---

[1] المطففين:15۔
[2] لمعة الاعتقاد: ابن قدامۃ المقدسی۔

واضح دلائل ہیں،اوران میں سے صحیح جریر کی یہ حدیث ہے:

كما ترون القمر ليلة البدر۔

جیسا کہ تم لوگ چاندنی رات کو چاند دیکھتے ہو۔

كما ترون هذا القمر.

جیسا کہ تم لوگ اس چاند کو دیکھتے ہو۔

والتشبيه هنا للرؤية، شبه الرؤية بالرؤية، وليس المراد تشبيه الرب - تعالى - بالقمر، وإنما تشبيه رؤيتكم بأنها رؤية حقيقية كرؤيتكم لهذا القمر.

اور یہاں پر تشبیہ رؤیت کے لئے ہے رؤیت کی شباہت رؤیت سے ہے اور چاند کے ساتھ تشبیہ رب مراد نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی رؤیت کی تشبیہ ہے کہ ایسی رؤیت ہے جیسا تم اس چاند کو دیکھتے ہو۔

ابن جبرین اس آیت کی تعلیق میں کہتا ہے:

﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾.

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں،وہ ہر چیز کا خالق ہے،لہٰذا اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں جب کہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین بڑا باخبر ہے۔[1]

اللہ نے یہ ثابت کیا کہ اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں یعنی جب روز قیامت رؤیت ہو گی تو جب بھی نگاہیں اسے دیکھیں گی نہیں پا سکیں گی۔ کیونکہ نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں یعنی اس کی کنہ و حقیقت درک نہیں کر سکتیں،نہ اس کی ذات کی کیفیت کو پالیں گی، کیونکہ اس کی اس عظمت اتنی ہے کہ کسی مخلوق کا علم اسے نہیں پا سکتا اور یہ لوگ پا سکیں گے، لہٰذا یہ آیت کم از کم رؤیت کی اثبات کی دلیل بن جائے گی لیکن یہ لوگ ناداں ہیں۔ جبکہ ابن جبرین اشاعرہ کے خلاف ہے جو عالم اسلام میں زیادہ تر اہل سنت ہیں کے نزدیک رؤیت قلبی ہے۔ جیسا کہ وہ ان کے بارے میں کہتا ہے:

لیکن اشاعرہ جو اپنے آپ کو اہل ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ کے پیروکار ہیں جن میں کچھ شافعی، کچھ مالکی، کچھ حنفی اور زیادہ تر

[1]۔الانعام:103-102-

حنبلی ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے انکار کی تصریح نہیں کر سکتے، ان میں اکثر شافعی ہیں جن کے یہ مشہور ہے کہ ان کے امام رؤیت کے قائل ہے لیکن وہ انکار نہیں کر سکتے۔

وہ رؤیت کے قائل ہیں بھی تو ان کی رؤیت سے کیا مراد ہے؟ اس رؤیت سے مراد نگاہوں کا دیکھنا نہیں ہے بلکہ یہ اس کی تفسیر میں دلوں پر ہونے والی تجلیات اور ان پر ہونے والے مکاشفات بیان کرتے ہیں جس سے ان کو ایسا علم ویقین ظاہر ہوتا ہے جس کے بارے خود نہیں جانتے، لہذا ان کے قول باطل ہونے کوئی شک نہیں جو حقائق کا انکار کرنا ہے پھر صرف وہ اپنی تفسیر کی کتابوں میں رؤیت ثابت کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بڑے بڑے مفسر رازی، ابو سعود، بیضاوی وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن جب آیت پر بات آتی ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ﴾۔

بہت سے چہرے اس دن شاداب ہوں گے۔[1]

تو رؤیت جہت کی نفی کرتے ہیں، پھر بغیر جہت کے اور بغیر سامنے رؤیت کیسے ممکن ہو گی، بغیر سامنے دیکھنے کے کیسی رؤیت ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ تجلیات، مکاشفات کی رؤیت وغیرہ، دراصل انہوں نے حقیقت کو چھوڑ کر صرف اسم کو ثابت کیا ہے۔

ابن قدامہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں نفس اور آنا ثابت ہے جیسا کہ اللہ خود جناب عیسیٰ (ع) کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾۔

تو میرے نفس میں جو وہ جانتا ہے جبکہ میں نفس میں جو ہے وہ نہیں جانتا۔

اسی طرح ارشاد ہوا:

﴿وَجَاءَ رَبُّكَ﴾۔

اور آیا تمہارا پروردگا۔

---

[1] القیامۃ: 22۔

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ اللہ خود ان کے پاس آئے۔[1]

اس پر ابن جبرین تعلیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

اللہ کا آنا ثابت ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے:

﴿وَجَاءَ رَبُّكَ﴾۔

آیا تمہارا پروردگار۔

اسی طرح ایک مقام پر آیا:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ اللہ خود بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی۔[2]

اسی طرح دوسری جگہ بھی آیا ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار خود آئے یا آپ کے پروردگار کے کچھ نشانیاں آجائیں؟[3]

ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے آنے کے امتناع کی کئی آیات ہیں جو اللہ کے حکم کے آنے کی ایک آیت پر لازم نہیں آتا، پھر جب اللہ کا آنا ثابت ہو جائے گا تو یہ بھی ہو گا کہ وہ جیسا چاہے آئے گا۔

اسی کتاب کے تعلیق میں ابن جبرین نے چند سوالات اور ان کے جوابات دیے ہیں:

سوال: وہ کہتا ہے کہ ایک مرفوع حدیث میں وارد ہوا جسے مسلم نے ابن عمر سے بیان کیا ہے:

يطوي الله السماوات يوم القيامة، ثم يأخذهن بيده اليمنى، ثم يقول: أنا الملك أين الجبارون ؟

---

[1]۔البقرة:210-
[2]۔البقرة:210-
[3]۔الانعام:108-

أين المتكبرون؟ ثم يطوي الأراضين السبع، ثم يأخذهن بشماله، ثم يقول: أنا الملك، أين الجبارون ؟ أين المتكبرون؟

اللہ تعالیٰ آسمانوں روز قیامت لپیٹ لے گا پھر انہیں سیدھے ہاتھ سے اٹھائے گا، پھر کہے گا: میں ہی بادشاہ ہوں کہا ظلم کرنے؟ کہاں متکبرین؟ پھر سات زمینوں میں لپیٹ لے گا اور اپنے بائیں ہاتھ سے اٹھا کر کہے گا: میں بادشاہ ہوں کہاں ظلم کرنے والے؟ کہاں متکبرین؟

جواب: سوال یہ ہے کہ اللہ کے لئے بایاں ہاتھ ثابت کرنے میں ہے کہ کیسے یہ اور روایت اور اس حدیث کو جمع کیا:

المقسطون على منابر من نور عن يمين الرحمن، وكلتا يديه يمين۔

انصاف کرنے والے خدا کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور خدا کے دونوں ہاتھ بایاں ہیں۔

یعنی اس حدیث میں دونوں ہاتھ بایاں آیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ خدا اپنے بائیں سے انہیں لپیٹ لے گا۔ میرے خیال کے مطابق ان دونوں کو جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہاں میں بائیں دراصل دائیں کے مقابلے میں آیا ہے کیونکہ جو دائیں کے مقابلے میں ہوگا اس بائیں کہا جائے گا۔ جبکہ " وكلتا يديه يمين " میں یمین سے مراد یہ ہے کہ خیر و برکت ہے۔ کیونکہ یُمن سے دراصل کثرت خیر و برکت کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس بنا پر " وكلتا يديه يمين " میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہاں کثرت خیر میں برکت ہونا ہے اور اللہ کے بائیں ہاتھ سے مراد جو دائیں کے مقابلے میں آیا ہے جس میں نقص نہیں ہے۔

سوال: کیا ایسا ممکن ہے کہ اللہ کے چہرے کے لئے دو آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں انگلیاں ہوں؟ یا پھر یہ تشبیہ ہے؟

جواب: اس پر اعتماوارد نہیں ہوا ہے،، لیکن انگلیوں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک رسول اللہ (ص) کے پاس آکر اپنے ہاتھ کے انگلیوں سے بھی اشارہ کیا اور کہا:

إنا وجدنا في كتبنا أن الله يضع السماوات على ذه والأراضين على ذه والجبال على ذه والمياه والبحار على ذه والمخلوقات على ذه وكل ذلك يشير إلى أصابعه۔

ہم نے اپنی کتاب میں دیکھا ہے کہ اللہ آسمانوں کو اپنی اس انگلی پر، زمینوں کو اس انگلی پر، پہاڑوں کو اس انگلی پر، پانی کو اس انگلی پر اور سمندروں کو اس انگلی پر اور مخلوقات کو اس انگلی پر رکھے اور ان سب کو اپنی انگلیوں کی اشارہ کرے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ (ص) نے اس آیت کی تلاوت فرمائیں:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾.

اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر شناسی نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن پوری زمین اس کے قبضہ قدرت میں ہو گی۔[1]

یہ سن کر وہ اپنی کتاب کی بات تصدیق پاتے ہوئے ہنسنے لگا۔ پھر اس نے اقرار کیا کہ انگلیاں ہاتھ میں ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق کی انگلیوں کی پوریوں میں اور لمبائی اور ایسی ویسی ہوں، بلکہ یہاں ہاتھ اور اس میں انگلیاں ثابت کرنا ہے۔

سوال: ہم ان باتوں کو کیسے جوڑیں کہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں اس آیت ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ چہرے کی صفت نہیں ہے جبکہ اس نے تلبیس الجهمية میں سے چہرے کی صفت کہا ہے۔ ادھر ابن القیم نے بھی ''مختصر الصواعق'' میں یہی کہا ہے۔ لہٰذا کیا یہ درست ہے کہ چہرہ اللہ کی ذات کا جز ہو سکتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کا جواب؛ یعنی مشہور ہے کہ اس آیت ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ کو چند اہل وحدہ اور اتحاد بطور دلیل بیان کرتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، کیونکہ ان کے مطابق جب انسان اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ چہرہ یہاں ہے، اللہ کا چہرہ یہاں ہے۔ جبکہ ابن تیمیہ نے ''المجموع'' میں کئی مقامات پر کہا ہے کہ مذکورہ آیت آیات صفات میں سے نہیں ہے اور وجہ اللہ سے مراد وہ جہت ہے جہاں انسان رخ کرتا ہے اور اس کی طرف رخ کرنے کی امید کرتا ہے۔ جبکہ '' تلبيس الجهمية ''میں شاید وہ صفت وجہ کی اثبات کے لازم کے قائل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ صفت وجہ اور صفت جہات کے لئے دلیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ چہرہ انسان کی ذات جز ہے اسی طرح اللہ کی ذات کا جز بھی ہے۔ یعنی چہرہ اللہ کی ذات میں سے ہے۔

س: سلف صالح اس آیت کی تفسیر میں کیا کہتے ہیں:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾.

کیونکہ اس گروہ کے کچھ افراد کے مطابق اس کے چہرے علاوہ تمام صفات ہلاک ہو جائیں گی، پھر اس استدلال پیش کرتے ہیں کہ اس کی تمام صفات مخلوق ہیں لہٰذا دیگر مخلوقات کی طرح یہ بھی ختم ہوں گی۔

---

[1]. الزمر: 67.

جواب: یہ لازم ہے اور نہ ہی یہ جائز ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات ہے کیونکہ اس کی تمام صفات تبدیل ہوں گی، لہٰذا یہ کہا جاسکتا کہ اللہ کی کوئی صفت ختم ہو گی، لہٰذا اس کا چہرہ باقی رہے گا، کیونکہ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ﴾.

اور تیرے پروردگار کا چہرہ باقی رہے گا۔[1]

لہٰذا اسی طرح اس کی باقی صفات بھی اس کی ذات میں سے ہیں۔ یہاں پر اس موقع پر یہی کہیں گے کہ اللہ اور محمد وآل محمد (ص) بہتر جانتے ہیں۔

اب یہ چند سولات اور ابن عثیمین کے جوابات ہیں:

سوال: جناب جزائر سے جناب شیخ ابو بسام خدا آپ کو سلامت رکھے۔ آپ سے گزارش ہے روزِ قیامت مسلمانوں کا اللہ کی رؤیت کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: اس حوالے سے اہل سنت کا وہی نظریہ ہے جسے خدا نے اپنے بارے رسول اللہ (ص) کو فرمایا ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ﴾۔

اس دن سارے چہرے۔ یعنی روز قیامت:

﴿نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾۔

شاداب اور اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔[2]

پہلی شادابی یعنی حسین جبکہ دوسرے سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے، کیونکہ نظر کی نسبت چہروں سے ہے۔ اس لئے آنکھیں چہرے پر ہیں اور انہی سے دیکھا جاتا ہے، اگرچہ اس سے مراد قلب کا نظر اور قوت یقین ہے۔ اس آیت کا مطلب ہیں کہ اس دن چند دل شاداب ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

سوال: مدینہ منورہ سے من پوچھتا ہے کہ کیا یہ دعاء وارد ہوئی ہے؟:

---

[1]۔الرحمٰن:27۔
[2]۔فتاوی نور علی الدرب:عثیمین249۔

اللّٰهم يَا مَن لَا تَرَاهُ الْعُيونُ وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُونَ۔

اے وہ خدا جسے آنکھیں دیکھ پائیں گی اور نہ ہی صفت کرنے والے اس کی صفت بیان کر سکتے ہیں۔

جواب: نہیں، یہ تو بڑی غلطی ہے، کیونکہ جب یہ کہا جائے کہ " اے وہ خدا جسے آنکھیں نہیں دیکھ پائیں گی" میں تو آخرت میں اللہ کی رؤیت کی نفی ہے جبکہ رسول اللہ (ص) یہ ثابت ہے کہ ایمان والے خدا کو روزِ قیامت اپنی آنکھوں سے صاف مطلع میں سورج اور چودھویں چاند کی طرح دیکھیں گے۔[1]

سوال: اللہ کہاں ہے؟ اس کا جواب اس آیت کے مطابق یہ دیا جاتا ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾۔

وہ رحمن جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔[2]

لگتا ہے اس بھائی کو جواب میں دینے مشکل ہو رہا ہے کیونکہ اس کے مفہوم اپنے عقیدے کے مطابق نہیں ہے، لہٰذا اس موضوع کی حقیقت واضح کریں۔

جواب: اس موضوع کی حقیقت یہ ہے کہ مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ آسمان میں ہے کیونکہ اللہ خود اپنے بارے میں فرماتا ہے:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ۔

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور زمین جھولنے لگ جائے؟ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی تھی۔[3]

ضمیمہ:4

[1] فتاوی نور علی الدرب: عثیمین 341۔
[2] طہٰ: 5۔
[3] فتاوی نور علی الدرب، عثیمین۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ وَقُضِيَ الأَمْرُ وَإِلَى اللّهِ تُرْجَعُ الأُمُورُ﴾۔

کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔[1]

جبکہ تورات کی کتاب گنتی کے بارویں فصل میں آیا ہے:

5: اور خداوند ابر کے ستون میں ہو کر اترا اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہارون اور مریم کو بلایا وہ دونوں پاس گئے۔

6: تب اس نے کہا: میری باتیں سنو! اگر تم میں سے کوئی نبی ہو تو میں جو خداوند ہوں اسے رویا میں دکھائی دوں گا اور خواب میں اس سے باتیں کرونگا۔

7: پر میرا خادم موسیٰ ایسا نہیں ہے وہ میرے سارے خاندان میں امانت دار ہے۔

8: میں اس سے معموں میں نہیں بلکہ روبرو اور صریح طور پر باتیں کرتا ہوں اور اسے خداوند کا دیدار بھی نصیب ہوتا ہے۔[2]

11: اور جب اُنکو خداوند کا جلال بادل میں نظر آیا۔

12: اور خداوند نے موسیٰ سے کہہ۔[3]

9: اور خُداوند نے موسیٰ سے کہا کہ دیکھ میں کالے بادل میں اسلئے تیرے پاس آتا ہوں کہ جب میں تُجھ سے باتیں کروں تو سنیں گے پھر یہ لوگ سدا تیرا یقین کریں۔[4]

13: اور موسیٰ اور اُسکا خادم یشوع اُٹھے اور موسیٰ خُدا کے پہاڑ کے اُوپر گیا۔

14: اور بُزرگوں سے کہہ گیا کہ جب تک ہم لوٹکر تُمہارے پاس نہ آجائیں تُم ہمارے لئے یہیں ٹھہرے رہو اور دیکھو ہارُون اور جو تُمہارے ساتھ ہیں۔ جِس کسی کا کوئی مقدّمہ ہو وہ اُنکے پاس جائے۔

---

[1]۔البقرۃ:210۔
[2]۔عہدنامہ قدیم وجدید، ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ،ص231۔
[3]۔ایضاً۔
[4]۔عہدنامہ قدیم وجدید، ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ،ص117۔

15:تب موسیٰ پہاڑ کے اُوپر گیااور پہاڑ پر گھٹا چھا گئی۔

16:اور خُداوند کا جلال کوہِ سیناپر آکر ٹھہرااور چھ دن تک گھٹااُس پر چھائی رہی اور ساتویں دن اُس نے گھٹا میں سے موسیٰ کو بُلایا

۔

17:اور بنی اِسرائیل کی نگاہ میں پہاڑ کی چوٹی پر خُداوند کے جلال کا منظر بھسم کرنے والی آگ کی مانند تھا۔

18:اور موسیٰ گھٹا کے بیچ میں ہو کر پہاڑ پر چڑھ گیااور وہ پہاڑ پر چالیس دن اور چالیس رات رہا۔[1]

8:اور جب موسیٰ باہر خیمہ کی طرف جاتاتو سب لوگ اُٹھ کر اپنے اپنے ڈیرے کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے اور موسیٰ کے پیچھے دیکھتے رہتے تھے جب تک وہ خیمہ کے اندر داخل نہ ہو جاتا۔

9:اور جب موسیٰ خیمہ کے اندر چلا جاتاتو ابر کا ستون اُتر کر خیمہ کے دروازہ پر ٹھہر ا رہتااور خُداوند موسیٰ سے باتیں کرنے لگتا۔

10:اور سب لوگ اُٹھ اُٹھ کر اپنے اپنے ڈیرے کے دروازہ پر سے اُسے سجدہ کرتے تھے۔

11:اور جیسے کوئی شخص اپنے دوست سے بات کرتا ہے ویسے ہی خُداوندرُوبرُوہو کر موسیٰ لشکر گاہ کو لوٹ آتا تھاپر اُسکا خادِم یشوع جو نُون کا بیٹااور جوان آدمی تھاخیمہ سے باہر نہیں نکلتا تھا۔[2]

4:اور موسیٰ نے پہلی لوحوں کی مانند پتھر کی دو لوحیں تراشیں اور صبح سویرے اُٹھ کر پتھر کی دونوں لوحیں ہاتھ میں لئے ہوئے خُداوند کے حکم کیٔ مطابق کوہِ سیناپر چڑھ گیا۔

5:تب خُداوندابر میں ہو کر اُسکے ساتھ وہاں کھڑے ہو کر خُداوند کے نام کااِعلان کیا۔

6:اور خُداوند اُسکے آگے سے یہ پُکارتا ہُوا گزرا خُداوند خُداوند خُدای رحیم اور مہربان قہر کرنے میں دِھیما اور شفقت اور وفا میں غنی

۔

7:ہزاروں پر فضل کرنے والا۔گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا لیکن وہ مُجرم کو ہر گز بری نہیں کریگا بلکہ باپ دادا کے گناہ کی سزا اُنکے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پُشت تک دیتا ہے۔

8:تب موسیٰ نے جلدی سے سر جھکا کر سجدہ کیا۔

9:اور کہا اَے خُداوند اگر مُجھ پر تیرے کرم کی نظر ہے تو اَے خُداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ ہمارے بیچ میں ہو کر چل گو یہ

---

[1]۔عہدنامہ قدیم وجدید،ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ،ص125۔
[2]۔عہدنامہ قدیم وجدید،ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ،ص142۔

قوم گردن کش ہے اور تو ہمارے گناہ اور خطا کو معاف کر اور ہم کو اپنی میراث کر لے۔[1]

5: خُداوند کے حُضُور پہاڑ موم کی طرح پگھل گئے۔ یعنی ساری زمین کے خُداوند کے حُضُور۔

6: آسمان اُسکی صداقت ظاہر کرتا ہے۔ سب قوموں نے اُسکا جلال دیکھا ہے۔

7: کھُدی ہوئی مورتوں کے سب پوجنے والے جو بتوں پر فخر کرتے ہیں شرمندہ ہوں۔ اَے معبودو! سب اُسکو سجدہ کرو۔

8: اے خُداوند! صِیُوّن نے سُنا اور خُوش ہوئی اور یہوؔداہ کی بیٹیاں تیرے احکام سے شادمان ہوئیں۔

9: کیونکہ اَے خُداوند! تُو تمام زمین پر بُلند و بالا ہے تُو سب معبُودوں سے نہایت اعلیٰ ہے۔

10: اے خُداوند سے محبت رکھنے والو! بدی سے نفرت کرو وہ اپنے مقدسوں کی جانوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اُنکو شریروں کے ہاتھ سے چھڑاتا ہے۔

11: صادقوں کے لئے نُور بویا گیا ہے اور راست دِلوں کے لئے خُوشی۔

12: اے صادِقو! خُداوند میں خُوش رہو اور اُسکے پاک نام کا شُکر کرو۔[2]

1: خُداوند سلطنت کرتا ہے قومیں کانپیں۔ وہ کرُوبیوں پر بیٹھتا ہے۔ زمین لرزے۔

2: خُداوند صِیُوّن میں بُزرگ ہے اور وہ سب قوموں پر بُلند و بالا ہے۔

3: وہ تیرے بزرگ اور مُہیب نام کی تعریف کریں۔ وہ قُدُّوس ہے۔

4: بادشاہ کی قوت اِنصاف پسند ہے تُو راستی کو قائم کرتا ہے۔ تُو ہی نے عدل اور صداقت کو یعقُوؔب میں رائج کیا۔

5: تُم خُداوند ہمارے خُدا کی تمجید کرو۔ اور اُسکے پاؤں کی چوکی پر سجدہ کرہ۔ وہ قدوس ہے۔

6: اُسکے کاہنوں میں سے موسیٰؔ اور ہارُوؔن نے اور اُسکا نام لینے والوں میں سے سموئیلؔ نے خُداوند سے دُعا کی اور اُس نے اُن کو جواب دیا۔

7: اُس نے بادل کے ستون میں سے اُن سے کلام کیا اُنہوں نے اُسکی شہادتوں کو اور اُس آئین کو جو اُس نے اُنکو دیا تھا مانا۔

8: اَے خُداوند ہمارے خُدا! تُو اُنکو جواب دیتا تھا۔ تُو وہ خُدا ہے جو اُنکو مُعاف کرتا رہا۔ اگرچہ تُو نے اُنکے اعمال کا بدلہ دیا۔

---

[1]۔عہدنامہ قدیم وجدید، ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ،ص143۔
[2]۔عہدنامہ قدیم وجدید، ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ،ص901۔

9: تُم خُداوند ہمارے خُدا کی تمجید کرو اور اُسکے مقدس پہاڑ پر سجدہ کرو۔ کیونکہ خُداوند ہمارا خدا قُدّوس ہے۔[1]

1: اَے میری جان! خُداوند کو مُبارِک کہہ۔ اَے خُداوند میرے خُدا! تُو نہایت بزرگ ہے۔ تُو حشمت اور جلال سے مُلبس ہے۔

2: تُو نُور کو پوشاک کی طرح پہنتا ہے اور آسمان کو بیابان کی طرح تانتا ہے۔

3: تُو اپنے بالاخانوں کے شہتیر پانی پر ٹِکاتا ہے۔ تُو بادلوں کو اپنے رتھ بناتا ہے۔ تُو ہوا کے بازوؤں پر سیر کرتا ہے۔

4: تُو اپنے فرشتوں کو ہوائیں اور اپنے خادموں کو آگ کے شعلے بناتا ہے۔

5: تُو نے زمین کو اُس کی بنیاد پر قائم کیا تاکہ وہ کبھی جنبش نہ کھائے۔

6: تُو نے اُسکو سمندر سے چھُپایا جیسے لباس سے۔ پانی پہاڑوں سے بھی بلند تھا۔

7: وہ تیری جھڑکی سے بھاگا۔ اور تیری گرج کی آواز سے جلدی جلدی چلا۔

8: اُس جگہ پہنچ گیا جو تُو نے اُسکے لئے تیار کی تھی۔ پہاڑ اُبھر آئے۔ وادیاں بیٹھ گئیں۔[2]

29: اور فوراً اُن دِنوں کی مُصیبت کے بعد سُورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قُوّتیں ہِلائی جائیں گی۔

30: اور اُس وقت اِبنِ آدم کا نِشان آسمان پر دِکھائی دے گا۔ اور اُس وقت زمین کی سب قَومیں چھاتی پیٹیں گی اور اِبنِ آدم کو بڑی قُدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔

31: اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اُس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے۔

32: اب اِنجیر کے دَرخت سے ایک تمثیل سیکھو۔ جُونہی اُس کی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتّے نکلتے ہیں تُم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدِیک ہے۔

33: اِسی طرح جب تُم اِن سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدِیک بلکہ دروازہ پر ہے۔

34: میں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہو گی۔

35: آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔

36: لیکن اُس دِن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صِرف باپ۔

37: جیسا نُوح کے دِنوں میں ہُوا ویسا ہی اِبنِ آدم کے آنے کے وقت ہو گا۔

---

[1]۔عہدنامہ قدیم وجدید، ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ، ص902۔
[2]۔عہدنامہ قدیم وجدید، ج1مجمع الکنائس الشرقیۃ، ص905۔

38: کیُونکہ جِس طرح طُوفان سے پہلے کے دِنوں میں لوگ کھاتے پِیتے اور بیاہ شادِی کرتے تھے اُس دِن تک کہ نُوح کَشتی میں داخِل ہُوَا۔

39: اور جب تک طُوفان آکر اُن سب کو بہانہ لے گیا اُن کو خَبر نہ ہُوئی اُسی طرح اِبنِ آدم کا آنا ہو گا۔

40: اُس وقت دو آدمی کھیت میں ہوں گے ایک لے لیا جائے گا اور دُوسرا چھوڑ دِیا جائے گا۔

41: دو عَورتیں چکی پیستی ہوں گی۔ ایک لے لی جائے گی اور دُوسری چھوڑ دی جائے گی۔

42: پَس جاگتے رہو کیُونکہ تُم نہیں جانتے کہ تُمہارا خُداوند کس دِن آئے گا۔

43: لیکن یہ جان رکھو کہ اگر گھر کے مالک کو معلوم ہوتا کہ چور رات کو کون سے پہر آئے گا تو جاگتا رہتا اور اپنے گھر میں نقب نہ لگانے دیتا۔

44 :اِس لئے تُم بھی تیّار رہو کیُونکہ جِس گھڑی تُم کو گُمان بھی نہ ہو گا اِبنِ آدم آجائے گا۔

45: پَس وہ دِیانتدار اور عقلمند نَوکر کون سا ہے جِسے مالک نے اپنے نَوکر چاکروں پر مقرّر کیا تا کہ وقت پر اُن کو کھانا دے؟

46: مُبارک ہے وہ نَوکر جِسے اُس کا مالک آکر ایسا ہی کرتے پائے۔

47: میں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ وہ اُسے اپنے سارے مال کا مختار کر دے گا۔

48: لیکن اگر وہ خراب نَوکر اپنے دِل میں یہ کہہ کر کہ میرے مالک کے آنے میں دیر ہے۔

49 اپنے ہمخِدمتوں کو مارنا شُرُوع کرے اور شرابیوں کے ساتھ کھائے پِیئے۔

50: تو اُس نَوکر کا مالک ایسے دِن کہ وہ اُس کی راہ نہ دیکھتا ہو اور ایسی گھڑی کہ وہ نہ جانتا ہو آموجُود ہو گا۔

51: اور خُوب کوڑے لگا کر اُس کو رِیاکاروں میں شامل کرے گا۔ وہاں رونا اور دانت پِیسنا ہو گا۔[1]

63: مگر یسُوع خاموش ہی رہا۔ سَردار کاہِن نے اُس سے کہا میں تُجھے زِندہ خُدا کی قَسم دیتا ہُوں کہ اگر تُو خُدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔

64: یسُوع نے اُس سے کہا تُو نے خُود کہہ دِیا بلکہ میں تُم سے کہتا ہُوں کہ اِس کے بعد تُم اِبنِ آدم کو قادِرِ مُطلَق کی دہنی طرف بَیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔

65 :اِس پر سَردار کاہِن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اُس نے کُفر بکا ہے۔ اَب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تُم نے ابھی یہ کُفر سُنا۔ تُمہاری کیا رائے ہے؟

66:اُنہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائِق ہے۔

67: اِس پر اُنہوں نے اُس کے مُنہ پر تھُوکا اور اُس کے مُکّے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا۔

---

[1].العهد القديم والجديد : ج2 -مجمع الكنائس الشرقية : ص45.

68 :اَے مسیح ہمیں نبوّت سے بتا کہ تُجھے کس نے مارا؟

69: اور پطرس باہِر صحن میں بَیٹھا تھا کہ ایک لونڈی نے اُس کے پاس آکر کہا تُو بھی یِسُوع گلیلی کے ساتھ تھا۔

70 :اُس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر اِنکار کیا کہ میں نہیں جانتا تُو کیا کہتی ہے۔

71: اور جب وہ ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دُوسری نے اُسے دیکھا اور جو وہاں تھے اُن سے کہا یہ بھی یِسُوع ناصری کے ساتھ تھا۔

72: اُس نے قَسم کھا کر پھر اِنکار کیا کہ میں اِس آدمی کو نہیں جانتا۔

73: تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے اُنہوں نے پطرس کے پاس آکر کہا بیشک تُو بھی اُن میں سے ہے کیُونکہ تیری بولی سے بھی ظاہِر ہوتا ہے۔

74 :اِس پر وہ لعنت کرنے اور قَسم کھانے لگا کہ میں اِس آدمی کو نہیں جانتا اور فِی الفَور مرغ نے بانگ دی۔

75: پطرس کو یِسُوع کی وہ بات یاد آئی جو اُس نے کہی تھی کہ مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تُو تین بار میرا اِنکار کرے گا اور وہ باہِر جا کر زار زار رویا۔[1]

24: مگر اُن دِنوں میں اُس مُصِیبت کے بعد سُورج تارِیک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔

25:اور آسمان سے ستارے گرنے لگیں گے اور جو قُوّتیں آسمان میں ہیں وہ ہِلائی جائیں گی۔

26:اور اُس وقت لوگ اِبنِ آدم کو بڑی قُدرت اور جلال کے ساتھ بادلوں میں آتے دیکھیں گے۔

27:اُس وقت وہ فرِشتوں کو بھیج کر اپنے بر گزِیدوں کو زمین کی اِنتہا سے آسمان کی اِنتہا تک چاروں طرف سے جمع کرے گا۔

32: لیکن اُس دِن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرِشتے نہ بیٹا مگر باپ۔[2]

61: سَردار کاہِن نے اُس سے پھِر سوال کیا اور کہا کیا تُو اُس سُتُودہ کا بَیٹا مسیح ہے ؟۔

62: یِسُوع نے کہا ہاں میں ہُوں اور تُم اِبنِ آدم کو قادِرِ مُطلَق کی دہنی طرف بَیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے۔

63: سَردار کاہِن نے اپنے کپڑے پھاڑ کر کہا اَب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی ؟۔

64: تُم نے یہ کُفر سُنا۔ تُمہاری کیا رائے ہے ؟اُن سب نے فتوےٰ دِیا کہ وہ قتل کے لائِق ہے۔

65: تب بعض اُس پر تُھوکنے اور اُس کا مُنہ ڈھانپنے اور اُس کے مُکّے مارنے اور اُس سے کہنے لگے نبوّت کی باتیں سُنا! اور پیادوں نے اُسے طمانچے مار مار کر اپنے قبضہ میں لیا۔

66: جب پطرس نیچے صحن میں تھا تو سَردار کاہِن کی لونڈیوں میں سے ایک وہاں آئی۔

67: اور پطرس کو آگ تاپتے دیکھ کر اُس پر نظر کی اور کہنے لگی تُو بھی اُس ناصری یِسُوع کے ساتھ تھا۔

---

[1]-العهد القديم والجديد : ج2 -مجمع الكنائس الشرقية : ص51.

[2]-2العهد الجديد والقديم : ج2 -مجمع الكنائس الشرقية : ص81.

68: اُس نے اِنکار کیا اور کہا کہ میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہُوں کہ تُو کیا کہتی ہے۔ پِھر وہ باہِر ڈیوڑھی میں گیا اور مرغ نے بانگ دی۔

69: وہ لونڈی اُسے دیکھ کر اُن سے جو پاس کھڑے تھے پُھر کہنے لگی یہ اُن میں سے ہے۔

70: مگر اُس نے پِھر اِنکار کیا اور تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے جو پاس کھڑے تھے پطرس سے پِھر کہا بیشک تُو اُن میں سے ہے کیُونکہ تُو گلیلی بھی ہے۔

71: مگر وہ لعنت کرنے اور قَسم کھانے لگا کہ میں اِس آدمی کو جِس کا تُم ذِکر کرتے ہو نہیں جانتا۔

72: اور فِی الفَور مرغ نے دُوسری بار بانگ دی۔ پطرس کو وہ بات جو یسُوع نے اُس سے کہی تھی یاد آئی کہ مرغ کے دو بار بانگ دینے سے پہلے تُو تِین بار میرا اِنکار کرے گا اور اُس پر غَور کر کے وہ رو پڑا۔[1]

7: دیکھو وہ بادلوں کے ساتھ آنے والا ہے اور ہر ایک آنکھ اُسے دیکھے گی اور جِنہوں نے اُسے چھیدا تھا وہ بھی دیکھیں گے اور زمین پر کے سب قبیلے اُس کے سبب سے چھاتی پیٹیں گے۔[2]

ضمیمہ:5۔

علی ابن ابراہیم نے اپنے والد سے انہوں نے ابی عمیر سے انہوں نے ابن اذینۃ سے انہوں نے امام جعفر الصادق (ع) سے روایت کی ہیں۔ امام (ع) فرماتے ہیں: تم اس پیشانی کے بارے کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: قربان جاؤں مولا! اس کے بارے میں؟ فرمایا: ان کے کانوں، رکوع اور ان میں سجدوں میں۔ میں کہا: یہ کہتے ہیں کہ ابی بن کعب میں خواب میں دیکھا ہے۔ فرمایا: انہوں نے دین خداوندی کے بارے میں جھوٹ بولا ہے کیونکہ خدا خواب میں دیکھا نہیں جاتا۔ پھر سدیر الصیرفی نے کہا: قربان جاؤں مولا! ہمارے لئے کوئی حدیث فرمائیں۔ امام (ع) نے فرمایا:

إن الله عز وجل لما عرج بنبيه (ص) إلى سماواته السبع أما اوليهن فبارك عليه، والثانية علمه فرضه فأنزل الله محملاً من نور فيه أربعون نوعاً من أنواع النور، كانت محدقة بعرش الله تغشي أبصار الناظرين، أما واحد منها فأصفر فمن أجل ذلك اصفرت الصفرة ، وواحد منها أحمر فمن أجل ذلك احمرت الحمرة، وواحد منها أبيض فمن أجل ذلك ابيض البياض، والباقي على ساير عدد الخلق من النور والالوان في ذلك المحمل حلق وسلاسل من فضة، ثم عرج به إلى السماء فنفرت الملائكة إلى أطراف السماء وخرت سجداً وقالت: سبوح قدوس ما أشبه هذا النور بنور ربنا، فقال جبرئيل (ع): الله أكبر الله أكبر، ثم فتحت أبواب السماء واجتمعت الملائكة فسلمت على النبي (ص) أفواجاً وقالت: يا محمد كيف أخوك إذا نزلت فاقرأه السلام، قال النبي (ص): أفتعرفونه ؟ قالوا: وكيف لا نعرفه وقد أخذ

---

[1] العهد القديم والجديد : ج2 -مجمع الكنائس الشرقية : ص85.

[2] العهد القديم والجديد : ج2 -مجمع الكنائس الشرقية : ص395.

ميثاقك وميثاقه منا وميثاق شيعته إلى يوم القيامة علينا، وإنا لنتصفح وجوه شيعته في كل يوم وليلة خمساً - يعنون في كل وقت صلاة - وإنا لنصلي عليك وعليه.

یقیناخدائے عزیزوجبار اپنے نبی اپنے سات آسمانوں کی بلندیوں کی طرف لے گیا۔پہلے آسمان میں ان اپنی برکتیں نازل کیں،دوسرے آسمان میں ان کو ان کے فرائض کی تعلیم دی،پھر خدائے عزیزوجبار نے نورایک محمل نازل فرمائی جس میں نور کے اقسام میں سے چالیس قسم کے ایسے نور تھے جو عرش کے اطراف میں حلقہ کیے ہوئے تھے اور جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ان میں سے ایک پیلا تھا جس کی وجہ سے پیلا رنگ پیدا ہوا،ایک سرخ تھا جس کی وجہ سے سرخی پیدا ہوئی،ایک سفید تھا جس کی وجہ سے سفیدی وجود میں آئی،اور باقی اس محمل میں کے دیگر تمام مخلوقات کے چاندی کے قلابوں اور زنجیر تھے۔

پھر آنحضرت(ص)آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے،پھر ملائکہ نے آتے ہوئے دیکھا تو آسمان کی طرف بھاگے اور سجدے میں گر پڑے اور بولے:

سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح،یہ نور ہمارے رب کے نور سے کس قدر مشابہ ہے،اتنے میں جبرئیل نے کہا:

الله أكبر الله أكبر،یہ سن کر ملائکہ ٹھہر گئے،آسمان کے دروازے کھول دیئے اور تمام ملائکہ جمع ہو گئے اور گروہ در گروہ آکر نبی اکرم(ص)کو سلام کیا اور پوچھا:اے محمد!آپ کے بھائی کیسے ہیں؟آنحضرت(ص)نے فرمایا:بخیر ہیں۔ملائکہ نے کہا:اچھا آپ واپس جائیں تو انہیں ہمارا سلام کہہ دیں۔نبی(ص)نے فرمایا:کیا تم لوگ انہیں جانتے ہو؟ملائکہ نے کہا:ہم لوگ ان کو کیوں نہیں جانیں گے؟اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے متعلق اور ان کے متعلق ہم لوگوں سے عہد و پیمان لیا ہے اور ہم لوگ مسلسل آپ پر اور ان پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔

[قال:] ثم زادني ربي أربعين نوعاً من أنواع النور لا يشبه النور الأول وزادني حلقاً وسلاسل وعرج بي إلى السماء الثانية، فلما قربت من باب السماء الثانية نفرت الملائكة إلى أطراف السماء وخرت سجداً وقالت: سبوح قدوس رب الملائكة والروح، ما أشبه هذا النور بنور ربنا ، فقال جبرئيل (ع): أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله. فاجتمعت الملائكة وقالت: يا جبرئيل من هذا معك ؟ قال: هذا محمد (ص)، قالوا: وقد بعث ؟ قال : نعم، قال النبي (ص): فخرجوا إلي شبه المعانيق فسلموا علي وقالوا: اقرأ أخاك السلام، قلت: أ تعرفونه ؟ قالوا: وكيف لا نعرفه وقد أخذ ميثاقك وميثاقه وميثاق شيعته إلى يوم القيامة علينا وإنا لنتصفح وجوه شيعته في كل يوم وليلة خمساً - يعنون في كل وقت صلاة –

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس محمل میں چالیس اقسام کے نور کا مزید اضافہ فرمایا جو پہلے چالیس قسم کے نوروں میں سے کسی ایک سے بھی مشابہ نہیں تھے اور اس محمل میں کچھ قلابوں اور زنجیروں کا بھی اضافہ کیا،اور آپ(ص)اس کے ذریعے دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے،اور جب دوسرے آسمان کے دروازے کے قریب پہنچے تو وہاں کے فرشتے بھاگ کر آسمان کے اطراف میں چلے

گئے اور سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے: سبوح قدوس رب الملائكة والروح یہ نور ہمارے رب کے نور سے کس قدر مشابہ ہے پس جبرئیل نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله. یہ سن کر ملائکہ پھر سے جمع ہوئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے اور بولے: اے جبرئیل! تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ محمد (ص) ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا: کیا یہ مبعوث ہو گئے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں ہو گئے۔ رسول اللہ (ص) بیان فرماتے ہیں: پھر وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا اور کہا: اپنے کو ہمارا اسلام کہئے گا۔ میں نے پوچھا: کیا لوگ ان کو جانتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں، ہم لوگ ان کو کیونکر نہ جانیں گے اللہ نے ہم سے عہد و پیمان لیا ہے آپ کے متعلق اور ان کے متعلق اور ان کے ان شیعوں کے متعلق جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اور ہم لوگ ان کے شیعوں کے چہروں کو تو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتے رہتے ہیں یعنی نماز کے اوقات میں۔

قال: ثم زادني ربي أربعين نوعاً من أنواع النور لا تشبه الأنوار الأولى، ثم عرج بي إلى السماء الثالثة فنفرت الملائكة وخرت سجداً وقالت: سبوح قدوس رب الملائكة والروح ما هذا النور الذي يشبه نور ربنا ؟ فقال جبرئيل (ع): أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن محمداً رسول الله. فاجتمعت الملائكة وقالت: مرحباً بالأول ومرحباً بالآخر ومرحباً بالحاشر ومرحباً بالناشر محمد خير النبيين وعلي خير الوصيين. قال النبي (ص): ثم سلموا علي وسألوني عن أخي، قلت: هو في الأرض أ فتعرفونه ؟ قالوا: وكيف لا نعرفه وقد نحج البيت المعمور كل سنة وعليه رق أبيض فيه اسم محمد واسم علي والحسن والحسين [والأئمة] (ع) وشيعتهم إلى يوم القيامة، وإنا لنبارك عليهم كل يوم وليلة خمساً - يعنون في وقت كل صلاة - ويمسحون رؤوسهم بأيديهم.

آنحضرت (ص) نے ارشاد فرمایا: پھر اللہ تعالی نے میرے لئے چالیس کے مزید انوار کا اضافہ کر دیا جو سابقہ انوار میں کسی نور سے بھی مشابہ نہیں تھے، اور محمل کچھ قلابے اور زنجیریں بڑھا دیں۔ پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گیا، مجھے آتا دیکھ کر ملائکہ آسمان کے اطراف میں چلے گئے اور سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے: سبوح قدوس رب الملائكة والروح یہ نور ہمارے رب کے نور سے کس قدر مشابہ ہے، یہ سن کر جبرئیل نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله. یہ سن کر تمام ملائکہ جمع ہو گئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے: خوش آمدید آخر، خوش آمدید حاشر، خوش آمدید ناشر محمد خاتم النبیین (ص) ہیں اور علی (ع) تمام اوصیاء میں سب سے بہتر ہیں، آنحضرت (ص) نے فرمایا: پھر ان سب نے مجھے سلام کیا اور پوچھا کہ علی (ع) کہاں ہیں؟ میں وہ زمین پر میرے خلیفہ اور نائب ہیں، کیا تم لوگ ان کو جانتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں!، ہم ان کو کیسے نہیں جانیں گے؟ ہم لوگ بیت معمور سال میں ایک مرتبہ حج کے لئے جاتے ہیں، اس پر ایک سفید کتبہ قرطاس پر آویزاں ہے جس محمد، علی فاطمہ، حسن، حسین اور دیگر آئمہ اور ان کے شیعہ تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے کے نام تحریر ہیں اور ہم لوگ برکت کے لئے ان ناموں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔

قال: ثم زادني ربي أربعين نوعاً من أنواع النور لا تشبه تلك الأنوار الأولى، ثم عرج بي حتى انتهيت إلى السماء الرابعة فلم تقل الملائكة شيئاً وسمعت دوياً كأنه في الصدور،

فاجتمعت الملائكة ففتحت أبواب السماء وخرجت إلي شبه المعانيق فقال جبرئيل (ع): حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح. فقالت الملائكة: صوتان مقرونان معروفان، فقال جبرئيل (ع): قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة. فقالت الملائكة: هي لشيعته إلى يوم القيامة، ثم اجتمعت الملائكة وقالت: كيف تركت أخاك ؟ فقلت لهم: وتعرفونه ؟ قالوا: نعرفه وشيعته وهم نور حول عرش الله۔

آنحضرت(ص) نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے چالیس اقسام کے کے انوار مزید بڑھائے جو سابقہ انوار میں سے کسی بھی مشابہ نہیں تھے، اور محمل میں قلابے اور زنجیریں بڑھادیں اور مجھے چوتھے آسمان کی لے گیا۔ وہاں کے ملائکہ کچھ نہ بولے، مگر میں نے ایسی آوازیں سنیں جیسے لوگ دل ہی دل میں گنگنا رہے ہوں۔ پھر تمام ملائکہ آگئے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے، میرے پاس آئے۔ اس وقت جبرئیل نے کہا: حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح تو ملائکہ نے کہا: دونوں آوزیں قریب قریب ہیں، محمد (ص) کے ذریعے نماز قائم ہوگی اور علی (ع) کے ذریعے دنیا میں فلاح قائم ہوگی۔ پھر جبرئیل کہا: قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة تو ملائکہ کہا: یہ نماز ان کے شیعوں کے لئے ہے جو قیامت تک اس کو قائم کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد ملائکہ نبی (ص) کے پاس جمع ہوئے اور دریافت کیا: آپ نے اپنے بھائی کو کہاں چھوڑا ہے اور وہ کیسے ہیں ؟، آپ (ص) نے فرمایا: کیا تم لوگ انہیں جانتے ہو ؟، انہوں نے کہا: ہم لوگ انہیں، بلکہ ان کے شیعوں کو بھی اس وقت سے جانتے ہیں جب وہ عرش کے گرد نور کی شکل میں تھے۔

وإن في البيت المعمور لرقا من نور [فيه كتاب من نور] فيه اسم محمد وعلي والحسن والحسين والأئمة وشيعتهم إلى يوم القيامة، لا يزيد فيهم رجل ولا ينقص منهم رجل وإنه لميثاقنا وإنه ليُقرأ علينا كل يوم جمعة، ثم قيل لي: ارفع رأسك يا محمد، فرفعت رأسي فإذا أطباق السماء قد خرقت والحجب قد رفعت، ثم قال لي: طأطئ رأسك، أنظر ما ترى ؟ فطأطأت رأسي فنظرت إلى بيت مثل بيتكم هذا وحرم مثل حرم هذا البيت لو ألقيت شيئاً من يدي لم يقع إلا عليه، فقيل لي: يا محمد إن هذا الحرم وأنت الحرام ولكل مثل مثال، ثم أوحى الله إلي: يا محمد ادنُ من صاد فاغسل مساجدك وطهرها وصل لربك فدنا رسول الله (ص) من صاد وهو ماء يسيل من ساق العرش الأيمن، فتلقى رسول الله (ص) الماء بيده اليمنى فمن أجل ذلك صار الوضوء باليمين، ثم أوحى الله عز وجل إليه أن اغسل وجهك فإنك تنظر إلى عظمتي، ثم اغسل ذراعيك اليمنى واليسرى فإنك تلقى بيدك كلامي، ثم امسح رأسك بفضل ما بقي في يديك من الماء ورجليك إلى كعبيك فإني أبارك عليك وأوطيك موطئا لم يطأه أحد غيرك، فهذا علة الأذان والوضوء.

اور بیت معمور میں ایک ایک نور کی کتاب ہے جس میں محمد، علی، حسن، حسین اور ائمہ (ع) اور ان کے قیامت تک کے شیعوں کے نام درج ہیں۔ جس میں نہ ایک آدمی کم ہے اور نہ ہی زیادہ، اور ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ یہ نام ہمارے اوپر ہر جمعہ پڑے جاتے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا: اے محمد ! اپنا سر اٹھالو، میں سر اٹھائی لیا تو میں نے دیکھا کہ آسمان کے سارے طبقے کھول دیے گئے اور سارے حجابات ہٹادیے گئے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا: اپنا سر نیچے کرو، پھر دیکھو یا نظر آرہا ہے ؟ پھر میں نے تمہارے گھر کی طرح ایک گھر دیکھا اور اس گھر کے حرم کی طرح ایک حرم دیکھا جہاں اگر میں کوئی چیز پھینک دیتا تو صرف اسی پر جاکر گر جاتی۔ پھر مجھے کہا گیا، اسے

محمد! یہ حرم اور تو محمد محترم ہیں کیونکہ ہر چیز کی کوئی مثال ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے مجھ پر وحی کیا: اے محمد! اس کے قریب ہو جاؤ اور اپنے مساجد کو دھولو اور اسے پاک کرو پھر اپنے پروردگار کے نماز ادا کرو۔ پھر رسول اللہ (ص) قریب ہوئے جہاں دائیں عرش سے پانی بہہ رہا تھا، آپ (ص) نے سیدھے ہاتھ سے پانی لے کر وضو فرمایا۔ پھر اللہ وحی کیا: اے محمد! اپنے منہ کو دھوتا کہ تم میرے عظمت کو دیکھ پاؤ، اس کے بعد دائیں اور بائیں ہاتھوں کو دھو، کیونکہ تو اپنے ہاتھ سے میرے کلام کو اٹھانا ہے، پھر ہاتھ پر باقی ماندہ پانی سے اپنے سر اور پیروں کے ٹخنوں تک مسح کرو، کیونکہ میں تجھ پر برکت نازل کروگا اور تجھے اس طرح چلاؤں گا جس طرح کوئی بھی نہیں چلا ہے۔ یہی دراصل اذان اور وضو کی علت ہے۔

ثم أوحى الله عز وجل إليه: يا محمد استقبل الحجر الأسود وكبرني على عدد حجبي فمن أجل ذلك صار التكبير سبعاً؛ لأن الحجب سبع فافتتح عند انقطاع الحجب، فمن أجل ذلك صار الافتتاح سنة والحجب متطابقة بينهن بحار النور وذلك النور الذي أنزله الله على محمد (ص)، فمن أجل ذلك صار الافتتاح ثلاث مرات لافتتاح الحجب ثلاث مرات، فصار التكبير سبعاً والافتتاح ثلاثاً، فلما فرغ من التكبير والافتتاح أوحى الله إليه سمِّ باسمي فمن أجل ذلك جعل بسم الله الرحمن الرحيم في أول السورة ، ثم أوحى الله إليه أن احمدني، فلما قال: الحمد لله رب العالمين، قال النبي في نفسه شكراً، فأوحى الله عز وجل إليه قطعت حمدي فسم باسمي فمن أجل ذلك جعل في الحمد الرحمن الرحيم مرتين، فلما بلغ ولا الضالين قال النبي (ص): الحمد لله رب العالمين شكراً ، فأوحى الله إليه قطعت ذكري فسم باسمي فمن أجل ذلك جعل بسم الله الرحمن الرحيم في أول السورة ثم أوحى الله عز وجل إليه : اقرأ يا محمد نسبة ربك تبارك وتعالى: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ * اللَّهُ الصَّمَدُ * لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ * وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾.

پھر اللہ نے وحی کی اور فرمایا: اے محمد! حجر اسود کی طرف رخ کر کے میری حجاب کے مطابق تکبیر کہو، پھر اس طرح سے ساتھ تکبیریں ہو گئیں، کیونکہ حجاب سات ہیں اور جب یہ سارے ہٹنا شروع ہوئے تو حجاب کے مطابق نور کے سمندر پیدا ہوئے پھر اس نور اللہ کو اللہ نے محمد (ص) پر نازل فرمایا، اس طرح سے تین مرتبہ حجاب کے ہٹنے سے افتتاح بھی تین ہو گئے، اس وجہ سے تکبیر تین مرتبہ اور افتتاح تین مرتبہ ہو گئے، اس کے بعد جب تکبیر اور افتتاح سے فارغ ہوئے تو اللہ نے وحی کی اور فرمایا: اے محمد! میرا نام پکارو! اس وجہ سے سورے کے ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آگیا، پھر اللہ نے وحی کی اور فرمایا: میری تعریف کرو، اور جب فرمایا: الحمد للہ رب العالمین اور پیغمبر (ص) نے خود شکر فرمایا۔ پھر اللہ نے وحی کی اور فرمایا: تو نے میری تعریف کی ہے اب میرا نام پکارو، اس کی وجہ سے ہر تعریف میں الرحمن الرحیم قرار دیا گیا، پھر جب " ولا الضالین" تک پہنچ گیا تو پیغمبر (ص) نے شکر کے طور پر الحمد للہ رب العالمین فرمایا۔ پھر وحی ہوئی: اے محمد! تو میری تعریف کی اب میرا نام پکارو، اس وجہ سے بسم الرحمن الرحیم تمام سوروں کے شروع میں آگیا۔ پھر وحی ہوئی: اے محمد! تیرے پروردگار کی نسبت یہ ہے: کہہ دو یہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

ثم أمسك عنه الوحي فقال رسول الله (ص): الواحد الأحد الصمد ، فأوحى الله إليه: لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد، ثم أمسك عنه الوحي فقال رسول الله (ص): كذلك الله كذلك

[الله] ربنا، فلما قال ذلك أوحى الله إليه: اركع لربك يا محمد، فركع فأوحى الله إليه وهو راكع قل: سبحان ربي العظيم ففعل ذلك ثلاثاً، ثم أوحى الله إليه: أن ارفع رأسك يا محمد، ففعل رسول الله (ص) فقام منتصباً فأوحى الله عز وجل إليه: أن اسجد لربك يا محمد، فخر رسول الله (ص) ساجداً، فأوحى الله عز وجل إليه قل: سبحان ربي الأعلى، ففعل ذلك ثلاثاً، ثم أوحى الله إليه: استو جالساً يا محمد، ففعل فلما رفع رأسه من سجوده واستوى جالساً نظر إلى عظمته تجلت له فخر ساجداً من تلقاء نفسه لا لأمر أُمر به فسبح أيضا ثلاثاً، فأوحى الله إليه: انتصب قائماً، ففعل فلم ير ما كان رأى من العظمة فمن أجل ذلك صارت الصلاة ركعة وسجدتين.

پھر وحی روک دی تو رسول اللہ (ص) نے فرمایا: الواحد الأحد الصمد پھر اللہ نے وحی کی اور فرمایا: لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد پھر وحی رک گئی۔ پھر رسول اللہ (ص) نے فرمایا: اسی طرح ہی ہے ہمارا پروردگار۔ اس کے بعد پھر وحی ہوئی: اے محمد! اپنے رب کے کے لئے رکوع کرو، آپ (ص) نے رکوع بجالا، اور ابھی رکوع میں ہی تھے پھر فرمایا: سبحان ربي العظيم پڑھو آپ (ص) نے تین مرتبہ پڑھا۔ پھر وحی ہوئی: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، آپ (ص) نے سر اٹھا کر کھڑے ہوئے ہی تھے پھر وحی ہوئی: اے محمد! سجدہ کرو، رسول اللہ (ص) سجدے میں گر گئے، وحی ہوئی: سبحان ربي الأعلى پڑھو، آپ (ص) نے تین مرتبہ اس ذکر کو پڑھا۔ اس کے بعد وحی ہوئی: اے محمد! اب بیٹھ جاؤ، آپ (ص) سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ گئے اور اللہ کی عظمت کو دیکھ کر بغیر حکم کے خود سے دوبارہ سجدے میں گر گئے اور تین مرتبہ تسبیح پڑھیں۔ اتنے وحی ہوئی: اپنا سر ٹھادو، آپ (ص) کھڑے ہوئے۔ اس طرح جو عظمت آپ (ص) نے وہ کسی نے نہیں دیکھی، اس وجہ سے نماز کے ہر رکعت میں دو سجدے ہو گئے۔

ثم أوحى الله عز وجل إليه: اقرأ بالحمد لله، فقرأها مثل ما قرأ أولاً، ثم أوحى الله عز وجل: إليه اقرأ إنا أنزلناه فإنها نسبتك ونسبة أهل بيتك إلى يوم القيامة، وفعل في الركوع مثل ما فعل في المرة الأولى ثم سجد سجدة واحدة، ثم أوحى الله إليه: ارفع رأسك يا محمد ثبتك ربك، فلما ذهب ليقوم قيل: يا محمد اجلس، فجلس فأوحى الله إليه يا محمد إذا ما أنعمت عليك فسمِّ باسمي فألهم أن قال: بسم الله وبالله ولا إله إلا الله والأسماء الحسنى كلها لله، ثم أوحى الله إليه: يا محمد صل على نفسك وعلى أهل بيتك، فقال: صلى الله علي وعلى أهل بيتي، وقد فعل، ثم التفت فإذا بصفوف من الملائكة والمرسلين والنبيين فقيل: يا محمد سلم عليهم، فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فأوحى الله إليه: أن السلام والتحية والرحمة والبركات أنت وذريتك.

پھر اللہ کی طرف سے وحی آئی: اے محمد! الحمد للہ پڑھو، آپ (ص) نے پہلے کی طرح پڑھا، پھر وحی ہوئی: اب سورہ قدر پڑھو کیونکہ یہ روزِ قیامت آپ (ص) اور اپنے اہل بیت (ع) سے منسوب ہے۔ آپ (ص) نے رکوع میں بھی پہلے کی طرح انجام دیا، پھر ایک سجدہ بجا فرمایا۔ اتنے میں دوبارہ وحی ہوئی: اے محمد! اپنا سر اٹھادو کیونکہ تجھے تیرے رب نے ثابت فرمادیا ہے، پھر آپ (ص) کھڑے ہونے لگے تو ارشاد ہوا: اے محمد! بیٹھ جاؤ، اور آپ (ص) بیٹھ گئے، پھر وحی ہوئی: اے محمد! جب بھی میں تجھے کوئی نعمت دوں تو مجھے اس طریقے پکارو: بسم الله وبالله ولا إله إلا الله والأسماء الحسنى كلها لله۔ پھر وحی ہوئی: اے

محمد! اپنے آپ (ص) اور اپنے اہل بیت (ع) پر درود بھیجو، پھر آپ (ص) نے فرمایا: صلى الله علي و على أهل بيتي۔ اس کے بعد جب آپ (ص) متوجہ ہوئے سارے فرشتے، مرسلین اور انبیاء (ع) قطار میں ہیں۔ پھر کہا گیا: اے محمد! ان پر بھی درود بھیجو! آپ (ص) نے فرمایا: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته پھر وحی ہوئی: کہ تمام سلام و تحیت، رحمت اور برکات تو اور تیری ذریت ہیں۔

ثم أوحى الله إليه أن لا يلتفت يساراً وأول آية سمعها بعد قل هو الله أحد وإنا أنزلناه آية أصحاب اليمين و أصحاب الشمال فمن أجل ذلك كان السلام واحدة تجاه القبلة، ومن أجل ذلك كان التكبير في السجود شكراً وقوله: سمع الله لمن حمده لأن النبي (ص) سمع ضجة الملائكة بالتسبيح والتحميد والتهليل، فمن أجل ذلك قال: سمع الله لمن حمده، ومن أجل ذلك صارت الركعتان الأوليان كلما أحدث فيهما حدثا كان على صاحبهما إعادتهما فهذا الفرض الأول في صلاة الزوال يعني صلاة الظهر۔

پھر وحی ہوئی: کہ آپ (ص) بائیں جانب متوجہ نہ ہو، اور سب سے پہلے آپ (ص) نے قل ھو اللہ احد، انا انزلناہ اور آیت اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال سنیں، اس وجہ سے قبلہ کی طرح رخ کر کے ایک سلام کرنا ہو گیا، اس وجہ سے سجدوں میں تکبیر شکر ہو گیا، پھر کہا: سمع الله لمن حمده، کیونکہ آپ (ص) فرشتوں کی تسبیح، تعریف اور تہلیل کے آواز سن چکے تھے، لہٰذا آپ (ص) یہ ذکر فرمانے لگے، اس کے بعد پہلی دو رکعتوں کی طرح نماز ظہر کے اندر دو اور رکعتیں بھی فرض ہو گئیں۔[1]

''فلما رفع رأسه من سجوده واستوى جالساً نظر إلى عظمته تجلت له فخر ساجداً من تلقاء نفسه لا لأمر أُمر به''

''پھر آپ (ص) نے جب سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ گئے اور اللہ کی عظمت کا مشاہد فرمایا تو بغیر حکم کے دوبارہ خود سے سجدے میں گر گئے''۔

یہ وہ کلمات ہیں جو معرفت کے لئے حقیقی سجدے کی لزوم کو واضح کرتی ہیں۔

''ثم اجتمعت الملائكة وقالت كيف: تركت أخاك ؟ فقلت لهم: وتعرفونه ؟ قالوا: نعرفه وشيعته وهم نور حول عرش الله وإن في البيت المعمور لرقا من نور [فيه كتاب من نور] فيه اسم محمد وعلي والحسن والحسين والأئمة وشيعتهم إلى يوم القيامة لا يزيد فيهم رجل ولا ينقص منهم رجل وإنه لميثاقنا وإنه ليُقرأ علينا كل يوم جمعة''۔

''پھر سارے فرشتے جمع ہو گئے اور کہنے لگے: آپ (ص) اپنے بھائی کو کیوں چھوڑ آئے ہو؟ میں نے کہا: کیا تم سب انہیں جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ان کو ان کے شیعوں کو جانتے ہیں جو اللہ کے عرش کے ارد گرد ایک نور ہیں، اور بیت معمور میں ایک نور کا رقعہ ہے جس میں ایک کتاب نور ہے جس کے اندر محمد، علی، حسن، حسین اور ائمہ (ع) اور قیامت تک کے ان کے شیعوں نام درج ہیں، نہ ان میں ایک آدمی زیادہ ہے اور نہ کوئی کم ہے اور یہ ہمارا وعدہ ہے ہے یہ ہر روزِ جمعہ ہمارے اوپر پڑھا جائے''۔

---

[1] الكافي – الشيخ الكليني : ج3 ص482 – 486.

علی(ع) کے شیعوں میں نہ کوئی زیادہ ہے اور نہ ہی کوئی کمی ہے یہ ذوات ائمہ اور مہدیوں (ص) اللہ کی حجت ہیں جو علی (ع) کی اولاد سے ہیں۔ یہی وہ نور ہیں جو عرش الٰہی کے ارد گرد ہیں، انہی کے نام ایک نور کے رقعہ میں لکھا ہوا ہے اور بیت معمور میں رکھا ہوا جو فرشتوں کا قبلہ ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ کعبہ ہی وہ تصویر ہے جسے زمین پر لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ اسمائے ائمہ اور مہدیین ہی میثاق ملائکہ ہے جسے ان پر ہر جمعہ پڑھا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اسماء ان کے سجود، استغفار اور استغفار سے متعلق ہیں جب انہوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا، اور یہی بیت معمور اور کعبہ کے درمیان تعلق ہیں، روایت کے مطابق کعبہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنا دراصل انہی اسماء کے نور کی وجہ سے ہے، اور اس وقت اور واضح ہو گیا جب کعبہ میں علی ابن ابی طالب (ع) کی ولادت ہوئی اور اس کے رکن میں حجر عہد و میثاق قرار دیا۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔

ثم أوحى الله عز وجل إليه: يا محمد استقبل الحجر الأسود وكبرني على عدد حجبي، فمن أجل ذلك صار التكبير سبعاً لأن الحجب سبع.

''پھر اللہ نے وحی کی اور فرمایا: اے محمد! حجر اسود کی طرف رخ کرو اور میرے حجاب کے مطابق میری تکبیر کہو، پھر سات حجاب کی وجہ ساتھ تکبیر ہو گئے''۔

جیسا کہ سات تکبیریں ایمان والوں کے درمیان مشہور ہے کہ جو تکبیرۃ الاحرام اور نماز کے شروع میں چھ تکبیرات ہیں۔ لیکن حجر اسود کی رخ کر کے خاص طور سے جو تکبیر کہا گیا، جس کا اشارہ دراصل مہدی (ع) کی طرف ہے اور مہدی یا یوسف آل محمد (ع) ہی محمد (ص) و آل محمد (ع) کا قبلہ ہیں جن کے بارے ان سب نے بشارت دی ہیں اور عدل الٰہی کی حکومت قائم کرنے میں انہوں نے شرکت کی ہیں جسے مہدی (ع) قائم کریں گے۔

یہ دراصل ایک انٹرنیٹ پر وارد ہونے والے چند سوالوں کا جواب ہے جس کے اندر حجر اسود اور مہدی یا قائم کے ساتھ تعلق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سوال: یہ آدمی کون ہے؟

سلام و رحمت اور برکات خداوندی ہو یمانی آل محمد پر۔

خدا درود و سلام فرمائے محمد و آل محمد ائمہ (ع) اور مہدیوں پر۔

1424ھ میں نے حج ادا کیا تھا اور میرا دوسرا حج تھا اور خدا کے فضل سے میرے ساتھ میری بیوی تھی۔ ہم احساء کے ایک مشہور قافلے ساتھ تھے۔ اس مبارک حج میں ہمارے ساتھ کئی سبق آموز واقعات ہوئے تھے۔ جیسا کہ جب شب عرفہ میں خواتین کے قافلے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ اعمال عرفہ کے بعد اس رات کو انہیں ایک بہت ہی اونچی آواز تکرار کے ساتھ دو مرتبہ سنائی دی جس نے میری بیوی کو اٹھا دیا، لیکن عجیب بات ہوئی کہ وہاں بیٹھی ہوئی خواتین میں سے کسی اس آواز کو نہیں سنا۔ چنانچہ اس واقعے نے وہاں بیٹھی خواتین پر خوف طاری کی کیونکہ انہیں معلوم ہوا کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔

دوسری کہانی اس سے بھی زیادہ اہم ہے؛ کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ حرم میں طواف حج کے لئے داخل ہوئے ہی تھے کہ وہاں کافی بھیڑ تھی جس کی وجہ سے میں اپنی بیوی کو طواف کرانے سے ڈر گیا۔ اتنے میں ہمارے قافلے میں موجود عالم دین نے کہا: جب تم زیادہ بھیڑ دیکھو تو تم لوگ ''یا علیم یا عظیم'' کہا کرو جس ازدحام چھٹ جائے گا، جہاں میں اس ذکر کا تجربہ طواف عمرہ میں کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں نے خود ازدحام چھٹتے دیکھا تھا۔ پھر میں نے ایک ہی مرتبہ ''یا علیم یا عظیم'' کہا ہی تھا کہ وہاں رکن و مقام سے ایک آدمی فوراً نکل گیا جو حجاج کے صفوں چیرتا ہوا آیا میری طرف آیا جیسا کہ وہ اپنے طواف مکمل کرنے سے پہلے ہمارے لئے ہی آیا ہے کیونکہ وہ ابھی رکن و مقام عبور نہیں کیا تھا اور خاص طور سے ہماری رخ کیا جہاں کعبہ ان کے پیچھے تھا اور ہمارے اور ان کے درمیان کوئی بھی حاجی نہیں تھا اور ہم سے کہنے لگا: '' میرے پیچھے آئیں میں تم دونوں کو طواف کرادوں گا پھر میں اور میری بیوی ان کے پیچھے ہوئے اور انہوں نے ہمیں طواف حج کرادیا جہاں ہمیں کسی بھی قسم کے ازدحام یا تنگی کا پتہ ہی نہیں چلا اس دوران وہ دعائیں، اذکار اور دعائے کمیل پڑھ رہے تھے، جبکہ میں محمد وآل محمد (ع) پر کثرت سے درود پڑھتے ہوئے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا'' یہ شاید مہدی محمد ابن الحسن (ع) ہیں۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا'' میری کیا حیثیت ہے کہ میرے امام مہدی (ع) طواف کرائیں؟ اور طواف کے پہلے چکر کے دوران میری میرے پیچھے تھی تو انہوں نے مجھے کہا: '' تو اپنی بیوی کو اپنے آگے رکھو اور وہ خود میرے پیچھے ہو گئے اس طرح انہوں نے دوران طواف اپنے بیوی کی حفاظت کرنے کی تعلیم دی۔ اور جب ہم حجر اسود تک پہنچے تو انہوں نے اپنے دائیں ساتھ اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا: '' اللہ اکبر'' پھر جب ہم نے ساتویں مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم (ع) پر پہنچے تو میں ان سے کہا: میں آپ کے ساتھ طواف نساء بجالانا چاہتا ہوں تو انہوں نے اس طرح سے ان شاءاللہ کہا جیسا وہ مجھے وداع کر رہے ہیں اور میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے پیچھے کی طرح اس طرح چلنے لگے اور ہزاروں لوگوں کو چیرتے ہوئے چلے گئے جسا کہ ازدحام کے اس سمندر کے اندر ایک بڑی لہری چل رہی ہے۔

اس آدمی کی دونوں آنکھیں بڑی اور آبرو روشن تھیں، قد لمبا اور کمزور، رنگ گندمی، کالے لمبے بال تھے اور طواف حج کے کے دن سبز لباس زیب تن کیے ہوئے، سر پر طاقہ رکھے ہوئے تھے۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ وہ آدمی کون ہے؟ کیا وہ یمانی آل محمد (ع) ہیں؟ جبکہ میں کون ہوں کہ مجھے یمانی آل محمد (ع) طواف کرائیں؟ یا سبز لباس میں انصار امام مہدی محمد ابن الحسن (ع) میں ہیں؟ اس حوالے سے میں نے ایک حوزوی طالب علم سے پوچھا بھی تھا تو انہوں نے کہا کہ وہ امام (ع) ہیں جبکہ ایک مومن سے پوچھنے پر جواب دیا کہ شاید وہ جناب خضر (ع) یا اعوان امام (ع) میں سے کوئی ہے۔ کیونکہ انصار کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، وہی صفات اس آدمی کے اندر تھیں جو ان لاکھوں افراد کے درمیان نمایاں تھا۔

سلام ورحمت اور برکات خداوندی ہو یمانی آل محمد پر۔

خدا درود وسلام فرمائے محمد وآل محمد ائمہ (ع) اور مہدیوں پر۔

مسلم انصاری: عمر 40 سال۔

احساء، سعودی عرب۔

تعلیم: ہائی سکینڈری۔

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ رب العالمین۔

خدا درود وسلام فرمائے محمد وآل محمد ائمہ (ع) اور مہدیوں پر۔

ایک بات یاد رکھو! اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی خدا کو یاد کرے خدا اسے ضرور یاد کرے گا اور قلیل کے مقابلے میں زیادہ عطا فرمائے گا اور آپ نے خدائے سبحانہ کو اس کے گھر میں خلوص کے ساتھ یاد تو اس نے بھی تجھے یاد کیا اور تیری مدد کی اور تیرا کام آسان کر دیا۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کو ہمیشہ اخلاص کے ساتھ اس کی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، لیکن جس بندہ خدا نے تیری مدد کی تو اس خدا کی ہی طاقت و قوت سے تیری مدد کی ہے۔ جب خدا نے اس کو تیری مدد کرنے کا حکم دیا تو سب کچھ خدائے سبحانہ کا فضل ہے، لہٰذا اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تجھ پر یہ سب کچھ فضل فرمایا ہے اور اگر خدا اسے یہ حکم دیتا کہ وہ اپنا نام بتادے تو وہ ضرور بتادیتے۔ لیکن یہ بندہ جب حجر اسود پر پہنچ کر اللہ اکبر پڑھتا تھا تو یہ اس اپنا عمل تھا، مگر تو اور دوسرے لوگ جب حجر اسود پر پہنچیں تو یہ ذکر پڑھا کریں:

اللَّهُمَّ أَمَانَتِي أَدَّيْتُهَا وَمِيثَاقِي تَعَاهَدْتُهُ لِتَشْهَدَ لِي بِالْمُوَافَاةِ اللَّهُمَّ تَصْدِيقاً بِكِتَابِكَ وَعَلَى سُنَّةِ نَبِيِّكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وأن علياً والأئمة من ولده حجج الله وأن المهدي والمهديين من ولده حجج الله۔

اے خدا! میں اپنی امانت ادا کر چکا ہوں اور اپنا وعدہ نبھا چکا ہوں تاکہ تو میری وفاداری کی گواہی دیں۔ اے خدا میں تیری کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور تیی نبی (ص) کی سنت پر قائم ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی یکتا ہے اور اس کے لئے کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ محمد (ص) اس کا بندہ اور رسول ہیں، اور علی اور ائمہ (ع) ان کی اولاد ہیں اور اللہ کی حجتیں ہیں اور مہدی (ع) اور ان کے پیروکار ان کی اولاد میں سے اللہ کی حجتیں ہیں۔

پھر اپنے زمانے میں انہیں اللہ کی حجت سے مانیں:

آمَنْتُ بِاللَّهِ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَبِاللَّاتِ وَالْعُزَّى وَعِبَادَةِ الشَّيْطَانِ وَعِبَادَةِ كُلِّ نِدٍّ يُدْعَى مِنْ دُونِ اللَّهِ۔

میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور کفر و طاغوت، لاوت و عزیٰ اور شیطان کی عبادت اور اللہ کے علاوہ ہر کسی کی عبادت سے انکاری ہوں۔

اور دین خدا ہی وہ واحد مسئلہ ہے جس کی وجہ سے انسان کو زمین پر پیدا کیا گیا ہے، جس کے بارے خدا خود فرماتا ہے:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً﴾۔

یقیناً میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔[1]

اور سارا قرآن سورہ فاتحہ میں ہے، فاتحہ بسم اللہ میں ہے، بسم اللہ باء کے میں ہے، باء نقطے میں ہے اور وہ نقطہ علی (ع) ہیں۔ اسی لئے امیر المومنین (ع) خود فرماتے ہیں:

أنا النقطة۔

میں وہ نقطہ ہوں۔

لہٰذا امیر المومنین (ع) زمین پر اللہ کے خلیفہ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ نقطہ، باء، بسم اللہ، فاتحہ، قرآن اور دین سب کے سب زمین پر اللہ کا خلیفہ ہی تو ہے۔ جبکہ قرآن اور دین سب کچھ وہ عہد و میثاق ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اللہ کے خلفاء کی اطاعت کریں جسے اس نے حجر اساس یا حجر اسد و یا حجر زاویہ یا وہ پتھر کا ٹکڑا ہے جس سے محمد (ص) نے شیطان اور طاغوت کی حاکمیت کا خاتمہ فرمایا ہے۔ اس کا ذکر آسمانی کتابوں اور روایات میں آیا ہے جیسا کہ قریش کے درمیان اس وقت اختلاف ہو گیا جب انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ پتھر ایک عظیم امر کی نشانی ہے تو اس کے اٹھانے میں جھگڑا ہو گیا، پھر مشیئت الٰہی کے مطابق اسے محمد (ص) نے اٹھایا اور اسے اپنی جگہ رکھ دیا تا کہ اللہ کی نشانی پوری ہو جو دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قائم حق اور اس کا وہ بند ہے جسے اللہ نے عہد و میثاق قرار دیا ہے اور یہ وہی حجر ہے جسے محمد (ص) نے اٹھا کر رکھ دیا تھا۔

جیسا کہ اس پتھر کے بارے میں سعید بن عبد اللہ الاعرج نے امام جعفر الصادق (ع) نے روایت کی ہے:

إِنَّ قُرَيْشاً فِي الْجَاهِلِيَّةِ هَدَمُوا الْبَيْتَ فَلَمَّا أَرَادُوا بِنَاءَهُ حِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُ وَأُلْقِيَ فِي رُوعِهِمُ الرُّعْبُ حَتَّى قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَيَأْتِيَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِأَطْيَبِ مَالِهِ وَلَا تَأْتُوا بِمَالٍ اكْتَسَبْتُمُوهُ مِنْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ أَوْ حَرَامٍ فَفَعَلُوا فَخُلِّيَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ بِنَائِهِ فَبَنَوْهُ حَتَّى انْتَهَوْا إِلَى مَوْضِعِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَتَشَاجَرُوا فِيهِ أَيُّهُمْ يَضَعُ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ فِي مَوْضِعِهِ حَتَّى كَادَ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمْ شَرٌّ فَحَكَّمُوا أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رسول الله (ص) فَلَمَّا أَتَاهُمْ أَمَرَ بِثَوْبٍ فَبَسَطَ ثُمَّ وَضَعَ الْحَجَرَ فِي وَسَطِهِ ثُمَّ أَخَذَتِ الْقَبَائِلُ بِجَوَانِبِ الثَّوْبِ فَرَفَعُوهُ ثُمَّ تَنَاوَلَهُ (ص) فَوَضَعَهُ فِي مَوْضِعِهِ فَخَصَّهُ اللَّهُ بِهِ۔

زمانہ جاہلیت میں قریش نے بیت اللہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے گرا دیا تو ان کے درمیان شدید اختلاف ہو گیا اتنے میں انہی میں سے کسی نے کہا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے بہترین اموال لے کر آئیں اور تمہارے وہ اموال قبول ہوں گے جو غصب یا حرام ذرائع سے کمائے ہو، اس انہوں جب معاملہ سدھر گیا، پھر تعمیر شروع ہو گئی اور جب حجر اسود رکھنے کا موقع آگیا تو ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا کہ کون حجر اسود کو رکھے گا اور لڑائی کی نوبت آگئی، پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو کوئی مسجد میں سب سے پہلے داخل ہو جائے وہی حجر اسود کو رکھے گا، تو دیکھا گیا کہ رسول اللہ (ص) سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو گئے، چنانچہ آپ (ص) نے سب کو ایک

[1]۔البقرة:30۔

بڑی چادر لانے اور اسے بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھنے کا حکم فرمایا، پھر سارے قبائل نے اس چادر کے اطراف کو پکڑا کر اٹھایا اس کے آپ (ص) نے اس میں سے حجر اسود کو اٹھا کر اپنی جگہ رکھ دیا۔[1]

لہٰذا رسول اللہ (ص) کا حجر اسود کو اٹھانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قائم، اس نشانی کو اٹھانے والا، سیاہ علم کا حامل ہے جس کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ (ص) کی اولاد میں سے ہوگا چونکہ حجر کا خود رسول اللہ (ص) ہی تھے لہٰذا ان کی اولاد میں فاطمہ کے صلب میں قائم کو رکھا گیا، کیونکہ حقیقی نشانی کے حامل خود رسول اللہ (ص) ہی ہیں۔

لیکن سیاہ رنگ کا مطلب ہے کہ اللہ کا ارادہ ہے کہ حجر اسود کو اللہ سیاہ چادر سے چھپایا ہوا ہے جو دراصل اس کے بندوں کے گناہوں کی طرف اشارہ ہے تاکہ وہ توبہ اور اللہ کے گھر میں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور یہی قائم حق کا علم ہے، کیونکہ قائم آل محمد (ص) کا جھنڈا سیاہ ہوگا۔ سیاہ جھنڈا دراصل حجر اسود کی طرف اشارہ ہے اور حجر اسود سے مراد وہی سیادہ جھنڈا ہے اور ان دونوں کے سیاہ رنگ اس عہد و میثاق کے خلاف ورزی کی طرف اشارہ ہے جس عالم ذر میں خدا نے اپنے بندوں سے لیا تھا اور اس سے حامل علم کی جد وجہد بھی مراد ہے اور حامل رایہ سے وہ بندہ مراد ہے جس سے کتاب میں عہد و میثاق میں دیا گیا ہے اور یہی حجر اسود اور قائم آل محمد (ع) مراد ہے۔

اور حجر دراصل دین الٰہی میں موجود قربانی اور اس دین پر عمل پیرا رہنے سے مربوط ہے کیونکہ اللہ ایک ہے تو اس کا دین بھی ایک ہی ہے اور دین اسلام میں اس عظیم قربانی کی واضح مثال امام حسین (ع) کی شکل میں موجود ہیں جبکہ اس پہلے اس کی مثال جناب ابراہیم اور اسماعیل (ع) کی ہستیاں ہیں۔ ان کے علاوہ رسول اللہ (ص) کے والد گرامی عبداللہ، دین یہود میں جناب موسیٰ (ع)، جناب یحییٰ (ع) اور دین مسیحی میں جناب عیسیٰ (ع) ہیں، اس سے قطع نظر کہ عیسائی ان کے سولی پر چڑھے جانے کے قائل ہیں جو کہتے ہیں کہ جناب عیسیٰ (ع) ہی اس نشانی کے حامل ہیں، اب چونکہ انہوں نے دین خدا میں تحریف کی ہیں اور نہ صرف انہوں نے وہ تحریف کے شکار ہیں بلکہ بہت سارے علمائے غیر عامل میں اس گمراہی میں شریک ہیں جنہوں نے اصل دین میں تحریف کر کے فاسد عقیدے بنائے ہیں جیسا کہ کچھ کہتے ہیں کہ ان کے نبی (ع) ان کے گناہوں کو مٹانے کے ذمہ داری لیتا ہے جیسا کہ تورات کے مطابق جناب موسیٰ (ع) اپنی امت کے گناہوں کو مٹانے کے لئے اضافی مشقت اٹھاتے لیتے ہیں اور رسول اللہ (ص) ایمان والوں کے خطاؤں کو بخشوا دیں گے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً﴾۔

تاکہ اللہ آپ کی (تحریک کی) اگلی اور پچھلی خامیوں کو دور فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے اور آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے۔[2]

---

[1]۔الكافي : ج4 ص217.

[2]۔الفتح:2۔

اس آیت کی ظاہر تفسیر تو یہ ہے کہ وہ اپنی امت کے خطاؤں کو اللہ کے سامنے پیش کریں گے تو اللہ انہیں معاف فرمائے گا۔ جیسا کہ عمر ابن یزید بیاع السابری سے روایت ہے کہ میں امام جعفر الصادق (ع) سے اس آیت:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَما تَأَخَّرَ﴾۔

تا کہ اللہ آپ کی (تحریک کی) اگلی اور پچھلی خامیوں کو دور فرمائے۔

کی تفسیر پوچھنے پر فرمایا:

ما كان له من ذنب ولا هم بذنب ولكن الله حمله ذنوب شيعته ثم غفرها له۔

نہ رسول اللہ (ص) کے کوئی خطا ہو گی اور نہ امت کے کوئی گناہ ہوں گے مگر اللہ ان کے تمام شیعوں کے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔[1]

انبیاء (ع) کے اپنی امتوں کے خطاؤں کی ذمہ داری لینے کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے خلفاء کے انکاری رہتے ہوئے مرنے والوں سے ان کے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کی بھی ذمہ داری لیں، بلکہ ان کی ذمہ داری لیں گے جو کسی غفلت سے عہد و میثاق سے دور رہیں اور ایک زمانے میں اسی دنیا میں یاد آجائے۔ ایسا ہر گز نہیں ہے کہ وہ اپنی امتوں کے خطاؤں کی وجہ سے خود خطاؤں میں مبتلا ہو جائیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں ہی انہیں اللہ کا پیغام اور اس کی رسالت کی تبلیغ میں اضافی محنت اور تگ و دو فرمائیں گے کیونکہ جب وہ ان کے لئے اتنی تکلیفیں برداشت کریں گے تو جیسا کہ بسا اوقات ایک مہربان باپ اپنی اولاد کی نسبت ان کے خطاؤں معاف کرتا ہے، لہٰذا انبیاء (ع) تو لوگوں کے لئے اس قدر مشقت اور تکلیفیں برداشت کرتے ہیں خدا کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں اس کی واضح مثال امام حسین (ع) کی ذات ہے، کیونکہ باپ آخر تک اس امید میں ہوتا ہے کہ اس کی اولاد نیک ہو جائیں گے، پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ عہد و پیمان کو یاد نہیں کرتے ہیں یہاں تک ان کے باپ اللہ کے ولی کا خون بہہ جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں امام حسین (ع) نے لوگوں کو عہد و پیمان خدا وندی بتانے کی آخری تک کوشش کیں جس کے لئے حج تک بھی ترک فرمایا یہاں تک درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

لیکن جناب کی خطاء اور حجر اسود کے تعلق کو نہ صرف ائمہ اطہار (ع) نے بیان فرمایا ہے جس کے اندر اللہ کا ارادہ اگرچہ لوگوں کو کسی علت کی وجہ سے پوشیدہ ہے، بلکہ اس کا دیگر تمام مخلوق کے خطاؤں کے ساتھ تعلق بھی ان ہستیوں نے بیان فرمایا ہے اور اس امر کو رسول اللہ (ص) نے چوم کر اپنے عمل سے بیان فرمایا، لیکن یہ ان کے لئے واضح ہے جو دل رکھتے ہیں اور رسول اللہ (ص) کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں نہ عمر ابن خطاب کے جو یہ صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ نہیں معلوم کہ پیغمبر (ص) حجر اسود کو چومتے ہیں؟ اور یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ وہ اپنی اس حقیقت کو بھی بیان کرتا ہے کہ وہ صرف اس لئے چومتا ہے چونکہ پیغمبر اکرم (ص) کو ہزاروں مسلمانوں کے سامنے بوسہ کرتے دیکھا ہے، لہٰذا وہ پیغمبر اکرم (ص) کی مخالفت نہیں کر سکتا، نیز وہ آپ (ص) کے

---

[1] تفسير القمي : ج2 ص314.

جانشین کے دعویدار بھی ہے، لہٰذا وہ بغیر سمجھے پیغمبر اکرم (ص) کی پیروی کیسے کرتا تھا، نہیں معلوم یہ ان کی کون سی چال ہے۔ جیسا کہ بخاری، مسلم اور احمد کی روایت ہے:

أن عمر جاء إلى الحجر فقبله وقال: إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت رسول اللة صلى الله عليه وسلم يقبلك ما قبلتك.

ایک عمر حجر اسود کے پاس آکر چومتے ہوئے حجر سے کہنے لگا: مجھے معلوم ہے کہ ایک پتھر ہے، تو نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ ہی فائدہ، لہٰذا اگر میں رسول اللہ (ص) کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے نہیں چومتا۔

احمد نے اپنی سند سے سوید ابن غفلہ نے روایت ہے:

رأيت عمر يقبل الحجر ويقول: إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولكني رأيت أبا القاسم صلى الله عليه وسلم بك حفياً.

میں نے عمر کو حجر اسود چومتے دیکھا جو یہ حجر سے کہہ رہا تھا: مجھے معلوم ہے کہ ایک پتھر ہے، تو نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ ہی فائدہ، لیکن چونکہ نے میں تجھے کو رسول اللہ (ص) بوسہ دیتے ہوئے دیکھا تھا۔

لہٰذا عمر بن خطاب نے حجر اسود کو چومتے ہوئے اپنے ناپسندیدہ عمل کو بیان کیا کہ اس کی نظر میں حجر اسود کی کوئی اہمیت نہیں ہے جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ حجر اسود بندوں کے اوپر گواہ بننا، عالم ذر میں لیے عہد وپیماں سے وفادری کے قائل نہیں ہے۔ جبکہ اس کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾۔

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور ان پر خود انہیں گواہ بنا کر (پوچھا تھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا: ہاں! (تو ہمارا رب ہے) ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، (یہ اس لیے ہوا تھا کہ) قیامت کے دن تم یہ نہ کہ سکو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔[1]

یہ دراصل اہل عقل کے لئے وہ واضح اشارہ ہے کہ عمر ابن خطاب عالم ذر میں لیے گئے عہد وپیماں کے انکاری ہیں، کیونکہ وہ حجر اسود کو گواہ رکھنے کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ حجر اسود کو حقیقی گواہ ماننے سے بھی انکاری ہے۔ جیسا کہ وہ خود حجر اسود سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ

إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع.

مجھے معلوم ہے کہ ایک پتھر ہے، تو نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ ہی فائدہ۔

جبکہ اسی عمر کے ارد گرد لوگوں نے رسول اللہ (ص) کو حجر اسود کو اہمیت دیتے ہوئے بوسہ دیتے اور اس پر سجدہ فرماتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے جناب ابراہیم حنیف (ع) بھی اس پتھر کی تقدیس واحترام کیا کرتے تھے، لیکن پھر بھی عمر کی سمجھ میں اس بات کا نہ آنا اور اسے چومنے سے یہ کہہ کر انکار کرنا کہ یہ نہ کوئی نقصان اور نہ فائدہ دیتا ہے، نیز اس کی بوسہ کی حکمت کو نہیں سمجھنا اور اسے

---

[1]- الاعراف: 172-

گواہ نہیں ماننا اور پیغمبر اکرم (ص) کے بوسے کو مشکوک بنانا خود اپنی حیثیت کو بتاتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حجر اسود اللہ کے حکم سے نقصان اور فائدے دیتا ہے ورنہ حکیم رسول اللہ (ص) بغیر کسی حکمت کے کیوں انجام فرماتے۔ پس مشیئت الٰہی سے حجر اسود اور وہ بندہ جس پر عہد و پیماں ہیں یا قائم آل محمد (ع) کے بارے عمر کا موقف واضح ہو گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کے اندر موجود برائی کو اللہ خود اس کی اپنی زبان ظاہر کر کے ہی رکھتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم (ص) نے حجر اسود کی اہمیت اور فضیلت کو اپنے اقوال وافعال کے ذریعے بیان فرمائیں ہیں جس کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ آپ (ص) نے اس کو بوسہ دیا اور اس سجدہ فرمایا، جبکہ رسول اللہ (ص) نے حجر اسود کے علاوہ کعبہ کے کسی اور حصے پر سجدہ نہیں فرمایا۔ اس کے بعد اس عظیم امر اس کی اہمیت کو لوگوں تک پہنچایا۔ جیسا کہ آپ (ص) فرماتے ہیں:

استلموا الركن، فإنه يمين الله في خلقه، يصافح بها خلقه، مصافحة العبد أو الدخيل، ويشهد لمن استلمه بالموافاة۔

تم لوگ رکن کا بوسہ لیا کرو، کیونکہ خدا کا اپنے مخلوق کے لئے دائیاں ہاتھ کی مانند ہے جس سے وہ اپنے مخلوق سے اس طرح مصافحہ کرتا ہے جس طرح کوئی کسی باہر سے آنے والے سے کرتا ہے اور جو کوئی حجر اسود کو چومتا ہے وہ اس کی وفاداری کی گواہی دیتا ہے۔[1]

اور رکن سے مراد حجر اسود ہے کیونکہ اسے اس کے اندر رکھا ہوا ہے۔ ائمہ اطہار (ع) بھی رسول اللہ (ص) کی سیرت کی پیروی فرماتے ہوئے اس کی اہمیت و فضیلت کو اپنے اقوال وافعال سے بیان فرمائے ہیں کہ یہ عہد و پیماں کی کتاب کے حامل ہے اور جناب آدم (ع) نے اپنی خطاء کے نتیجے میں ٹوٹنے والے عہد کی وجہ سے اسی پتھر کے پاس مجلس برپا کر کے چالیس تک گریہ فرما۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً﴾۔

اور بتحقیق ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ حجر اسود ایک سفید روشن موتی ہے لیکن زمین پر لوگوں کے خطاؤں کی وجہ سے سیاہ ہوا ہے۔ چنانچہ یہ وہ کلمات وافعال ہیں جنہیں رسول اللہ (ص) اور ائمہ اطہار (ع) نے لوگوں کے سامنے تکرار فرمائے تاکہ حجر اسود کی اہمیت اور فضیلت واضح ہو جائیں اور اس کا تعلق نہ صرف جناب آدم (ع) کی پہلی خطاء سے بلکہ اس روئے زمین آنے والی پوری انسانیت کے خطاؤں سے ہے۔ چنانچہ بکیر بن اعین امام جعفر الصادق (ع) سے روایت کرتا ہے:

لِأَيِّ عِلَّةٍ وَضَعَ اللَّهُ الْحَجَرَ فِي الرُّكْنِ الَّذِي هُوَ فِيهِ وَلَمْ يُوضَعْ فِي غَيْرِهِ، وَلِأَيِّ عِلَّةٍ تُقَبَّلُ، وَلِأَيِّ عِلَّةٍ أُخْرِجَ مِنَ الْجَنَّةِ، وَلِأَيِّ عِلَّةٍ وُضِعَ مِيثَاقُ الْعِبَادِ وَالْعَهْدُ فِيهِ وَلَمْ يُوضَعْ فِي غَيْرِهِ، وَكَيْفَ السَّبَبُ فِي ذَلِكَ تُخْبِرُنِي جَعَلَنِيَ اللَّهُ فِدَاكَ فَإِنَّ تَفَكُّرِي فِيهِ لَعَجَبٌ. قَالَ: فَقَالَ: سَأَلْتَ وَأَعْضَلْتَ فِي الْمَسْأَلَةِ وَاسْتَقْصَيْتَ فَافْهَمِ الْجَوَابَ وَفَرِّغْ قَلْبَكَ وَأَصْغِ سَمْعَكَ أُخْبِرْكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَضَعَ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَهِيَ جَوْهَرَةٌ أُخْرِجَتْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَى آدَمَ (ع)، فَوُضِعَتْ فِي ذَلِكَ الرُّكْنِ لِعِلَّةِ الْمِيثَاقِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَمَّا أَخَذَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ

---

[1]۔المحاسن : ج1 ص65.

[2]۔طہ:115-

ذُرِّيَّتَهُمْ حِينَ أَخَذَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْمِيثَاقَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ وَفِي ذَلِكَ الْمَكَانِ تَرَاءَى لَهُمْ ، وَمِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ يَهْبِطُ الطَّيْرُ عَلَى الْقَائِمِ (ع)، فَأَوَّلُ مَنْ يُبَايِعُهُ ذَلِكَ الطَّائِرُ وَهُوَ وَاللَّهِ جَبْرَئِيلُ (ع)، وَإِلَى ذَلِكَ الْمَقَامِ يُسْنِدُ الْقَائِمُ ظَهْرَهُ وَهُوَ الْحُجَّةُ وَالدَّلِيلُ عَلَى الْقَائِمِ وَهُوَ الشَّاهِدُ لِمَنْ وَافَاهُ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ وَالشَّاهِدُ عَلَى مَنْ أَدَّى إِلَيْهِ الْمِيثَاقَ وَالْعَهْدَ الَّذِي أَخَذَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ، وَأَمَّا الْقُبْلَةُ وَالِاسْتِلَامُ فَلِعِلَّةِ الْعَهْدِ تَجْدِيداً لِذَلِكَ الْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ، وَتَجْدِيداً لِلْبَيْعَةِ لِيُؤَدُّوا إِلَيْهِ الْعَهْدَ الَّذِي أَخَذَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فِي الْمِيثَاقِ، فَيَأْتُوهُ فِي كُلِّ سَنَةٍ وَيُؤَدُّوا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْعَهْدَ وَالْأَمَانَةَ اللَّذَيْنِ أُخِذَا عَلَيْهِمْ، أَلَا تَرَى أَنَّكَ تَقُولُ أَمَانَتِي أَدَّيْتُهَا وَمِيثَاقِي تَعَاهَدْتُهُ لِتَشْهَدَ لِي بِالْمُوَافَاةِ ؟ وَوَاللَّهِ مَا يُؤَدِّي ذَلِكَ أَحَدٌ غَيْرُ شِيعَتِنَا وَلَا حَفِظَ ذَلِكَ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ أَحَدٌ غَيْرُ شِيعَتِنَا، وَإِنَّهُمْ لَيَأْتُوهُ فَيَعْرِفُهُمْ وَيُصَدِّقُهُمْ، وَيَأْتِيهِ غَيْرُهُمْ فَيُنْكِرُهُمْ وَيُكَذِّبُهُمْ، وَذَلِكَ أَنَّهُ لَمْ يَحْفَظْ ذَلِكَ غَيْرُكُمْ، فَلَكُمْ وَاللَّهِ يَشْهَدُ وَعَلَيْهِمْ وَاللَّهِ يَشْهَدُ بِالْخَفْرِ وَالْجُحُودِ وَالْكُفْرِ، وَهُوَ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ مِنَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجِيءُ وَلَهُ لِسَانٌ نَاطِقٌ وَعَيْنَانِ فِي صُورَتِهِ الْأُولَى يَعْرِفُهُ الْخَلْقُ وَلَا يُنْكِرُهُ، يَشْهَدُ لِمَنْ وَافَاهُ وَجَدَّدَ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ عِنْدَهُ بِحِفْظِ الْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، وَيَشْهَدُ عَلَى كُلِّ مَنْ أَنْكَرَ وَجَحَدَ وَنَسِيَ الْمِيثَاقَ بِالْكُفْرِ وَالْإِنْكَارِ، فَأَمَّا عِلَّةُ مَا أَخْرَجَهُ اللَّهُ مِنَ الْجَنَّةِ فَهَلْ تَدْرِي مَا كَانَ الْحَجَرُ ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: كَانَ مَلَكاً مِنْ عُظَمَاءِ الْمَلَائِكَةِ عِنْدَ اللَّهِ، فَلَمَّا أَخَذَ اللَّهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْمِيثَاقَ كَانَ أَوَّلَ مَنْ آمَنَ بِهِ وَأَقَرَّ ذَلِكَ الْمَلَكُ، فَاتَّخَذَهُ اللَّهُ أَمِيناً عَلَى جَمِيعِ خَلْقِهِ فَأَلْقَمَهُ الْمِيثَاقَ وَأَوْدَعَهُ عِنْدَهُ وَاسْتَعْبَدَ الْخَلْقَ أَنْ يُجَدِّدُوا عِنْدَهُ فِي كُلِّ سَنَةٍ الْإِقْرَارَ بِالْمِيثَاقِ وَالْعَهْدِ الَّذِي أَخَذَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ جَعَلَهُ اللَّهُ مَعَ آدَمَ فِي الْجَنَّةِ يُذَكِّرُهُ الْمِيثَاقَ وَيُجَدِّدُ عِنْدَهُ الْإِقْرَارَ فِي كُلِّ سَنَةٍ، فَلَمَّا عَصَى آدَمُ وَأُخْرِجَ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْسَاهُ اللَّهُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ الَّذِي أَخَذَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى وُلْدِهِ لِمحمد (ص) وَلِوَصِيِّهِ (ع) وَجَعَلَهُ تَائِهاً حَيْرَانَ، فَلَمَّا تَابَ اللَّهُ عَلَى آدَمَ حَوَّلَ ذَلِكَ الْمَلَكَ فِي صُورَةِ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ فَرَمَاهُ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَى آدَمَ (ع) وَهُوَ بِأَرْضِ الْهِنْدِ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهِ آنَسَ إِلَيْهِ وَهُوَ لَا يَعْرِفُهُ بِأَكْثَرَ مِنْ أَنَّهُ جَوْهَرَةٌ وَأَنْطَقَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ لَهُ: يَا آدَمُ أَ تَعْرِفُنِي ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: أَجَلْ اسْتَحْوَذَ عَلَيْكَ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاكَ ذِكْرَ رَبِّكَ، ثُمَّ تَحَوَّلَ إِلَى صُورَتِهِ الَّتِي كَانَ مَعَ آدَمَ فِي الْجَنَّةِ ، فَقَالَ لِآدَمَ: أَيْنَ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ ؟ فَوَثَبَ إِلَيْهِ آدَمُ وَذَكَرَ الْمِيثَاقَ وَبَكَى وَخَضَعَ لَهُ وَقَبَّلَهُ وَجَدَّدَ الْإِقْرَارَ بِالْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ، ثُمَّ حَوَّلَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جَوْهَرَةِ الْحَجَرِ دُرَّةً بَيْضَاءَ صَافِيَةً تُضِيءُ فَحَمَلَهُ آدَمُ (ع) عَلَى عَاتِقِهِ إِجْلَالًا لَهُ وَتَعْظِيماً، فَكَانَ إِذَا أَعْيَا حَمَلَهُ عَنْهُ جَبْرَئِيلُ (ع) حَتَّى وَافَى بِهِ مَكَّةَ، فَمَا زَالَ يَأْنَسُ بِهِ بِمَكَّةَ وَيُجَدِّدُ الْإِقْرَارَ لَهُ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمَّا بَنَى الْكَعْبَةَ وَضَعَ الْحَجَرَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ؛ لِأَنَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حِينَ أَخَذَ الْمِيثَاقَ مِنْ وُلْدِ آدَمَ أَخَذَهُ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ وَفِي ذَلِكَ الْمَكَانِ أَلْقَمَ الْمَلَكَ الْمِيثَاقَ، وَلِذَلِكَ وَضَعَ فِي ذَلِكَ الرُّكْنِ وَنَحَّى آدَمَ مِنْ مَكَانِ الْبَيْتِ إِلَى الصَّفَا وَحَوَّاءَ إِلَى الْمَرْوَةِ، وَوَضَعَ الْحَجَرَ فِي ذَلِكَ الرُّكْنِ فَلَمَّا نَظَرَ آدَمُ مِنَ الصَّفَا وَقَدْ وُضِعَ الْحَجَرُ فِي الرُّكْنِ كَبَّرَ اللَّهَ وَهَلَّلَهُ وَمَجَّدَهُ، فَلِذَلِكَ جَرَتِ السُّنَّةُ بِالتَّكْبِيرِ وَاسْتِقْبَالِ الرُّكْنِ الَّذِي فِيهِ الْحَجَرُ مِنَ الصَّفَا، فَإِنَّ اللَّهَ أَوْدَعَهُ الْمِيثَاقَ وَالْعَهْدَ دُونَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمَّا أَخَذَ الْمِيثَاقَ لَهُ بِالرُّبُوبِيَّةِ وَلِمحمد (ص) بِالنُّبُوَّةِ وَلِعَلِيٍّ (ع) بِالْوَصِيَّةِ اصْطَكَّتْ فَرَائِصُ الْمَلَائِكَةِ، فَأَوَّلُ مَنْ أَسْرَعَ إِلَى الْإِقْرَارِ ذَلِكَ الْمَلَكُ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ أَشَدُّ حُبّاً لِمُحَمَّدٍ وَآلِ محمد (ع) مِنْهُ، وَلِذَلِكَ اخْتَارَهُ اللَّهُ مِنْ بَيْنِهِمْ وَأَلْقَمَهُ الْمِيثَاقَ وَهُوَ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ لِسَانٌ نَاطِقٌ وَعَيْنٌ نَاظِرَةٌ يَشْهَدُ لِكُلِّ مَنْ وَافَاهُ إِلَى ذَلِكَ الْمَكَانِ وَحَفِظَ الْمِيثَاقَ.

ایک مرتبہ میں ایک امام جعفر الصادق (ع) سے دریافت کیا کہ کیا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو اس رکن میں رکھا ہوا ہے جہاں وہ اس وقت ہے اور کسی اور رکن میں نہیں رکھا؟ اور کیا سبب ہے کہ اس کو بوسہ دیا جاتا ہے؟ اور کیا سبب ہے کہ وہ جنت سے نکالا گیا ہے؟ کیا سبب ہے کہ جو اس میں بندوں کا عہد و میثاق رکھا گیا اور کہیں دوسری جگہ نہیں رکھا گیا؟ میں آپ پر قربان جاؤں، ان سب کے سبب بتائیں، اس لئے کہ اس مسئلہ کے سبب میرے دل میں عجیب عجیب الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ امام (ع) نے فرمایا: اس مسئلے میں خود سوچ کر اپنے کو مشکل میں ڈال لیا ہے۔ اچھا، اب ذرا سنو، سمجھو اور دل سے ساری الجھنیں نکال دو، میں ان شاء اللہ تمہیں بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اس حجر اسود کو اس جگہ رکھا ہے، یہ جوہر جو حضرت آدم (ع) کو جنت سے نکال کر بھیجا گیا اور اس جگہ پر میثاق کی وجہ سے رکھا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جناب آدم (ع) سے جبکہ ان کی ذریت ان کے آباء واجداد کے صلب تھی عہد و میثاق لیا تو اسی مقام پر لیا اور اسی مقام پر ان لوگوں کو ان کے رب کا جلوہ دیکھایا جائے گا اور اسی رکن سے حضرت قائم (ع) پر ایک طائر اترے گا اور سب سے پہلے وہی ان کی بیعت کرے گا اور خدا کی قسم جبرئیل (ع) ہوں گے اور اسی مقام حضرت قائم (ع) اپنی پشت سے ٹیک لگائے کھڑے ہوں گے اور یہی ان کے قائم ہونے کی دلیل اور محبت ہو گی اور یہی حجر اسود گواہ ہو گا اس شخص کا جو یہاں آئے گا اور گواہ ہو گا اس عہد و میثاق کی ادائیگی کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے لیا ہے۔ اب رہ گیا حجر اسود کے بوسہ لینے کا اور اس کو مس کرنے کا تو وہ اس عہد و میچاق کی تجدید اور بیعت کے لئے ہے تاکہ بندے اس کے سامنے عہد و پیماں کو ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ ہر سال اس عہد و پیماں کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کی جب لوگ اس کے سامنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں نے اپنی امانت تمہارے حوالے کر دی ہے اور عہد و پیماں تمہارے سامنے آکر استوار کیا ہے تاکہ تو گواہی دے کہ میں نے اس عہد و پیماں کو ادا کر دیا۔ مگر خدا کی قسم! وہ پیماں میرے شیعوں کے علاوہ کوئی اور ادا کرتا۔ اس عہد و پیماں کا تحفظ ہمارے شیعہ سوا کوئی دوسرا نہیں کرتا۔ ہمارے شیعہ جب اس کے پاس آتے تو وہ ان لوگوں کو پہچان لیتا اور ان کی تصدیق کرتا ہے۔ جبکہ اغیار آتے ہیں تو ان کو پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور ان کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اس لئے کہ تم لوگوں کے سوا کسی نے بھی اس کا تحفظ نہیں کیا۔ پس خدا کی قسم! وہ تم لوگوں کے موافق اور ان لوگوں کے مخالف ان کی بیوفائی اور انکار و کفر کی گواہی دے گا اور وہی اللہ کی طرف سے قیامت کے دن ان کے لوگوں کے خلاف حجت بنے گا جب وہ اپنی پہلی شکل میں آئے گا تو اس کی بولنے والی زبان بھی ہو گی، آنکھیں بھی ہوں گی اور سب اس کو پہچانیں گے، کوئی انکار نہیں کر سکے گا اور جس نے اس کے پاس اگر اپنے عہد و پیماں کی تجدید کی اور اس کی حفاظت کی اور اس پر قائم رہا وہ اس کی گواہی دے گا اور جس نے اس عہد و میثاق سے انکار کیا اور اسے بھلا دیا اور کفر اختیار کیا اس کی بھی گواہی دے گا۔ اب رہ گئی کہ اللہ نے اسے جنت سے کیوں نکالا تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ حجر اسود کیا ہے؟ میں عرض کیا نہیں۔ امام (ع) نے فرمایا: یہ ایک فرشتہ تھا جس کا شمار اللہ کے نزدیک عظیم فرشتوں میں تھا۔ جب اللہ نے فرشتوں سے عہد و میثاق لیا تو سب سے پہلے وہی ایمان لایا اور اسی نے سب سے پہلے اس کی ربوبیت کا قرار کیا تو اللہ نے اس کو اپنی مخلوقات کا امین بنایا اور ان کے عہد و میثاق اس فرشتے کے اندر ودیعت کر دیئے

اور سب لوگوں کو حکم دیا وہ ہر سال اس کے پاس آکر اپنے عہد و پیماں کی تجدید کیا کریں جس کا اللہ نے ان سے اقرار لیا ہے۔ پھر اللہ نے اس فرشتے کو آدم (ع) کے ساتھ جنت رکھا تا کہ وہ انہیں ان کا عہد و میثاق یاد دلاتا رہے اور جناب آدم (ع) اس کے سامنے اپنے عہد و میثاق کی تجدید کرتے رہیں، مگر جناب آدم (ع) سے عصیان سرزد ہو گیا تو اللہ نے جو عہد و میثاق ان سے رسول اللہ (ص) اور ان کے وصی (ع) سے متعلق لیا تھا ان کے حافظہ سے محو کر دیا اور ان کو مبہوت اور حیران کر دیا پھر اللہ نے آدم (ع) کی توبہ قبول کی تو اس فرشتے کو ایک سفید موتی کی شکل میں تبدیل کر دیا اور اسے جنت سے نکال کر آدم (ع) کے پاس بھیج دیا۔ حضرت آدم (ع) اس سرزمین ہند میں تھے، جب آدم (ع) نے اس کو دیکھا اس سے ان کو انس پیدا ہو گیا مگر وہ اسے پہچانتے نہ تھے، بس اتنا ہی جانتے تھے کہ وہ ایک جوہر ہے۔ اللہ نے اس کو قوت گویائی عطا کی اور اس نے کہا: اے آدم (ع)! تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں، اس نے کہا اس کا مطلب یہ کہ تمہارے اوپر شیطان غالب آگیا ہے اور اس نے تم سے رب کے ذکر کو بھلا دیا ہے پھر اس نے اپنی صورت بدلی اور اس شکل میں آگیا جس شکل میں وہ جنت میں آدم کے ساتھ تھا اور آدم سے بولا کہ تمہارا عہد و پیماں کہاں ہے؟ یہ سن کر آدم (ع) اس پر جھپٹے اور انہیں اپنا میثاق یاد آگیا اور رونے لگے، جھک پڑے اور بوسہ دیا اور عہد و پیماں کی تجدید کی اور اقرار کیا۔ اس کے بعد اللہ نے اس کو پتھر کے جوہر میں سفید اور چمکدار موتی کی شکل میں بدل دیا۔

حضرت آدم (ع) اس کی عظمت اور جلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو اپنے کاندھے پر اٹھایا جب وہ تھک جاتے تو جبرئیل اسے اٹھاتے یہاں تک کہ اسے اٹھا کر مکہ پہنچے اور مکہ میں اس سے مسلسل رکھتے، دن رات اس کے سامنے اپنے اقرار و میثاق کی تجدید کرتے۔ پھر اللہ نے جبرئیل کو زمین پر اتارا اور کعبہ کی بنیاد رکھی اسے رکن اور باب کے درمیان اتارا جس میثاق لیتے وقت آدم (ع) کو دکھایا تھا جہاں اس میثاق کو اس ملک کے منہ ڈال دیا تھا۔ اسی بنا پر حجر اسود وہیں پر رکھا گیا اور خانہ کعبہ سے آدم (ع) کو ہٹا کر کوہ صفا پر رکھا اور کوہ مروہ پر حضرت حوا کو رکھا۔ پھر اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر حجر اسود کو اس رکن (گوشہ) میں رکھا دیا، اب ا جب آدم (ع) کوہ صفا سے اس طرف نظر کی اور حجر اسود کو وہاں دیکھا تو وہیں سے تکبیر و تہلیل اور تمجید کرنے لگے اور اسی وجہ یہ سنت جاری ہو گئی کہ جب کوہ صفا سے اس کا سامنا ہوتا ہے جس میں حجر اسود ہے تکبیر کہتے ہیں اور اللہ نے عہد و میثاق کسی دوسرے ملک میں کے منہ نہیں ڈالا، بلکہ اس کے منہ میں ڈالا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت، محمد (ص) کی نبوت اور علی (ع) کی ولایت کا اقرار اور عہد و میثاق لیا تو فرشتے کانپنے لگے اور سب سے پہلے فرشتے نے اس کا اقرار کیا وہ یہ فرشتہ تھا اور فرشتوں میں سے کوئی بھی فرشتہ اس سے زیادہ محمد و آل محمد (ع) محب نہیں۔ اسی لئے اللہ نے اسے تمام فرشتوں میں منتخب فرمایا اور عہد و میثاق اس کے منہ رکھ دیا اور وہ قیامت کے دن زندہ ہو گا، اس کی بولتی ہوئی زبان اور دیکھتی ہوئی آنکھ ہو گی تا کہ شہادت دے ہر اس شخص کی جو یہاں آکر اس ملے اس میثاق کی حفاظت کرے۔[1]

---

[1].الكافي : ج4 ص184 – 186،علل الشرائع : ج2 ص429 – 431.

جب رسول اللہ (ص) جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ (ص) نے حجر سے سے داخل ہوتے تھے اور اور حجر اسود سے نکلتے تھے پر تمام فرمایا اور اپنے اصحاب کو حکم فرمایا کہ ان کا آخری عہد بھی حجر اسود کو بوسے ہو، بلکہ مستحب ہے کہ ہر طواف کرنے والا اسے بوسہ دے، کیونکہ حجر کو مس کرنا گناہوں کی بخشش اور خطاؤں کے در گزکا سبب ہے۔ اسی آپ (ص) حجر اسود پر سجدہ فرماتے اور اپنی پیشانی اس پر رکھ کر اسے بوسہ دیا کرتے تھے۔ اب ان تمام کے باوجود بھی حجر اسود کی اہمیت کم ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن سنان امام جعفر الصادق (ع) سے روایت کرتے ہیں کہ امام (ع) نے فرمایا:

ذَكَرَ رسول الله (ص) الْحَجَّ فَكَتَبَ إِلَى مَنْ بَلَغَهُ كِتَابُهُ مِمَّنْ دَخَلَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ رسول الله (ص) يُرِيدُ الْحَجَّ يُؤْذِنُهُمْ بِذَلِكَ لِيَحُجَّ مَنْ أَطَاقَ الْحَجَّ فَلَمَّا انْتَهَى إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ اسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ وَذَكَرَ ابْنُ سِنَانٍ أَنَّهُ بَابُ بَنِي شَيْبَةَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَصَلَّى عَلَى أَبِيهِ إِبْرَاهِيمَ ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ، فَلَمَّا طَافَ بِالْبَيْتِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ (ع) وَدَخَلَ زَمْزَمَ فَشَرِبَ مِنْهَا، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَرِزْقاً وَاسِعاً وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَسُقْمٍ ، فَجَعَلَ يَقُولُ ذَلِكَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْكَعْبَةِ، ثُمَّ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: لِيَكُنْ آخِرُ عَهْدِكُمْ بِالْكَعْبَةِ اسْتِلَامَ الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا.

جب رسول اللہ (ص) نے حج کا ذکر فرمایا تو اسلام میں داخل ہونے والے ہر شخص کو خط لکھا کہ رسول اللہ (ص) چاہتے ہیں کہ انہیں یہ بتادیں کہ ہر استطاعت رکھنے والا حج ادا کرے۔ پھر جب آپ (ص) مسجد حرام کے دروازے پر پہنچے تو خانہ کعبہ کی طرف رخ فرمایا، ابن سنان کہتا ہے کہ یہ باب بنی شیبہ ہے، پھر آپ (ص) اپنے جد گرامی ابراہیم (ص) درود بھیجا پھر حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم (ع) کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کیں اور زمزم کی طرف رخ فرمایا اور پانی نوش فرمایا، اس کے بعد فرمایا: بارالٰہا! میں مجھے علم نافع، فراوان رزق اور ہر بیماری شفا عطا فرما، پھر یہ دعا خانہ کعبہ کی طرخ فرما کر فرمانے لگے۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: تم لوگوں کا آخری عہد کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ لینا ہے، پھر آپ (ص) نے اسے بوسہ لیا اس کے بعد کوہ صفا کی طرف نکل گئے۔[1]

بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے:

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم سجد على الحجر۔

میں نے رسول اللہ (ص) کو حجر اسود پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس موقع پر ایک بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ رسول اللہ (ص) مقام ابراہیم (ع) کے پاس دو رکعتوں کی سنت قائم فرمائیں لہٰذا آپ (ص) اور ائمہ اطہار (ع) مقام ابراہیم (ع) کے پاس نماز ادا کرتے رہے، اور جو کوئی مقام ابراہیم (ع) کے پاس نماز کے لئے اس طرح کھڑا ہو جائے کہ حجر اسود اس کے سامنے قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ اس بات واضح اور عیان ہو جاتی ہے کہ یہ آیت قائم آل محمد (ع) یا یوسف آل محمد (ع) یا حجر اسود پر صدق آتی ہے:

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾۔

---

[1]. الكافي : ج4 ص249.

جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو دیکھا ہے اور سورج اور چاند کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔[1]

اور جیسا ان سجدوں کا مطلب کہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی تاویل میں امام مہدی (ع) کو بیان کیا گیا ہے، لیکن یہاں پر اس کی تاویل میں قائم سے مراد فاطمہ (ع) اور ان کے اندر رکھی امانت بھی ہے، یہ بالکل وہی سجدے ہیں جو کعبہ اور حجر اسود کے اندر رکھی گئی امانت کے لئے ہیں، لہٰذا یہ سورج محمد (ص)، چاند علی (ع) اور گیارہ ستاروں سے علی اور فاطمہ (ع) کی اولاد میں سے مراد ائمہ اطہار (ع) ہیں جو حسن، حسین، محمد، جعفر، موسیٰ، علی، محمد، علی، حسن اور محمد (ع) ہیں اور ان کے سجدوں سے مراد یہ ہے کہ یہ ہستیاں قائم کے عدل قیام، مظلوموں کے انصاف، اور خاص طور سے پہلی مظلومہ کو حق دلانا اور سب سے بڑا یہ کہ اللہ کی مخلوق سے لے کر قیامت تک کے مظلوموں کو حق دلانا ہے۔ لیکن دوسرے مخلوق کے لئے اللہ نے کعبہ کی طرف اس کے بعد حجر اسود کی سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کی طف تو واضح اشارہ موجود ہے کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں وہ سب قائم (ع) کے زمینہ سازی کریں گے۔ جیسا کہ اللہ کا رشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے انسان اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جن پر عذاب حتمی ہو گیا ہے اور جسے اللہ خوار کرے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں، یقیناً اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔[2]

لہٰذا سب کے سب چاہیں یا نہ چاہیں اس زمین کے وارث یا قائم (ع) کے راہ ہموار کریں گے، سورج، چاند اور ستارے سب قائم (ع) کے ہیں، اور جو عذاب کا مستحق ٹھہرا ہے وہ بھی قائم (ع) کے راہ ہموار کرے گا۔ چنانچہ سارے لوگوں کی تحریک اور ان کے اہداف دراصل قائم (ع) کے لئے راہ ہموار کرنے کے لئے جو مظلوموں کو انصاف دلائیں گے، اگرچہ اس حوالے زیادہ تر لوگ نہیں جانتے۔ یہ بالکل وہی ہے جیسے یہ خانہ کعبہ اور حجر اسود میں موجود امانت کے ارد گرد طواف کرتے ہیں لیکن وہ اپنے اس طواف کے بارے میں کچھ بھی سمجھتے ہیں۔

لیکن جہاں دیگر سابقہ ادیان میں حجر اسود ذکر آیا ہے جیسا کہ تورات اور انجیل میں بیان ہوا ہے:

42: یسُوع نے اُن سے کہا کیا تُم نے کتابِ مقدّس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جِس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا۔ وُہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خُداوند کی طرف سے ہُوا اور ہماری نظر میں عجِیب ہے؟

43: اِس لئے میں تُم سے کہتا ہُوں کہ خُدا کی بادشاہی تُم سے لے لی جائے گی اور اُس قَوم کو جو اُس کے پھل لائے دے دی جائے

---

[1] یوسف:4۔

[2] الحج:18۔

گی۔

44:اور جو اِس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جِس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔[1]

لہٰذا جس پتھر کے بارے میں جناب عیسیٰ(ع) ان لوگوں کے لئے فرمارہے ہیں جس امت سے خدا کی بادشاہی لے لی جائے وہ بنی اسرائیل اور وہ اور جناب عیسیٰ(ع) پر ایمان لانے والے ہیں۔ کیونکہ اس کلام سے اپنے ایمان لانے والے شاگردوں اور دوسرے لوگوں سے خطاب کررہے تھے، اور اس امت کو عطا کریں گے جو حجر اسود سے تعلق جس کو پھل دی جائے گی۔ لہٰذا حجر اسود کی فضیلت کے بارے میں ہر اعتبار جناب عیسیٰ(ع) کے کلام واضح ہے اور یہ کہ آخر میں ان کے پیروکاروں سے بادشاہی لے لی جائے گی اور حجر اسود کی امت کو دی جائے گی جن سے مراد محمد وآل محمد(ع) ہیں۔ پس جناب عیسیٰ(ع) نے حجر اوسود اور بادشاہی دی جانے والی امت کے درمیان تعلق کو واضح کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس امت کا بنی اسرائیل اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ بھی تقابل بیان کیا جنہیں آخر میں بادشاہی ہر گز نہیں ملے گی۔ جناب عیسیٰ(ع) نے حجر اسود کو بادشاہی دی جانے والی امت کا سبب قرار دیا جو موسیٰ(ع) اور عیسیٰ(ع) دونوں کے پیروکار نہیں ہوں گے، یعنی جس کے عہد ومیثاق کے بارے میں حجر اسود گواہی دے گا اور اس کی نصرت کریں گے جو خدا کی بادشاہی کے وارث ہوں گے۔ اور یہ بادشاہی چاہے اس زمین پر اللہ کی حاکمیت کا قیام ہو، یا آسمانوں میں جب اللہ ان کے بادشاہی ظاہر فرمائے اور یہ ہستیاں وہاں موجود سب دیکھیں گے یا آخر میں جب اللہ انہیں جنتیں عطا فرمائے گا۔ جو چاہتا ہے کہ اس کلام کی تفسیر اس طرح ہو کہ جناب عیسیٰ(ع) کے کلام سے بغیر تاویل کے وہی مراد ہے اور اسی پر قائم رہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں معرفت حقیقت درکار نہیں ہے۔ ورنہ اصل انجیل کے مطابق یہ قول تو داود(ع) کا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے یہودی کہے کہ داود(ع) نے یہ خود اپنے بارے میں کہا ہے، تو پھر اس سے جھگڑا ختم نہیں ہو گا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب داود(ع) اور عیسیٰ(ع) دونوں نے خلوص کے یہی ارادہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہی آخری زمانے میں اللہ کا نام عام کرے گا۔ اس حوالے سے جناب عیسیٰ(ع) نے انجیل کے دیگر مقامات پر اس کا نام معزی اور عبد حکیم بیان کیا ہے، جبکہ یہاں پر اسے حجر کا نام لیا ہے۔ اب یہاں پر سوال آتا ہے: کہ اس حجر سے مراد کون ہے اور کون ہو گا؟ کیا رکن میں موجود پتھر سے مراد کو د جناب داود(ع) اور عیسیٰ(ع) ہیں؟ یا انہوں نے دیگر مقامات پر بھی بیان کیا ہے کہ خانہ کعبہ کے گوشے میں موجود پتھر سے مراد وہ خود ہیں؟ یا خانہ کعبہ کے گوشے میں موجود پتھر یا یہود ونصاریٰ کے مطابق وہ ہیکل ہے جس سے مراد جناب داود(ع) یا عیسیٰ(ع) ہیں؟ جبکہ حقیقت ان میں سے کوئی نہیں ہے بلکہ یہ ابراہیم(ع) کی نسل سے ایک دوسری امت میں ہو گا اور اسی گھر میں ہو گا جسے ابراہیم(ع) اور اسماعیل(ع) نے بنایا ہے، اور یہ خاص طور سے اسی گوشے میں ہو گا جسے رکن عراقی کہا جاتا ہے۔[2] یہ

---

[1]۔إنجيل متى : الاصحاح الحادي والعشرون.

[2]۔کعبہ کے چار ارکان ہیں؛ رکن شرقی جسے رکن عراقی کہاجاتا ہے اور یہ رکن حجراسود سے بھی مشہور ہے۔ رکن شمالی کو رکن شامی کہاجاتا ہے،رکن غربی کو رکن غربی ہی کہاجاتا ہے جبکہ رکن جنوبی کو رکن یمانی کہاجاتا ہے۔ باب کعبہ کی جانب دو ارکان عراقی اورشامی دونوں رکن عراقی سے مشہور ہیں،جبکہ شامی اورغربی ارکان رکن شامی سے مشہور ہیں،اس طرف رکن یمانی اور رکن عرانی جس میں حجراسود ہے یمانی رکن یمانی سے مشہور ہے۔حج کا طواف حجراسود والے رکن عراقی سے شروع ہوتا ہے،جو طواف کرنے والے کے دائیں سمت کی طرف پڑتا ہے اور وہ رکن شامی کی طرف متوجہ ہوتا ہے،پھر غربی اور یمانی کی طرف جاتے ہوئے جب رکن عراقی کی طرف پہنچ جاتا ہے تو طواف کا ایک چکر مکمل ہوجاتا ہے اسی طرح باقی طواف بھی اداکیے جاتے ہیں۔یہاں

سے ہم رکن عراقی جس میں حجراسود اوریمانی ہے اور رکن شرقی جو کہ مشرق کی سمت ہے کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔لیکن وہابی آج کل وہابی اور ان جیسے لوگ رکن شامی کو رکن عراقی مانتے ہیں اور حجراسودوالے رکن عراقی کو"رکن" یا رکن حجراسود اور شامی کو رکن مغربی کہتے ہیں جبکہ رکن یمانی بغیرکسی تبدیلی کے اپنی جگہ باقی ہے۔یعنی انہوں نے رکن عراقی کورکن حجر اسود سے ہٹاکر اسے رکن شامی کے ساتھ لگادیا ہے۔جبکہ سابقہ علماء وغیرہ یہ مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ رکن حجراسود رکن عراقی ہی تھا۔ جس کے لئے ہم شیعہ سنی علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں:

1:اہل عراق رکن عراقی کوہی رکن حجراسود اوراہل یمن رکن یمانی کو،اہل مغرب رکن غربی جبکہ اہل شام رکن شامی کی طرف رخ کرتے تھے۔الشيخ الطوسي في مصباح المتهجد ص 27-مزید یہ کہ شیخ طوسی اپنی کتاب الإقتصاد کے صفحہ257پر لکھتے ہیں: اہل عراق رکن عراقی کی رخ کرکے نماز پڑھتے تھے،جبکہ اہل یمن رکن یمانی،اہل مغرب رکن غربی اوراہل شام رکن شامی کی رخ کرکے نماز اداکرتے تھے۔

2: ہر اقلیم والے اپنے رکن کی طرف رخ کرکے نماز اداکرتے تھے،لہٰذا اہل عراق،رکن عراقی کی طرف، جہاں حجراسود ہے،اہل شام رکن شامی کی طرف،اہل یمن رکن یمانی کی طرف رخ کرکے نماز اداکرتے تھے۔ شرائع الاسلام:ج1،ص52۔

3: سید شیرازی شرائع الاسلام پر حاشیہ لکھتے ہوئے حوالہ نمبر48پر بیان کرتے ہیں: رکن عراقی ہی وہ رکن ہے جہاں حجراسود ہے۔ اس کے بعد ترتیب سے رکن شامی،مغربی اور یمانی کی طرف طواف اداکیاجاتا ہے۔

4: علامہ حلی اپنی کتاب تذکرۃ الفقہاء کے جلد8،صفحہ86پر بیان کرتے ہیں: ہرطواف کرنے والے پریہ واجب ہے کہ حجراسود والے رکن عرساقی سے طواف کا آغازکرے،کیونکہ کعبہ میں چار ارکان؛ دویمانی ارکان اوردو شامی ارکان ہیں۔

5: سید ابن طاؤوس کتاب فلاح السائل کے صفحہ129پر بیان کرتے ہیں: اہل عراق رکن عراقی جہاں حجراسود ہے کی طرف رخ کرتے ہیں،اہل یمن رکن یمانی،اہل مغرب رکن غربی جبکہ اہل شام رکن شامی کی طرف رخ کرتے ہیں۔

6:سید محسن الامین اپنی کتاب أعيان الشيعۃ کے جلد7صفحہ169پرکعبہ شریف کی مساحت بیان کرتے ہیں؛ کعبہ کی لمبائی رکن حجر جو رکن عراقی سے رکن شامی کی جانب 25ہاتھ ہیں،اسی طرح دوسری لمبائی رکن مغربی سے یمانی اور چوڑائی شامی سے مغربی کی جانب 20 ہاتھ ہیں جس پر پرنالہ بھی ہے،جبکہ دوسری طرف سے چوڑائی یمانی سے عراقی کی طرف 21ہاتھ ہیں اور اس کی اونچائی 30ہاتھ ہیں۔

7: شیخ جواہری اپنی کتاب جواہرالکلام کے جلد7صفحہ378پر بیان کرتے ہیں؛ یہ سب کچھ رکن عراقی میں ہیں،لیکن دروازے کی جانب دوارکان میں سےدوسرا رکن اہل شام وغیرہ کے لئے ہیں۔ جبکہ یہ مشہور ہے کہ باب کعبہ کے دونوں ارکان رکن حجراسود یعنی رکن عراقی اور دوسرا رکن یعنی شامی ہے،انہوں نے یہاں پر رکن حجراسود کو رکن عراقی کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

8: محقق سبزواری اپنی کتاب ذخيرة المعاد کے جلد1صفحہ634پر بیان کرتے ہیں: طواف میں سارے ارکان خاص طور سے رکن عراقی اوریمانی کالحاظ رکھنا بھی مستحب ہے،کیونکہ اس مسئلے میں اختلاف واقع ہوا ہے جہاں اصحاب کے درمیان یہ مشہور ہے کہ سارے ارکان کا لحاظ رکھنا مستحب ہے اور رکن عراقی اوریمانی کا لحاظ رکھنا استحباب الزم ہے۔جو رکن یمانی کو استحباب لازم سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے رکن حجراسود ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ محقق سبزواری رکن عراقی کو رکن حجراسود مانتے ہیں۔

9:سید علی طباطبائی اپنی کتاب ریاض المسائل کے جلد3صفحہ121پر بیان کرتے ہیں؛ اہل مشرق ہی اہل عراق ہیں جن کارخ مشرقی کی آخری طرف ہوتا تھا اوران کے چہرے شمام اورجنوب یا جنوب میں واقع رکن پڑتا تھا جورکن عراقی کہلاتا ہے جس میں حجراسود ہے۔ اہل مغرب غرب کی طرف،اہل شام رکن شامی کی طرف جبکہ اہل یمن یمانی رکن کی طرف رخ کرتے تھے۔

10: معجم الفقهی کے المصطلحات کے صفحہ1220پر آیا ہے: رکن عراقی وہی ہے جس میں حجراسود ہے جسے اہل عراق کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔اس کے بعد اسی ترتیب طواف ہوتا ہے،پھر حجراسماعیل کے اردگرد سے ہوتا ہوا رکن مغربی اور رکن یمانی میں ختم ہوتا ہے۔

11:ڈاکٹرفتح اللہ معجم الفاظ فقہ جعفری کے صفحات211تا 212میں لکھتے ہیں:رکن عراقی وہ رکن ہے جس میں حجر اسود ہے،اس کی طرف اہل عراق رخ کرنے کی وجہ سے عراقی کہا گیاہے۔اس کے بعد طواف کے ترتیب کے حساب سے رکن شامی،پھر حجراسماعیل کے ارد گرد طواف کے بعد رکن مغربی اوررکن یمانی آتے ہیں۔

12:محی الدین النووی شرح مسلم کے جلد8صفحہ94اور 95میں لکھتے ہیں: دونوں ارکان یمانی سے مراد رکن یمانی اور ورکن ہے جس میں حجر اسود ہے جسے اہل عراق کے رخ ہونے کی وجہ سے رکن عراقی کہاجاتا ہے،اور اس سے والے کو اہل یمن کی نسبت سے یمانی کہاجاتا ہے جبکہ ان میں سے یمانیان کہاجاتا ہے۔ علماء کہتے ہیں: ان کے دونوں کے بعد دوسرے دو ارکان کو حجر حاء پر زیر کے ساتھ اہل شام کی نسبت سے شامی کہاجاتا ہے۔چونکہ یمانی دونوں ارکان ابراہیم (ع)کی دیواروں کی پر ہیں جبکہ ارکانی شامی ان پر نہیں ہیں کیونکہ وہ یمانی ارکان کو نہیں چومتے تھے،پھر یمانی میں جو عراقی رکن کی ایک اورفضیلت بھی ہے جس کے اندر حجراسود ہے،اوریمانی کے بجائے اسے چوماجاتا ہے۔

13:جلال الدین صحیح مسلم کے دیباچہ کے جلد3صفحہ280پر لکھتے ہیں:سوائے یمانی ارکان جو رکن یمانی اور وہ رکن جس میں حجر اسود ہے کی وجہ سے مشہور ہیں اوراسے اہل عراق کے رخ کی وجہ سے رکن عراقی بھی کہاجاتا ہے اور اہل کی جہت اور غلبہ تثنیہ یمانیین کہاجتا ہے۔

تمام امور صرف ایک ہی مخلص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو آخری زمانے میں آئے گا یا جس کی طرف داود(ع) نے انجیل میں اشارہ کیا ہے کہ یہ وہی کعبہ کے گوشے میں موجود پتھر یا اللہ کے نام کے ساتھ آنے والا ہے:

19: صداقت کے پھاٹکوں کو میرے لئے کھول دو۔ مَیں اُن سے داخل ہو کر خُداوند کا شُکر کروں گا۔

20: خُداوند کا پھاٹک یہی ہے صادق اُس سے داخل ہوں گے۔

21: مَیں تیرا شُکر کروں گا کیونکہ تُو نے مجھے جواب دیا اور خود میری نجات بنا۔

22: جِس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔

23: یہ خُداوند کی طرف سے ہُوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔

14:عینی عمدۃ القاری کی جلد3صفحہ26پر لکھتے ہیں:یمانیان وہ ہیں جو رکن یمانی اور رکن ہے جس میں حجراسود ہے۔ اسے اہل عراق کی نسبت سے رکن عراقی بھی کہاجاتا ہے،جبکہ اس سے پہلے اہل کی نسبت سے یمانی کہاجاتا ہے،جبکہ دونوں کو غلبہ کی وجہ سے یمانیان اوردونوں قواعد ابراہیم(ع) پر کھڑے ہیں۔

15:ابو طیب محمد شمس الدین الحق عظیم آبادی کتاب عون المعبود کی جلد5صفحہ131پر لکھتے ہیں: دو یمانی ارکان سے مراد رکن یمانی اوررکن ہے جس میں حجراسود ہے اوراہل عراق کی نسبت سے رکن عراقی بھی کہاجاتا ہے اوراس سے پہلے والے کو اہل یمن کی نسبت سے یمانی کہاجاتا ہے۔

16:صالحی شامی کتاب سبل الھدی والرشاد کی جلد8صفحہ464پر لکھتے ہیں:یہ ثابت ہے کہ رکن یمانی کوبوسہ دیاجاتا ہے،جبکہ اس سے پہلے یہ ثابت نہیں ہے کہ بوسہ دیا ہو اور نہ بوسہ کے دوران ہاتھ چوما ہو۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ(ص) رکن یمانی کو بوسہ دیتے تھے اوراس پر اپنی گال رکھتے تھے۔دارقطنی نے عبداللہ بن مسلم بن ھرمز کے واسطے سے روایت کی ہے۔ابن قیم کہتا ہے: یہاں پر رکن یمانی سے مراد حجراسود ہے پھر دوسرے رکن کے ساتھ شامل کراکر یا باب عراقی کی جانب واقع حجر والے رکن کے ساتھ ملا کر ان دونوں کو یمانیان کہاگیا،اوران دونوں کو ارکان شامیان بھی کہاجاتا ہے۔پھر رکن یمانی اور ظھر کعبہ کی جانب والے رکن کے ساتھ ملاکر اسے غربیان کہاجاتا ہے۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ حجراسود سے پہلے ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ(ص) اپنے ہاتھ کو رکھ پر بوسہ لیاکرتے تھے۔

ان کے علاوہ اوربھی بہت سارے اقوال ہیں جنہیں ہم نے اختصار کی خاطر چھوڑدی ہیں جن میں ہم یہ جانتے ہیں کہ رکن حجراسود رکن عراقی کوبھی کہاجاتا ہے،اوریہ رکن شامی کے شامل کرکے عراقیان بھی کہاجاتا ہے،جبکہ بعض رکن حجراسود کو رکن عراقی اوررکن شامی بھی کہتے ہیں۔اہل بیت(ع) کی روایات میں آیا ہے جیسے شیخ طوسی کتاب الاستبصار کی جلد2صفحہ216اور217،141 اورحدیث نمبر 743 میں جبکہ کتاب تھذیب الاحکام کی جلد5صفحہ106حدیث نمبر343 میں احمد بن محمد بن عیسیٰ نے ابراہیم بن ابو محمود نے امام رضا(ع) سے جب سوال کیا: کیا میں رکن یمانی،رکن شامی اورغربی کابوسہ لوں؟امام نے فرمایا: ہاں۔

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ رکن عراقی کابوسہ لینا جائز ہے کیونکہ اس میں حجر اسود ہے۔پھر ابن ابومحمود نےامام(ع) سے باقی ارکان کے بارے میں سوال کیا اور کعبہ کے بارے میں بعض لوگ اسے شامی جسے بعض عراقی کہتے ہیں۔روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ارکان اربعہ؛رکن عراقی،رکن حجراسود،رکن شامی،رکن غربی اوررکن یمانی ہیں۔ شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب وسائل الشیعہ کی جلد9 صفحہ423حدیث نمبر17910میں ابراھیم بن ابی محمود کی امام رضا(ع) سے مروی روایت کو نقل کی ہے؛امام رضا(ع) سے جب سوال کیا: کیا میں رکن یمانی،رکن شامی اورغربی کابوسہ لوں؟امام نے فرمایا: ہاں۔پھر شیخ طوسی نے مندرجہ ذیل ان روایتوں کو جمع کیا ہے:محمد بن یحییٰ نے غیاث بن ابراھیم سے انہوں نے امام جعفر صادق(ع) سے روایت کی ہے:"رسول اللہ(ص) رکن اسود اور یمانی کا بوسہ لیتے تھے اوراپنا رخسار ان پر رکھتے تھے اوراسی طرح میں اپنے والدگرامی(ع) کو کرتے دیکھا ہے"۔ اسی طرح جمیل بن صالح نے امام جعفرصادق(ع) سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں:میں خانہ کعبہ کاطواف کررہا تھا اتنے میں ایک شخص نے سوال کیا: ان دونوں ارکان کابوسہ کیوں نہیں لیتے؟ میں نے کہا: کیونکہ رسول اللہ(ص)ان دونوں کا ہی بوسہ لیاکرتے تھے،ان کے علاوہ دیگر ارکان کا بوسہ نہیں لیتے تھے،لہٰذا یہ عمل کیا جائے"۔جبکہ جمیل کہتا ہے۔ میں امام جعفر صادق(ع) کو سارے ارکان کابوسہ لیتے دیکھا ہے۔ شیخ طوسی کہتے ہیں؛ ان دونوں اخبار میں کوئی منافی نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں رسول اللہ(ص) کے عمل موجود ہے،اس لئے کہ ان میں فضیلت اورترغیب نہ ہونے کی وجہ سےآپ(ص) نے ایک مرتبہ دونوں کو بوسہ نہیں لیا اورآپ(ص) نے ان کابوسہ لینے کو مکروہ بھی نہیں فرمایا۔اسی لئے جمیل کی روایت میں ہے کہ اس نے امام جعفرصادق(ع) کوسارے ارکان کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر یہ جائز نہیں ہوتا تو امام(ع) ہرگز ایسا نہیں کرتے: الاستبصار للشیخ الطوسي:ج2 ص216 -217، 141.میں رکن اسود کو رکن عراقی سے تعبیر کی ہیں کیونکہ اسی میں حجر اسود ہے۔

24: یہ وہی دِن ہے جسے خُداوند نے مقرر کیا ہم اِس میں شادمان ہونگے اور خوشی منائیں گے۔

25: آہ! اَے خُداوند! بچالے۔ آہ! اَے خُداوند! خُوشحالی بخش۔

26: مُبارک ہے وہ جو خُداوند کے نام سے آتا ہے۔ ہم نے تمکو خُداوند کے گھر سے دُعا دی ہے۔[1]

اس حوالے سے مزید تاکید کے لئے کہ گوشے کے اندر موجود پتھر جسے تورات اور انجیل میں وہ مخلص کہا ہے جو آخری زمانے میں آئے گا اور وہ عراقی ہوگا اور یہی قائم حق ہوگا۔ یہاں پر ایک خواب بیان ہوتا ہے جسے جناب دانیال نبی (ع) کے زمانے میں عراق کے بادشاہ نے دیکھا تھا پھر اس کی تفسیر جناب دانیال (ع) نے بیان کیں، اور اس کی زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ البتہ جناب دانیال (ع) نے شاہ عراق کے خواب کی جو تفسیر بیان کی ہیں وہ تورات میں آیا ہے:

31: اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی۔ وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہُوئی اور اُس کی صورت ہیبت ناک تھی۔

32: اُس مورت کا سر خالص سونے کا تھا اُس کا سینہ اور اُس کے بازُو چاندی کے۔ اُس کا شکم اور اُس کی رانیں تانبے کی تھیں۔

33: اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اُس کے پاوں کھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔

34: تو اُسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا اور اُس مورت کے پاوں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور اُن کو ٹکرے ٹکرے کر دیا۔

35: تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکرے ٹکرے کئے گئے اور تابستانی کھلیہان کے بُھوسے کی مانند ہُوئے اور ہوا اُن کو اُڑا لے گئی یہاں تک کہ اُن کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اُس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔

36: وہ خُواب یہ ہے اور اُس کی تعبیر بادشاہ کے حُضور بیان کرتا ہُوں۔

37: اے بادشاہ تو شہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خُدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔

38: اور جہاں کہیں بنی آدم سکُونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ کر کے تجھ کو اُن سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے۔

39: اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہو گی جو تجھ سے چھوٹی ہو گی اور اُس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی۔

40: اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضُبوط ہو گی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزیں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکرے کرتا اور کُچلتا ہے اُسی طرح وہ ٹکرے ٹکرے کرے گی اور کُچل ڈالے گی۔

41: اور جُو تو نے دیکھا کہ اُس کے پاوں اور اُنگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اُس سلطنت میں تفرقہ ہو گا مگر

---

[1] التوراة: مزامیر، المزمور المئة والثامن عشر، العهد القديم والجديد: ج1 مجمع الكنائس الشرقية: ص915۔

جیسا کہ تونے دیکھا کہ اُس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا اُس میں لوہے کی مضبوطی ہو گی۔

42: اور چُونکہ پاوں کی اُنگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں اس لئے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہو گئی۔

43: اور جیسا تونے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہُوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہوں گے لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ویسے ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے۔

44: اور اُن بادشاہوں کے ایّام میں آسمان کا خُدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہو گی بلکہ وہ ان تمام مُملکتوں کو ٹکرے ٹکرے اور نیست کرے گی اور وُہی ابد تک قائم رہے گی۔

45: جیسا تونے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اُس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکرے ٹکرے کیا خُدا تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔[1]

پس یہ پتھر یا مخلص جو باطل ہیکل اور زمین طاغوت اور شیطان کی حکومت کو ختم کرے گا اور اس کی حکومت میں زمین پر حق وعدل پھیل جائے گا اور وہ آخری زمانے میں آئے گا اور جیسا کہ دانیال (ع) کی تفسیر کے مطابق وہ عراق میں ہو گا، یہ وہی پتھر ہے جو بتو اور طاغوت کی حکومت اور خود پسندی کو ختم کرے گا جہاں نہ عیسیٰ (ع) ہوں گے اور نہ ہی جناب داود (ع)، اور آخری زمانے میں یہ دونوں نہیں ہوں گے، بلکہ وہی خانہ کعبہ کے گوشے میں موجود پتھر ہو گا، جیسا کہ یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہود و نصاری کے مطابق اس سے مراد مکہ میں خانہ کعبہ کے گوشے میں موجود حجر اسود ہے۔ پس بیت اللہ کے گوشے میں موجود حجر اسود وہ تجلی اور رمز ہے جو عہد و میثاق کی نشانی ہے، اور یہ وہی پتھر ہے جس کے بارے میں جناب داود (ع) اور عیسیٰ (ع) فرما گئے، یہ وہی حجر ہے جو دانیال (ع) کے مطابق طاغوت کی حکومت کا خاتمہ کرے گا، اس سے مراد قائم آل محمد (ع) یا مہدی (ع) جو رسول اللہ (ص) اور ائمہ اطہار کے روایات کے مطابق آخری زمانے میں ظہور فرمائے گا۔

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته۔

---

[1] التوراة: سفر دانيال، الاصحاح الثاني.